مجھے کندن کر دو

عفت سحر طاہر

مجھے کندن کر دو

عفت سحر طاہر

"کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن سے کوئی محبت کرتا ہے۔ایک ہم ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاہ۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس نے ریموٹ سے ٹی وی اور سی ڈی پلیئر آف کر کے حسرت آمیز انداز میں کہتے ہوئے باقاعدہ ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

زاہد نے بے زاری سے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کشن چہرے پر رکھ لیا۔

"تجھ سے کہہ رہا ہوں یہ سب۔" حدید نے ہاتھ بڑھا کر کشن اس کے چہرے پر سے ہٹایا۔وہ آنکھیں موندے ہوئے تھا،اسی طرح بولا۔

"سن چکا ہوں میں ہزاروں بار۔"

اُس کی بے توجہی حدید سے برداشت نہیں ہوئی۔تیوریاں چڑھا کر پوچھنے لگا۔

"یعنی میں فضول ہی کہتا رہتا ہوں؟"

"دیکھ لو،اس بار میں نے نہیں کہا۔تم خود ہی نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔"

"شٹ اپ!" اس کے تپ اٹھنے پر زاہد ہنسا،پھر اُسے چِڑانے لگا۔

"ایک تو تمہارا مزاج بہت گرم ہے۔حالانکہ تمہارے نام کا مطلب "لوہا" ہے۔وہ تو بہت ٹھنڈا ہوتا ہے۔"

"تپتا ہے تو حد درجہ گرم بھی ہوتا ہے۔"

"میں نے خود پڑھا ہے کتابوں میں کہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔" زاہد نے مسکراہٹ دبائی۔

"اونہہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کتابوں میں پڑھا ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔"نام تو تمہارا بھی زاہد ہے مگر جتنے "زاہد و عابد" والے کام تم کرتے ہو،وہ میں جانتا ہوں۔"

زاہد ہنستے ہوئے اُٹھ بیٹھا۔

"شٹ اپ، لڑکیوں سے دوستی کا یہ مطلب نہیں کہ میں زاہد و عابد نہیں ہوں۔"

"اچھا اس بحث کو دفع کرو۔ یہ بتاؤ مووی کیسی لگی؟" وہ فوراً اپنے پسندیدہ ترین موضوع کی طرف آگیا۔ زاہد نے منہ بنایا۔

"بوگس۔"

"لعنت ہے تم پر۔ اس قدر زبردست مووی تھی اور تمہیں بوگس لگی۔" وہ سخت بدمزہ ہوا تو زاہد کو ہنسی آگئی۔

"اب تو بڑے بن جاؤ یار! مرد بچے ایسی فلمیں نہیں دیکھتے۔" اس کی تلملاہٹ سے بے نیاز زاہد اُسے چڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ "یہ اتنی رومانٹک سی فلمیں تو میرے خیال میں لڑکیوں کو پسند آتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر جان دینے والی۔ موویز تو وہ ہوتی ہیں، نان اسٹاپ ایکشن وِد کمپیوٹر ٹیکنالوجی۔"

"بکواس بند کرو اب۔"

"کبھی تو مجھے میری دلچسپی کی فلم بھی دکھا دیا کرو۔" زاہد نے اس کے موڈ کے پیشِ نظر فوراً بات بدلی تھی۔ حدید نے اسے گھورا۔

"اور ابھی یہ جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہیرو اور ہیروئن کو رومانس کرتے دیکھ رہے تھے؟"

"میں تو ساری فلم میں کوئی کام کا سین ہی ڈھونڈتا رہا۔ ایک تو پاکستانی فلم، اوپر سے لوّ اسٹوری۔۔۔۔۔۔ اوہ گاڈ"!

زاہد اسے تنگ کر کے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی، پاکستانی فلموں پر انگلش فلموں کو ترجیح دیتے ہوئے۔ یہ ہمارا کلچر تو پورٹریٹ نہیں کرتیں۔"

حدید نے اسے غیرت دلانی چاہی۔

"اگر لاچے پہن کر زیورات سے لدی پھندی، ناچتی کودتی، کھیت تباہ کرتی ہیروئن ہماری ثقافت کا حصہ ہے تو پھر کہو؟ ہالی وڈ والوں کو تو ہم بے حیا، کافر کہہ کر مووی کا نہ دیکھنے والا سین فارورڈ کر دیتے ہیں مگر تم یہ بتاؤ کہ جب یہی صورتِ حال پاکستانی فلم دیکھتے ہوئے بھی درپیش ہو تو ہمیں کیا کہنا چاہئے؟ اور پھر مجھے ذرا یہ تو بتاؤ کہ آج کل کون سی پاکستانی مووی ہے، جو ہم بلا جھجک اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکیں جس میں ہماری ثقافت، ہمارا کلچر پیش کیا گیا ہو؟"

اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے وہ اسے مطلع کرنے والے انداز میں بولا۔ "یہ اس سال کی بہترین فلم ہے جو تُو نے ابھی دیکھی ہے۔"

"ہوگی یار! میں کب کہہ رہا ہوں کہ نہیں ہے۔ لیکن تُو میرا ٹیسٹ جانتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"پانچ دفعہ میں سینما پر یہ مووی دیکھ چکا ہوں۔ ہر بار نیا مزا آیا ہے۔" وہ بہت لہک کر کہہ رہا تھا۔ زاہد نے کراہ کر اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے، تُو پاگل ہو گیا ہے۔"

"بکواس نہیں کرو۔" وہ آرام سے کہتا کارپٹ پر نیم دراز ہوا اور دو کشن اوپر تلے سر کے نیچے رکھ لئے۔ "پتہ نہیں، تمہیں محبتیں جمع کرنے کا جنون کیوں ہے؟" زاہد نے طویل سانس لی تھی۔

"نشہ ہے اس میں بھی۔۔۔۔۔۔ تجھے کیا خبر؟" وہ آنکھیں موند کر شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

"چلو مان لیا۔۔۔۔۔۔ مگر یہ "اور" کی ہوّس کیوں ہے تمہیں؟" زاہد تقریباً زچ ہو کر پوچھ رہا تھا حالانکہ یہ بحث ہفتے میں ایک بار ضرور ہوتی تھی اور تمام سوال و جواب دونوں کو رٹ چکے تھے مگر پھر بھی عادتاً ایک آدھ جھڑپ اس موضوع پر ضرور ہو جاتی تھی۔

"اور کی ہوّس نہیں ہے، مگر۔۔۔۔۔۔ یار! مجھے ورائٹی چاہئے۔" وہ جھلّا کر بولا تو زاہد کو ہنسی آگئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔ورائٹی کیسی؟"

"سیدھی سی بات ہے یار! ماں باپ سے لے کر دوسرے تمام رشتوں کی محبتیں مجھے حاصل ہیں، سوائے شادی سے پہلے والی محبت کے۔" قدرے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں بات شروع کرنے کے بعد آخر میں اس کا انداز خواب ناک سا ہو گیا تھا۔ زاہد نے قدرے تاسف سے سر ہلایا۔

"شرم کرو ذرا، اتنی فضول فلمیں دیکھو گے تو یہی اثرات رونما ہوں گے۔ مجھے دیکھ لو، فُل ایکشن فلمیں دیکھتا ہوں مگر مکھی تک نہیں ماری۔ ایک تُو ہے کہ سوار کر کے بیٹھ گیا ہے رومانس کو سر پر۔"

"یہ میری نیچر ہے۔ فلمیں میں نے بچپن سے دیکھنا شروع نہیں کیں۔" وہ سکون سے بولا۔ یہ بات زاہد بہت اچھی طرح جانتا تھا مگر وہی بات کہ اس موضوع پر نت نئی بحث کرنا ان دونوں کا مشغلہ تھا۔

"چہ۔۔۔۔۔۔۔۔چہ۔۔۔۔۔۔۔کیا بری قسمت پائی ہے تم نے۔ ماتھا جا کے پھوڑا بھی تو چنگیز خان کی رشتے دار سے۔"

زاہد بظاہر تو ہمدردی جتا رہا تھا مگر حدید اس کے انداز میں چھپی شرارت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ بھڑک اُٹھتا اگر زاہد نے اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو۔ وہ اطمینان سے بولا۔

"اب تم دیکھنا، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تو منگیتر ہے میری یار' "!ہاں۔" زاہد بے اختیار ہنسا۔ "مگر صرف منگیتر ہی ہے، ہیروئن نہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ وہ تم سے میٹھی میٹھی باتیں کرے گی یا آدھی آدھی رات تک فون پر حالِ دل سنائے گی۔"

"کیوں نہیں سنائے گی؟" حدید کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"اس لئے میری جان! کہ تجھے لفٹ تو اس نے تب بھی نہیں دی تھی، جب وہ صرف تیری "پھوپھی کی بیٹی" تھی۔" زاہد ہنسا۔

"یہی تو پوائنٹ ہے۔ اسی لئے تو منگیتر بنایا ہے اسے۔ یار! تھوڑا انجوائے تو کرنا چاہیئے نا ہر رشتے کو۔" وہ سرشاری سے بولا۔

"تو شادی کر لینا یار!" زاہد نے مشورہ دیا۔

"یعنی بِنا محبت کے؟" وہ بھویں اُچکا کر بولا۔

"بکواس نہیں کرو۔ تمہارا کیا مطلب ہے کہ میاں بیوی میں محبت نہیں ہوتی؟" زاہد خفگی سے پوچھ رہا تھا۔

"نری مجبوری ہوتی ہے۔ ان دونوں کے پاس اور کوئی چوائس ہی نہیں ہوتی، سوائے ایک دوسرے سے محبت کرنے کے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ہو، جو مجھے بے انتہا چاہے۔ میں اس سے دور رہوں تو مجھے مس کرے۔ اپنی چاہتوں کا اظہار کرے۔"

"ہاں اور تُو ایک ڈائیلاگ بولے تو وہ چار ڈائیلاگز بول دے۔" اس کے بے خود سے انداز کو زاہد نے تُند لہجے میں کاٹا۔ وہ ٹیمپو خراب ہونے پر اسے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔

"تو کیا غلط ہے اس میں؟ رضی کی منگیتر کو دیکھا ہے۔ ایک دن اُسے فون نہ کرے تو چار دفعہ کال کرتی ہے اُسے؟"

"حالانکہ اس کی کوئی تک نہیں ہے۔" زاہد کُڑھا۔

"کیا بے تکی بات ہے اس میں؟" وہ بحث پر اُتر آیا۔

"منگنی کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہوتا۔ یہ تو بس ایک معاہدہ ہوتا ہے یعنی لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کے لئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت ہمارے مذہب تک میں نہیں ہے۔ پھر لڑکیاں کیسے اپنے جذبات اور احساسات ایک قطعی غیر محرم سے شیئر کر سکتی ہیں۔ بہت غلط ہے یہ۔"

زاہد بالکل سنجیدہ تھا۔

”منگنی بھی ایک باقاعدہ رشتہ ہوتا ہے۔“ حدید نے لقمہ دیا۔

”مگر غیر محرم۔“ زاہد نے فوراً کہا۔ ”اور کہیں بھی نہیں لکھا کہ کسی غیر محرم سے لڑکیاں رومانس بگھار سکتی ہیں۔“

”تم اس بات کو مذہب کے حوالے سے کیوں دیکھتے ہو؟ معاشرتی نظریے سے دیکھو۔“ وہ چِڑ کر بولا تو زاہد نے تاسف سے اسے دیکھا، پھر طنزاً بولا۔

”آگاہ کرنے کا شکریہ۔ میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ ہم اسلامی معاشرے میں رہ رہے ہیں۔“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ وہ شرمندہ ہوئے بغیر بولا۔ مگر زاہد نے اسے صفائی پیش نہیں کرنے دی۔

”تمہارا بالکل یہی مطلب تھا۔ تم چاہتے ہو کہ تمہاری منگیتر تم سے فلمی انداز میں اظہارِ محبت کرے۔ اپنی بے قراریوں کی داستانیں تمہیں سنائے۔“

”ہاں۔ اور میرے ساتھ ڈوئٹ گائے۔ یہ کہنا تم شاید بھول گئے ہو۔“ زاہد کے تُند لب و لہجے کو اس نے تپ کر کاٹا تو وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بھی ہنس دیا۔

”تیرا کوئی اعتبار بھی نہیں۔“

”ویسے ایسا ہو بھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“

”میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گا۔“ وہ شرارت سے آنکھ دبا کر ہنسا تو زاہد نے بھی اس بار اُس کا ساتھ دیا تھا۔...☆☆☆...

”پارس! کتنی دیر سے فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ بہری ہو گئی ہو کیا؟“ عفیرہ خالی بالٹی جھلاتی، سیڑھیاں اُترتے ہوئے اُسے کوس رہی تھی، جو بڑی بے نیازی سے فون کے پاس بیٹھی کتاب میں سر دیئے ہوئے تھی۔

”ہوئی تو نہیں، مگر یوں متواتر بیل بجتی رہی تو ہو جاؤں گی۔“ وہ سر اُٹھائے بغیر بولی۔

”بدتمیز، اُٹھا کیوں نہیں رہیں؟“ جب تک وہ فون تک آئی، گھنٹی بند ہو گئی۔

”سی ایل آئی کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ آپ بہت سی ناگوار آوازیں سننے سے بچ جاتے ہیں۔“ وہ اطمینان سے بولی۔ تب عفیرہ نے اسکرین پر آئے نمبرز کو دیکھا تھا۔

”اسٹوپڈ۔ پتہ ہے، کس کا فون تھا؟“

”جانتی ہوں۔ اور اتنا خوش ہونے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔“ پارس نے کتاب بند کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

”منگیتر نہ سہی، کزن سمجھ کر ہی ان سے بات کر لیا کرو۔“ عفیرہ نے حدید کی غائبانہ حمایت کی تھی۔

”اسی لئے تو بات نہیں کرتی۔ کیونکہ کزنز کے ساتھ میں ویسے بھی بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی۔“ وہ اپنے مخصوص رسان بھرے انداز میں بولی۔

”توبہ ہے پارس! ماموں زاد ہیں حدید بھائی ہمارے۔ کوئی غیر تو نہیں۔ چند باتیں کر لو گی ان سے تو کیا ہو جائے گا؟“ عفیرہ اس سے سال بھر چھوٹی تھی، اس لئے بہت اطمینان سے اسے سمجھانے کا کام بھی سرانجام دے لیتی تھی۔

”مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔“

اُس کے صفاچٹ جواب پر عفیرہ نے اُسے ذرا سا گھورا۔

”کیا مسئلہ ہے اس میں پسند ناپسند کا؟“

”شادی سے پہلے ہی ایک دوسرے پر بالکل کھل جانا مجھے پسند نہیں ہے۔“ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

”حالانکہ ایسا ہونا چاہئے۔“ عفیرہ نے لقمہ دیا تو وہ تلخی سے بولی۔

”رمیز بھائی کا انجام بھول گئی ہو کیا؟ منگنی کے پیریڈ میں ہی صائمہ کے ساتھ ان کی اتنی بے تکلفی ہو گئی کہ

ایک دوسرے کی ہر بات، پسند ناپسند، جذبات واحساسات تک روزانہ ایک دوسرے سے شیئر کرنے کے بعد اب ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ تمام الفاظ، تمام احساسات، وہ ایک دوسرے کے حوالے پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اب فقط غمِ روزگار اور گھریلو جھگڑے، بچے ہیں ان کے پاس۔"

"ان کا تجربہ ہر ایک پر اپلائی نہیں کیا جاسکتا۔" عفیرہ ہر بات کا روشن پہلو بھی مدِ نظر رکھتی تھی۔ رمیز اور صائمہ ان کے ہمسائے تھے۔

"احتیاط تو کی جاسکتی ہے نا، اس تجربے کی روشنی میں۔" وہ اطمینان سے بولی تو عفیرہ جل کر رہ گئی۔

"جو کچھ تم کر رہی ہو، وہ احتیاط نہیں بلکہ "پرہیز" کہلاتا ہے۔"

اس کی بات پر پارس بے ساختہ ہنسی، پھر ذرا سنجیدہ ہو گئی۔

"لیکن یہ مجھے پسند ہے اور میں اسے ٹھیک بھی سمجھتی ہوں۔"

"مجھے تمہاری منطق بالکل بھی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بشریٰ رحمن کہتی ہیں۔ "مرد دریافت کا پرندہ ہے۔" میں نہیں چاہتی کہ میں جب اس کی زندگی میں جائوں تو اس کے لئے "پرانی" اور "مانوس" سی چیز بن چکی ہوں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" عفیرہ اُلجھی۔

"دیکھو، صاف سی بات ہے۔ اگر میں منگنی سے لے کر شادی تک ہزاروں بار اس سے کہوں کہ مجھے اس سے محبت ہے اور اپنی بے قراریوں کی داستان سنانے لگوں تو شادی کے بعد یہ سب عام سے بے روح الفاظ رہ جائیں گے۔ جب کہ یہ تمام باتیں ان نئے دنوں کا حُسن ہوتی ہیں، میں نہیں چاہتی کہ ہم بس نباہنے کے لئے شادی کریں۔ کچھ تو نیا پن ہونا چاہئے نا۔"

"توبہ ہے، تم سے تو۔ عجیب سی لوجک اپنائے ہوئے ہو۔" عفیرہ کے انداز میں ناگواری چھپی تھی۔

"یہ منطق نہیں، عقل سے سمجھنے والی بات ہے۔ میاں بیوی کو شادی کے بعد ہی ایک دوسرے پر کھلنا چاہئے۔" وہ رسان سے بولی۔

"بالکل غلط۔ ہمارا اسلام بھی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو جانیں، سمجھیں۔" اس کے برعکس عفیرہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

"اسلام نے کہہ دیا، تم نے پڑھ لیا اور بس۔ میری جان! کبھی گہرائی میں بھی جایا کرو۔ اسلام اس بات کی کبھی بھی اجازت نہیں دیتا کہ شادی سے پہلے کوئی لڑکی اپنے منگیتر سے فون پر آدھی رات تک باتیں کرے۔ رومینٹک باتیں تو دور کی بات ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں سمجھانا چاہا۔

"مگر بات کرنے کی اجازت تو ہے نا۔" عفیرہ اپنی بات پر اٹکی تھی۔

"کتنی بار؟" وہ سکون سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" اس نے خفیف سے شانے اچکائے۔

"فقط ایک بار، وہ بھی رشتہ طے کرنے سے پہلے تاکہ دونوں فریقین میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہو تو وہ بتا دے۔ یہ کہیں نہیں لکھا کہ شادی ہونے تک ایک دوسرے کو جانتے ہی رہیں۔ منگیتر محرم نہیں ہوتا۔" پارس کا انداز بہت اٹل تھا۔ عفیرہ جھنجلا گئی۔

"اب ہم اتنے بھی مسلمان نہیں ہیں۔ اس معاملے میں معاشرے کے ساتھ چلنے میں کیا مضائقہ ہے؟"

"دیکھو، میں تم پر اپنے کٹر مسلمان ہونے کا رعب قطعی نہیں جھاڑ رہی۔ میں تو اپنی پسند کی بات کر رہی تھی۔ اسلامی نقطہ نظر سے بات تم نے شروع کی تھی، اب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میری سوچ تقریباً اپنے مذہب سے ملی ہے اور جہاں تک بات ہے معاشرے کے ساتھ چلنے کی، تو یہ ڈائیلاگ پتہ نہیں، اتنا عام کیوں ہوتا جا رہا ہے۔ کبھی کسی نے یہ نہیں کہا "اسلامی معاشرے" کے ساتھ چلا جائے، جب معاشرے کے ساتھ

اسلام اور مذہب کا ذکر آئے گا تو خود بخود سُدھار پیدا ہوتا جائے گا۔ پھر ہمیں اِن شاءاللہ اس بحث و مباحثے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

وہ اپنے مخصوص نرم اور ٹھنڈے میٹھے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مگر عفیرہ کی سیمابی فطرت اتنی جلدی اس کی باتوں سے متاثر ہونے والی نہیں تھی۔

"جب تمہارے خوابوں کے مطابق ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے گا تب تم بھی اپنی حسرتوں کے عین مطابق زندگی گزار لینا۔ فی الحال تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بناؤ۔"

پارس کئی لمحوں تک تاسف میں گھری اُسے دیکھے گئی، پھر اسی پُرسکون انداز میں بولی۔

"فطرت کبھی نہیں بدلتی عفی! جب تم لوگ میری فطرت نہیں اپنا سکتے تو پھر مجھے اپنے قالب میں ڈھالنے کی سعی کیوں کرتے ہو؟"

"خدا رحم کرے حدید بھائی پر۔"

عفیرہ گہری سانس لے کر تمسخرانہ انداز میں بولتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ مغرب اور تم مشرق۔ دیکھیں گے، ملاپ کیا رنگ لاتا ہے۔۔۔"☆☆☆...

احمد رضا نے بیوی کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی بیٹیوں کو ننھیال سے دور ہی رکھا تھا مگر جب ان دونوں بچیوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو وہ بوکھلا گئے۔ یکلخت ہی انہیں احساس ہوا کہ جیسے تیسے کر کے انہوں نے بیٹیوں کو پال تو لیا ہے مگر اب آگے کی ذمہ داری بہت کڑی ہے، جس میں بیٹیوں کے لئے مناسب رشتے تلاش کرنا سرفہرست تھا۔ تب احساسِ ندامت سے چُور تقریباً اٹھارہ سالوں کے بعد ان راستوں پر لوٹے جہاں سے کبھی وہ نگہت آرا کو اپنی عروس بنا لے گئے تھے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے اسے ساری دنیا سے الگ کر دیا تھا۔ انہیں اچھا ہی نہیں لگتا تھا کہ وہ ان کے علاوہ کسی اور پر توجہ دے۔

نگہت آرا کو تو پھر بھی کبھی کبھار اپنے گھر والوں سے ملنے کی اجازت تھی، مگر شادی کے سال بھر بعد پیدا ہونے والی پارس اور اس سے چھوٹی عفیرہ نے تو بچپن سے لے کر جوانی تک کبھی ننھیال والوں کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

نگہت آرا کو احمد رضا کی دیوانگی پسند تھی، وہیں ماں باپ اور بھائی بہنوں سے دُوری کا دُکھ بھی تھا، مگر وہ اُن کی اُلجھی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ احمد رضا بچپن ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہو گئے تھے۔ نتیجتاً وہ اپنی نانی کے گھر پلے بڑھے تھے مگر اس طرح کہ سر پر چھت کا سایہ تو تھا مگر پیار اور شفقت کا نہیں۔ نانی کے مرنے کے بعد وہ بس خودرو پودے کی طرح بڑھے تھے، البتہ ماموؤں اور ممانیوں کی مہربانی تھی کہ انہیں تعلیم دلوانے کا احسان انہوں نے کر دیا تھا۔ نگہت آرا سے شادی کے بعد انہوں نے تقریباً ساری دنیا ہی سے رابطے منقطع کر دیئے۔ ان کے دل و دماغ میں یہ خوف جڑیں گاڑ چکا تھا کہ رشتے ہمیشہ دکھ دیتے ہیں۔ ان سے دُوری بہتر ہوتی ہے۔ اس لئے نگہت آرا نے بھی ان کی محبت آمیز دیوانگی کا احترام کرتے ہوئے کبھی ان پر زور نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے برخلاف کوئی کام کریں۔ ماں باپ اور بھائی بہنوں کو بھی انہوں نے صاف الفاظ میں احمد رضا کی طبیعت سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان کے دل کھٹے تو پڑ گئے، مگر بیٹی کو خوش دیکھ کر وہ ناگواری مدھم پڑ گئی۔

نگہت آرا کی زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ شادی کے آٹھ سال کے بعد احمد رضا کو بیٹیوں کے ہمراہ تنہائی کا دُکھ سہنے کو چھوڑ گئیں۔ احمد رضا نے بیٹیوں کو مزید اپنے آپ میں سمیٹ لیا۔ پہلے تو کبھی کبھار انہیں ننھیال والوں سے ملنے کی اجازت تھی، پھر احمد رضا کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ اس طرح کہیں پارس اور عفیرہ ان سے دُور نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے مخصوص سرد مہر انداز میں سب کو ان سے ملنے سے منع کر دیا۔ وہ لوگ بھی مجبور تھے، بیٹی رہی نہیں تھی، جس کے دم سے کبھی کبھار اس گھر میں آجایا کرتے تھے۔ رہی بات نواسیوں کی، تو جس کا وہ خون تھیں، وہ ان سے متعلق ہر فیصلے کا مجاز تھا۔

اور پھر طویل اٹھارہ سالوں کے بعد احمد رضا انہی راستوں پر دوبارہ لوٹے تو ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ ان کے دل میں یہ خوف

بھی تھا کہ ننھیال نانی اور نانا کے دم سے ہوتا ہے۔ وہ رہے نہیں۔ اب نگہت آرا کے بہن بھائی جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ مگر احسن عباس نے اس قدر گرم جوشی دکھائی کہ احمد رضا شرمسار ہو گئے۔ احساسِ ندامت انہیں سر جھکانے پر مجبور کر رہا تھا۔ ادھر سے کسی نے بھی انہیں قطعاً کوئی گزری تلخ کلامی یاد دلا کے شرمندہ نہیں کیا تھا، مگر خود احمد رضا کو پچھتاووں کے جال جکڑنے لگے۔

جن لوگوں میں آکر وہ اتنے مطمئن اور ہلکے پھلکے ہو گئے تھے، ان سے دُور ہو کر نگہت آرا پر جو بیتی ہو گی، اس کا دکھ وہ اب اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔

اسی میل ملاپ کے دوران حدید احسن کو اپنی سنجیدہ سی کزن بہت بھائی تھی۔ عفیرہ تو لگتا ہی نہیں تھا کہ ان سب سے ابھی مل رہی ہے۔ لمحوں میں وہ سب کے ساتھ بے تکلف ہو چکی تھی۔ البتہ پارس کے انداز میں جھجک سی تھی اور یہی جھجک اور دھیما سا انداز حدید کو گھائل کر گیا۔ اس نے پارس سے بھی عفیرہ کی طرح دوستانہ روابط رکھنے چاہے مگر اس نے تو جیسے خود کو ایک مضبوط حصار میں قید کر رکھا تھا۔ سو حدید کو ایک ہی راستہ نظر آیا اور اب سے چند ماہ پہلے اس نے پارس احمد کو خود سے منسوب کرا لیا۔ مگر اب وہ اپنی فطرت کی رومانیت کے باعث پارس سے اس قدر توقعات وابستہ کر چکا تھا کہ وہ جھنجلا کر رہ جاتی تھی۔

وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ کھلے ماحول کا پروردہ حدید احسن اس سے وہی رومانوی ریلیشن شپ چاہتا تھا، جو عام طور پر باتوں اور کچھ ملاقاتوں کی حد تک لڑکیاں اپنے منگیتروں سے رکھتی ہیں۔ مگر یہ سب پارس کو بے جواز اور فضول لگتا تھا۔ منگنی سے پہلے ہی وہ حدید کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی دیکھ چکی تھی مگر اس نے انجان بننا مناسب سمجھا۔ لیکن جب

اس کی خاموشی دیکھ کر وہ ذو معنویت پر اُترا تو اس سے کھنچ سی گئی۔ پہلے جو وہ کبھی کبھار ان سب میں آبیٹھتی تھی، وہ بھی کم کر دیا۔ تب حدید نے منگنی کا شور مچایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ منگنی کے بعد وہ لائن پر آجائے گی، مگر یہ اس کی خام

خیالی ہی تھی کیونکہ جو فون لائن پر نہیں آتی تھی، اس کا رومانی لائن پر آنا تو بہت دور کی بات تھی۔

پارس اس سلسلے میں خود کو بالکل حق پر سمجھتی تھی۔ پہلے تو کبھی کبھار حدید سے بات چیت کر لیا کرتی تھی مگر منگنی کے بعد اس کی نیچر سے واقفیت ہوتے ہی اس نے وہ بھی ختم کر دی تھی۔ عفیرہ کو پارس کی اتنی احتیاط پسندی بالکل نہیں بھائی تھی مگر اس کی خفگی پر پارس نے نرمی سے اسے سمجھا دیا تھا۔

"عفی! مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن صرف منگیتر کی حیثیت سے بے تکلف ہونا مجھے بالکل بھی پسند نہیں۔"

عفیرہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔ جس قدر پارس ٹھنڈی میٹھی اور شرمیلی طبیعت کی مالک تھی، اسی قدر بولڈ اور شوخ و شریر حدید احسن تھا۔

...☆☆☆...

وہ کچن میں کام کر رہی تھی، جب عفیرہ نے اسے پکارنا شروع کر دیا۔

"کیا مصیبت آگئی ہے تم پر؟" وہ جھنجلائی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں آئی تھی۔

"شش۔۔۔۔۔۔۔۔ ممانی جان ہیں۔" عفیرہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے سرگوشی میں بتایا تو وہ خجل سی ہو گئی۔

"تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔" عفیرہ نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا تو وہ تھام کر صوفے پر ٹِک گئی۔

"السلام علیکم ممانی جان!" اس نے بہت خوش دلی سے آغاز کیا تھا۔

"خوشی تو مجھے بھی بہت ہو رہی ہے، تمہاری آواز سن کر۔ مگر میں تمہاری طرح حواس باختہ نہیں ہو رہا۔"

دوسری طرف سے انتہائی غیر متوقع طور پر حدید کی آواز گونجی تو وہ اُچھل ہی پڑی۔ بری طرح گھور کر عفیرہ کو

دیکھا، جو دانتوں کی نمائش کر رہی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے بھئی؟''

''جی، ٹھیک ہوں۔'' وہ سنبھل کر سنجیدگی سے بولی تو اس نے بہت اشتیاق سے پوچھا۔

''کیا کر رہی تھیں؟''

''لہسن چھیل رہی تھی۔'' وہ بہت سادگی سے بولی۔ عفیرہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی، جبکہ دوسری طرف کوئی خوب صورت سا جواب سننے کا منتظر حدید ریسیور کو گھور کر رہ گیا ہوگا۔

''بہت بدذوق ہو تم۔۔۔۔۔۔۔اور کوئی کام نہیں رہ گیا تھا کرنے کو؟''

''جی۔۔۔۔۔۔۔'' وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''اور بھی بہت کام ہوتے ہیں مگر تمہیں تو شاید کچن کے کاموں کے سوا اور کسی شے سے دلچسپی نہیں۔'' وہ خاصا چِڑا ہوا لگتا تھا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں، باقی سب بھی مجھے پتہ ہے۔''

''مثلاً؟'' بے صبری سے پوچھا گیا۔

''مثلاً میں ڈسٹنگ بہت اچھی کرتی ہوں، ڈیکوریشن کرنا مجھے بہت پسند ہے، سلائی کڑھائی کرنا اور۔۔۔۔۔۔۔''

''دل توڑنا اور قطعی شرمندہ نہ ہونا بھی بہت پسند ہے۔'' اس کے مخصوص نرم اور سادہ انداز پر چِڑ کر وہ اس کی بات کاٹ گیا تو وہ حیران ہونے لگی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں نے پرسوں اتنی دفعہ فون کیا تھا مگر تم نے اٹینڈ ہی نہیں کیا۔ عفیرہ بتا رہی تھی کہ تم دونوں گھر ہی میں تھیں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔ پارس نے بے آواز طویل سانس لی، پھر اسے ٹالنے کو بولی۔

''دراصل میں ایک بک پڑھ رہی تھی، اس لئے میں نے دھیان نہیں دیا۔''

''بہت بری بات ہے، یوں کسی کو ستانا۔'' اس کا بدلتا لہجہ پارس نے سرعت سے محسوس کر لیا۔

''ماموں جان کیسے ہیں؟''

''جب ماموں جان فون کریں گے تو ان سے ان کی طبیعت کا حال پوچھ لینا۔ میں نے صرف اپنی باتیں کرنے کے لئے فون کیا ہے۔'' وہ بے ساختہ بولا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''جی۔۔۔۔۔۔۔!''

''جی ہاں۔'' وہ اسی لب و لہجے میں بولا۔ پھر فوراً انداز بدل گیا۔ ''میں تمہیں بہت مِس کر رہا ہوں۔'' چند لمحوں تک اس نے رک کر پارس کے جواب کا انتظار کیا، پھر اس کی خاموشی کے جواب میں خود ہی بولنے لگا۔

''دن بھی تو اتنے ہو گئے ہیں۔ منگنی کے بعد تو ہم ملے ہی نہیں۔ تین ماہ تو ہونے کو ہیں۔'' اس نے تو جیسے پل پل گن رکھا تھا۔ پارس فون رکھنے کا بہانہ سوچنے لگی۔

''تم نے مجھے یاد کیا تھا؟'' وہ بڑے تیقّن سے کہہ رہا تھا، جیسے یقین ہو کہ اس کا جواب اثبات میں ہوگا۔

''آپ کوئی سبق تو نہیں کہ آپ کو یاد کیا جائے۔'' وہ عام سے انداز میں بولی۔ عفیرہ کی خشونت آمیز نگاہیں وہ قصداً نظر انداز کر رہی تھی۔ حدید نے اس کے انداز کو شرارت سمجھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

''اچھا اب یہ بتاؤ، مجھے مِس کر رہی ہو نا؟'' وہ پھر سے اپنے پسندیدہ موضوع پر آ گیا۔ مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بعجلت بولی۔

"یہ عفیرہ آپ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہ رہی ہے۔" اور یہ کہتے ہی اس نے ریسیور عفیرہ کی طرف بڑھا دیا اور خود اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت پچھتاؤ گی تم۔۔۔۔۔۔" عفیرہ نے دانت کچکچائے مگر وہ ان سنی کرتی کچن میں چلی گئی۔ عفیرہ فون کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی حدید بھائی؟"

"یہ کیا پرابلم ہے؟ کیا واقعی تم نے مجھ سے ضروری بات کرنی تھی؟" وہ خفیف سی جھلاّہٹ کے ساتھ بولا تو اس کی بے چارگی پر عفیرہ کو ہنسی آگئی۔

"چہ۔۔۔۔۔۔چہ۔۔۔۔۔۔بے چارے آپ۔" اس نے مذاق اُڑایا تو وہ جل کر رہ گیا۔

"دیکھو، وہ یہ سب ٹھیک نہیں کر رہی۔"

"یہی تو میں بھی کہتی ہوں۔ مگر میں نے سوچا کہ آپ اُسے ٹھیک کر لیں گے۔" عفیرہ ہنوز اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اب تو مجھے بھی لگ رہا ہے کہ اسے ٹھیک کرنا پڑے گا۔" پارس کا انداز حدید کو واقعی بہت برا لگا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔" عفیرہ نے اسے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

"آخر اس کو غرور کس بات کا ہے؟" وہ کڑھ رہا تھا، پھر سے بول اٹھا۔

"دیکھیں، اب یوں تو مت کہیں۔ بہت سی خصوصیات ہیں اس میں جن پر وہ غرور کر سکتی ہے۔" اب کی بار عفیرہ نے بہن کی حمایت کی تھی۔

"تمہی نے اس کی "خصوصیات" کا ذکر کر کے اسے سر پر چڑھا لیا ہو گا۔ یوں تو لوگ غیروں سے بھی بات نہیں کرتے، جیسے وہ مجھ سے کرتی ہے۔" وہ غصے اور ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ عفیرہ نے گہری سانس لی، پھر

بولی۔

"یہ تو پہلے بھی آپ کو پتہ تھا، اُس کی نیچر ہی ایسی ہے۔"

"اچھی خاصی نیچر ہے اُس کی۔ نوید بھائی کے ساتھ تو خوب ہنس ہنس کر بولتی ہے۔" وہ سخت خفا ہو رہا تھا۔ عفیرہ کو ہنسی آنے لگی۔ اس کا جی چاہا، کہے کہ نوید بھائی آپ کی طرح رومانوی باتیں کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے وہ ہنس ہنس کر ان سے باتیں کرتی ہے، مگر اس نے کہا نہیں۔ اس کی ہنسی پر وہ تپ اُٹھا۔

"دیکھو، میں کل رات کو فون کروں گا۔ اُسے کہنا کہ وہی ریسیو کرے، ورنہ۔۔۔۔۔۔" اُس کی بات پر عفیرہ پریشان ہونے لگی۔

"کمال کرتے ہیں آپ، مجھ پر یہ ذمہ داری مت ڈالیں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ بات نہیں کرے گی۔ خوامخواہ ٹینشن پیدا کریں گے آپ۔" اس نے لگی لپٹی رکھنے کے بجائے صاف صاف بات کرنا مناسب سمجھا۔

"واٹ؟" حدید کو جھٹکا سا لگا۔ "کیوں پیدا ہو گی ٹینشن؟ اور وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کرنا چاہتی؟"

"دراصل اُسے شادی سے پہلے یہ سارا سلسلہ پسند نہیں ہے۔" اس نے محتاط لفظوں میں بتا ہی دیا۔

"اس نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟ کزن ہی نہیں، منگیتر بھی ہوں اس کا۔ کوئی گلی کا بدمعاش نہیں جو یوں مجھ سے بات کرتے ہوئے نفع نقصان کا خیال کرتی ہے۔" حدید کے لب و لہجے سے عفیرہ کو اندازہ ہو گیا کہ اسے پارس کے خیالات کوئی خاص پسند نہیں آئے۔ وہ جلدی سے بولی۔

"آپ بات کو کدھر لے جا رہے ہیں؟ اب اتنا بھی برا نہیں سمجھتی وہ آپ کو۔ تھوڑا شرماتی ہے اور بس۔ بلکہ کل تو وہ باتوں ہی باتوں میں آپ کے فون نہ کرنے پر تشویش کا اظہار بھی کر رہی تھی۔" اس نے حدید کا دل صاف کرنے کے لئے تھوڑا سا جھوٹ بولنے میں عار نہیں سمجھا۔

"اچھا؟" حدید کا لہجہ فوراً بدلنے لگا۔ "تو پھر مجھ سے کیوں نہیں کچھ کہا اس نے؟"

"بتایانا، کہ آپ سے شرماتی ہے۔" عفیرہ اپنے بیان پر اڑی تھی۔

"ایسا کیسے چلے گا یار؟ یقین مانو، تین ماہ ہو گئے ہیں، ہماری منگنی کو اور ابھی تک میں اس کی نیچر کے متعلق کچھ بھی جان نہیں پایا ہوں۔" وہ قدرے جھلّاہٹ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ عفیرہ کو نئے سرے سے پارس پر غصہ آنے لگا، جو اتنے اچھے بندے کو خوار کر رہی تھی۔

"چلیں، اب آپ فون کیجئے گا، میں اسے سمجھاؤں گی۔"

"تم اسے فورس مت کرنا۔ اگر وہ خود سے بات کرنا چاہے تو ٹھیک ہے، ورنہ رہنے دینا۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اوکے جناب! اور کوئی حکم؟" وہ قدرے شوخی سے اس کا موڈ بدلنے کی خاطر بولی تو وہ بھی ہنس دیا۔

"بس یہ کہ اس سر پھری اور مغرور سی لڑکی کو سدھار دو۔ ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

"آپ بے فکر رہیں اور کل کے لئے ڈائیلاگز تیار کریں۔" عفیرہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔

چند ایک باتوں کے بعد اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر گہری سانس لی، پھر زور سے پارس کو آواز دی۔ وہ ہراساں سی دوڑی چلی آئی۔

"کیا ہوا؟"

"کیا ہوا کی بچی، وہ تمہارے منگیتر صاحب آگ بگولا ہو رہے تھے۔" وہ دانت پیس کر بولی تو پارس نے قدرے ڈر کر اسے دیکھا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟""تمہارا سر کہہ رہے تھے۔" وہ بدستور اسی انداز میں بولی۔ "ایسا کیا کہہ دیا تھا، انہوں نے کہ تم ریسیور مجھے تھما کر بھاگ اُٹھیں؟"

"مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ مجھے مِس کر رہی ہو نا؟ اب میں بھلا کیا کہتی؟" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

عفیرہ نے دانت کچکچائے۔

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ تم اپنی حرکتوں کی وجہ سے انہیں مِس کر دو گی۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ بے اختیار اسے ٹوک گئی۔

"وہ تو پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہے تھے۔ اتنی مشکلوں سے ان کا موڈ ٹھیک کیا ہے میں نے۔" عفیرہ فون سے متعلق اسے بتانے سے پہلے اچھی طرح ڈرانا چاہ رہی تھی اور تھوڑی سی کامیابی اسے حاصل بھی ہو گئی تھی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟" وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔

"اب میں کیا کہوں، پارس! مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔" وہ بڑی کامیابی سے افسردہ سا منہ بنائے ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے یہ۔۔۔۔۔۔۔" وہ پریشان دل لئے صوفے پر گر سی گئی۔ "اسی لئے میں منگنی کے حق میں نہیں تھی۔ خوامخواہ مجھ سے توقعات وابستہ کر لی ہیں انہوں نے۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"خوامخواہ نہیں۔ یہ اس رشتے کا تقاضا ہے۔" عفیرہ نے اطمینان سے کہا تو وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم ان سے کلیئر کر لیتیں ناں۔"

"واٹ؟ یعنی میں وہ سب فضولیات ان سے کہتی کہ شادی کے بعد تم سے باتیں کریں، پہلے ممانعت ہے۔" عفیرہ تپ اُٹھی۔

"کوئی فضولیات نہیں ہیں۔ تم لوگ تو ویسے ہی بگڑے ہوئے ہو۔" وہ کُڑھی۔

عفیرہ گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "اب انہوں نے گیند تمہارے کورٹ میں پھینک دی ہے۔ چاہو تو اچھا سا اسٹروک لگا دینا، چاہے تو مِس کر دینا۔"

"کیا مطلب؟" اس کی انوکھی اصلاحات پارس کے سر پر سے گزر گئیں۔ اس نے بے حد حیرت سے عفیرہ کو

دیکھا۔

''کل رات حدید بھائی فون کریں گے، جو صرف تم ریسیو کرو گی۔ دوسری صورت میں تمام تر ذمہ داری تمہارے سر ہوگی۔'' عفیرہ نے بے حد سنجیدگی سے وضاحت کی تو وہ جو اسے دیکھ رہی تھی، سر جھٹک کر رہ گئی۔

''آخر کہنا کیا چاہتے ہیں وہ مجھ سے؟''

''ظاہر ہے، باتیں کرنا چاہتے ہوں گے۔'' عفیرہ نے اپنے تئیں بڑے پتے کی بات کی تو پارس نے ذرا سا گھور کر اسے دیکھا، پھر قدرے چِڑ کر بولی۔

''ایسی کون سی باتیں ہیں جو مجھے معلوم ہونا بہت ضروری ہیں؟''

''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ مجھے تو تجربہ نہیں ہے۔ البتہ جو مشاہدہ ہو رہا ہے، وہ قابلِ رحم ہے۔'' وہ اب پارس اور حدید کے مابین کشمکش کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ پھر اُس کو سر تھامے دیکھ کر وہ تسلی دینے لگی۔

''ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت ضروری بات ہو۔ تم سے شیئر کرنا چاہتے ہوں۔''

''اتنی ضروری بات ہوتی تو ابھی کہہ دیتے۔ کل کی پخ لگانے کی کیا تک تھی؟'' اسے غصہ آنے لگا۔ ''دیکھو پارس! میں جانتی ہوں کہ تمہیں یہ سب پسند نہیں ہے، لیکن اب ان سے رشتہ ہی ایسا ہے کہ بِنا سوچے سمجھے کوئی بات بھی نہیں کی جاسکتی۔ اس مسئلے کو بہت احتیاط سے حل کرنا پڑے گا۔ دیکھو، تمہیں بات کرنے کا طریقہ آتا ہے۔ جتنی نرمی سے تم مجھے سمجھاتی ہو، حدید بھائی کو بھی ویسے ہی ہینڈل کر لینا۔'' عفیرہ نے بڑے طریقے سے اسے سمجھایا تو وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں کیا کہوں گی ان سے، عادت کی بات اور ہے مگر ایمان سے عفی! میری ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں ان کی آواز سنتے ہی۔'' اس کے بے حد جھجکے ہوئے انداز پر عفیرہ نے ہنسنا شروع کر دیا تو وہ خجل سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اسی لئے میں تم سے کوئی بات نہیں کرتی۔'' اس کے انداز میں خفگی در آئی تھی۔ عفیرہ نے بمشکل ہنسی روک کر آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کیا۔

''تمہارا انداز ہی ایسا تھا، اس میں میرا کیا قصور؟''

''صاف کہہ دینا۔ میں بس ایسی ہی ہوں۔ اگر منظور ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر۔۔۔۔۔۔'' وہ غصے سے تیز لہجے میں کہتی لب بھینچ گئی۔ عفیرہ نے اُس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''فضول باتیں مت کرو۔ یہ سب اتنا آسان نہیں جتنا کہ تم سمجھ رہی ہو۔ اپنے ابو ہی کا خیال کر لیا کرو۔ اب کس قدر خوش اور مطمئن رہنے لگے ہیں وہ۔''

''تو اب میں کیا کروں؟'' وہ روہانسی ہونے لگی۔

''پہلی اور آخری مرتبہ بات کر لو۔ اور اسی میں ہر بات طے کر لو، جو تمہارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔'' عفیرہ نے مشورہ دیا تھا۔

اگلا سارا دن جس طرح اس نے گزارا تھا، یہ وہی جانتی تھی۔ عفیرہ کالج سے لوٹی تو اس کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد وہ فوراً سونے کے لئے کمرے میں چلی گئی۔ یہ اس کا معمول نہیں تھا اس لئے عفیرہ کو حیرت تو ہوئی، مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ اسے پارس کے سونے کے بعد اور کوئی مصروفیت نہیں ملی تو وہ اپنی پسند کی پرانی سی مووی لگا کر بیٹھ گئی۔

رات کھانے پر بھی پارس کا دھیان آنے والے فون ہی کی طرف رہا۔ عفیرہ اس کی حالت دیکھ کر کوفت سے سر ہلا کر رہ گئی۔

''پارس! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

اس کا کھویا کھویا انداز احمد رضا سے بھی چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ وہ بری طرح چونکی۔

"جی۔۔۔۔۔۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔"

"تو پھر ٹھیک طرح سے کھانا ختم کرو۔" انہوں نے نرمی سے اسے ٹوکا تو وہ سنبھل کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کی بدحواسی عفیرہ کو اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ اسے ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی۔ اس کے خیال میں یہ اتنی عجیب یا غیر متوقع بات تو نہیں تھی۔ حدید نے تو فقط بات کرنا چاہی تھی، ورنہ آج کل تو لڑکیاں منگیتروں کے ساتھ اُڑتی پھرتی ہیں۔

کھانے کے بعد اس نے چائے بنا کر ابو اور عفیرہ کو دی اور خود برتن دھونے کھڑی ہو گئی۔ لاشعوری طور پر وہ فون سے دور رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ڈرامہ ختم ہوا تو نو بج رہے تھے۔ احمد رضا خبریں سن کر اٹھے۔

پارس نے استفہامیہ نگاہوں سے عفیرہ کو دیکھا تو اس نے پوچھا۔

"میں کروں فون؟"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا ہے، بھول گیا ہوا نہیں۔" اس نے تو واقعی شکر ادا کیا تھا۔ مگر عفیرہ بے اختیار مسکرا دی۔

"تمہارا نام تو "نایاب" ہونا چاہیئے تھا۔"

"وہ تو اب بھی نایاب ہی ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "واقعی۔" عفیرہ نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ "تم جیسی تو اب اتنی نایاب ہو گئی ہیں کہ صرف جنگلوں ہی میں پائی جاتی ہوں گی، بلکہ غاروں میں۔" عفیرہ کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب مجھ پر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔ اگر فون آیا تو جو جی چاہے کہہ دینا۔" وہ بری الذمہ ہوتے ہوئے کمرے میں جانے کو پَر تول رہی تھی، مگر اسی وقت فون بجنے لگا۔ عفیرہ اپنی ہنسی چھپانے کے لئے فوراً ٹی وی کی طرف رخ موڑ گئی۔

"اُٹھاؤ نا۔" اس نے عفیرہ کا شانہ جھنجوڑ ڈالا۔

"سی۔ بدتمیز۔" وہ اسے گھورتے ہوئے ریسیور اٹھانے لگی۔

"ہیلو! جی، حدید بھائی! کیا حال ہیں؟"

دوسری طرف حسبِ توقع وہی تھا۔ عفیرہ کے انداز میں محسوس کئے جانے والا تپاک تھا۔

"ہاں جی۔۔۔۔۔۔ یہیں ہے۔ بات کریں گے؟ اچھا، میں بلاتی ہوں اُسے۔" عفیرہ کا انداز ایسا ہی تھا، جیسے پارس کو دُور سے بلا رہی ہو۔ پھر قدرے توقف سے اُس نے ریسیور پارس کی طرف بڑھایا تو وہ صوفے پر ڈھے سی گئی اور ریسیور پکڑ کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو!" بمشکل حلق سے آواز نکلی تو عفیرہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تھینک گاڈ۔" دوسری طرف وہ بے حد اچھے موڈ میں تھا۔ "کیا کر رہی تھیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ پارس ابھی جواب سوچ ہی رہی تھی کہ اس نے اگلا سوال جڑ دیا۔

"مجھے یاد کرتی ہو؟ سچ سچ بتانا، میرے خواب دیکھتی ہو نا؟"

"جی؟" وہ کانوں کی لوئوں تک سرخ پڑ گئی۔ جب کہ وہ اُس کی استعجابیہ "جی" کو اعتراف سمجھ کر خوش ہو اٹھا۔

"میں بھی تمہیں بہت یاد کرتا ہوں۔ بلکہ اب تو ہر وقت، ہر لمحے، بس تم ہی تم ہوتی ہو۔" لگ رہا تھا، وہ بہت فراغت میں ہے۔ اس کا ملائمت واپنائیت بھرا انداز پارس کے دل کی دنیا زیروزبر کرنے کو کافی تھا۔

"آپ۔۔۔۔۔۔۔ آپ اور کچھ نہیں کرتے؟" وہ کافی ناگواری سے کہہ گئی۔

"تم نے اس قابل چھوڑا ہی کب ہے؟" وہ شرارت سے ہنسا تھا۔ پارس کو یوں لگا، جیسے وہ اس کے مقابل موجود ہو۔ ایسی باتیں کب سنی تھیں جو وہ انجوائے کرتی۔ پورے وجود میں سنسناہٹ دوڑ اُٹھی۔

"دیکھیں پلیز! ایسی باتیں مت کریں۔ مجھے اچھی نہیں لگتیں۔" اس نے سر جھکا کر ماتھے کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اتنی مشکلوں سے تو اس حیثیت میں آیا ہوں کہ ایسی باتیں کر سکوں اور تم ہو کہ پھر سے قدغن لگا رہی ہو۔" وہ بہت دلبرانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ اندازِ تخاطب نے پل بھر میں پارس کو سٹپٹا دیا۔

"آپ نے کچھ ضروری بات کرنا تھی مجھ سے؟" وہ بہت سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"باتیں تو تم سے سب ہی ضروری کرنا ہیں۔ تم دستیاب تو ہو جاؤ کبھی۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا تو پارس نے اتنی سردی میں بھی خود کو پسینے میں ڈوبتا محسوس کیا۔

"پتہ ہے، اس وقت میں تصور کی آنکھ سے تمہیں شرماتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے خوب صورت چہرے پر چھائی شرمگیں سی مسکراہٹ۔"

"حدید! پلیز۔" وہ بے اختیار اسے ٹوک گئی۔ وہ حد درجہ بے خود ہو رہا تھا۔ "پکارتی رہو یونہی۔ لگ رہا ہے، زندگی اپنی طرف بلا رہی ہے۔" وہ بوجھل سے لہجے میں بولا تو اس کا وجود سنسناہٹوں میں گھرنے لگا۔ اس نے فوراً ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے۔

"کیا ہوا؟" عفیرہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتی ہوئی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں۔ میں سونے جا رہی ہوں۔"

عفیرہ نے شانے اچکا کر اسے اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔

وہ بستر پر لیٹی اسی کو سوچ رہی تھی اور جتنا سوچ رہی تھی، اسی قدر اُلجھ بھی رہی تھی۔ پتہ نہیں، منگنی کتنے دنوں تک رہنی ہے اور اگر تب تک حدید یونہی ٹیلی فونک رابطے پر مصر رہا تو کیا ہوگا؟ اور اگر عام سی روٹین کی باتیں ہوں تو بھی میں کوئی جواب دوں، اب اس قدر فضول باتوں کے جواب میں، میں کیا کہوں؟ توبہ۔ یا اللہ! میری مدد کرنا۔"

صبح وہ دیر سے اُٹھی تب ہی عفیرہ کالج جانے کے لئے نکلنے لگی تھی۔

"سوری، دراصل میں رات کو دیر سے۔۔۔۔۔۔۔"

"تمہارا ناشتہ میں نے بنا دیا ہے۔ اور اب گیٹ بند کر لو۔" اس کے معذرت خواہانہ انداز کو کاٹ کر عفیرہ نے عام سے انداز میں اسے اطلاع دی تو وہ شانے اچکا کر اس کے پیچھے بڑھی۔ احمد رضا گاڑی میں بیٹھے تھے۔ ان کے جانے کے بعد گیٹ بند کر کے وہ اندر آگئی۔

چائے کا مگ لئے وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی اور بے دلی سے اخبار کے صفحے کھنگالنے لگی۔ دل و دماغ پر مردنی سی چھا رہی تھی۔ اس نے بے دلی سے اخبار لپیٹ کر ایک طرف ڈالا اور چائے پینے لگی۔ تبھی ڈور بیل نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ اس وقت کون آگیا؟ وہ قیاس کرتی لائونج کا دروازہ کھول کر گیٹ کی طرف بڑھی۔

"کون ہے؟" اس نے احتیاطاً پوچھا۔

"میں ہوں، حدید۔"

غیر متوقع آواز سماعت سے ٹکرائی تو وہ اپنی جگہ منجمد سی ہو گئی۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔ کیا سکتہ ہو گیا ہے؟" وہ شرارت بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔۔۔۔ آپ کس لئے آئے ہیں؟" گھبراہٹ کے زیر اثر وہ بہت بے تکا سا سوال پوچھ گئی۔

"تمہارے لئے۔" بہت اطمینان سے دیا گیا جواب پارس کو بوکھلا گیا۔

"مگر اس وقت تو گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"تم تو ہو نا، یہی کافی ہے۔" وہ اس کی بات میں چھپا اشارہ سمجھے بغیر آرام سے بولا تو وہ بے چینی سے ہاتھ ملنے لگی۔

"یا خدا! اب کیا کروں؟" دل وحشتوں سے بھرنے لگا۔ وہ کزن ہوتا تو اور بات تھی، اب وہ منگیتر بھی تھا۔ اسے یوں دروازے سے لوٹا دینا بھی کسی طور مناسب نہ تھا۔ مگر ان حالات میں کہ وہ گھر میں تنہا تھی، اسے اندر آنے کی اجازت

دینے سے متعلق تو وہ قیامت تک نہیں سوچ سکتی تھی۔

"یہ گیٹ کیا صورِ اسرافیل کے ساتھ کھلے گا؟" وہ بڑے صبر سے پوچھ رہا تھا۔

"دیکھئے، میں اس وقت گھر میں اکیلی ہوں۔" بہت بے بسی محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر سے اسے احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔

"ابھی دروازہ کھولوگی تو تنہائی دور ہو جائے گی۔ اتنی دور سے مہمان آئے ہیں، کچھ تو تواضع کرو۔" وہ قدرے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں بولا تو پارس کے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

"میں گیٹ نہیں کھول سکتی۔ جب ابو اور عفیرہ آجائیں، تب آیئے گا۔ ابھی میں اکیلی ہوں۔" وہ دل کڑا کر کے کہہ ہی گئی۔ کئی لمحوں تک کے لئے بالکل خاموشی چھا گئی۔ اس دوران وہ فقط اپنی بے ترتیب دھڑکنیں سنتی رہی تھی۔

"میرے خیال میں، میں ڈاکو نہیں ہوں۔ اب اتنا تو ذلیل مت کرو۔" وہ بہت چبھتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

صورتِ حال کی نزاکت کا پارس کو اچھی طرح احساس تھا۔ وہ لاہور سے آیا تھا اور لاہور سے جہلم تک کا فاصلہ اتنا تھوڑا نہیں تھا کہ وہ اسے گیٹ سے ہی واپس کر دیتی۔ مگر اپنے دل و دماغ کیا کیا کرتی، جو کسی طور گیٹ کھولنے پر آمادہ ہی نہ تھے۔

"آئی ایم سوری حدید!" وہ تیزی سے اندر کی طرف پلٹ گئی۔ اُس کی آنکھیں دُھندلا رہی تھیں۔

اب کیا ہوگا؟ وہ کرسی میں دھنس گئی اور سر دونوں ہاتھوں پر گرا دیا۔ آنکھیں تیزی سے بھر آئیں۔ یہ پتہ نہیں کیسے ہیں۔ ذرا بھی احساس نہیں کہ میں بھلا انہیں اندر کیسے آنے کی اجازت دے سکتی ہوں؟ وہ مسلسل خود کو تسلی دے رہی تھی کہ اس نے جو بھی کیا، وہ بالکل مناسب تھا۔ مگر دل تھا کہ کسی طور سکون ہی نہیں پا رہا تھا۔

اسے اپنے فیصلے پر پشیمانی نہیں تھی، بلکہ حدید کا متوقع ردِ عمل خوف زدہ کر رہا تھا۔

پتہ نہیں، کتنی دیر وہیں بیٹھی وہ اُلٹی سیدھی سوچوں میں گم رہی۔ پھر دل کو مضبوط کر کے اس نے خود کو سنبھال ہی لیا۔ "جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

بظاہر وہ اس واقعہ کو ذہن سے جھٹک کر ڈسٹنگ کرنے کے بعد کچن میں آئی اور برتن دھونے لگی۔ مگر سوچیں تھیں کہ پلٹ پلٹ کر اسی واقعے کی تکرار میں لگ جاتیں۔

"جب میں اس بات کو ٹھیک نہیں سمجھتی تو پھر یہ بے قراری کیوں؟" اس نے تھک ہار کر اپنا تجزیہ کرنا چاہا۔ اسے حدید نے ہمیشہ مایوس ہی کیا تھا۔ جس قدر اب تک وہ اسے سمجھ پائی تھی، وہ بے حد لاپرواہ اور لااُبالی سا انسان تھا، جسے سب کی توجہ اور محبت نے "بگڑا ہوا بچہ" بنا دیا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ ان دونوں کے مابین اب منگنی کا بندھن بندھ چکا تھا، مگر پارس کو یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ اسے جانے سمجھے بغیر وہ اس کی محبت میں کیوں پاگل ہو رہا ہے، جبکہ اس نے آج تک سیدھے منہ حدید سے بات بھی نہیں کی تھی۔ اسے خود حدید سے فقط اس حد تک لگاؤ تھا کہ اب وہ کزن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا منگیتر بھی تھا۔ مگر اس رشتے کے پیشِ نظر حدید نے جو توقعات اس سے وابستہ کر لی تھیں، پارس کو قطعی نہیں بھائی تھیں۔

وہ سب معاملات خدا پر چھوڑ کر دوپہر کے لئے ہلکا پھلکا کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگی۔ اسی اثناء میں بیل بج اُٹھی تو اس کے ہاتھ سے برتن چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ دھڑکنوں کی رفتار اس پر گھبراہٹ طاری کرنے لگی۔ وہ بہت سست روی سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر گیٹ تک آئی تو احمد رضا کی گاڑی کا ہارن سن کر اس نے قدرے حیرت آمیز تیزی سے گیٹ کھولا تو وہ گاڑی پورچ میں لے آئے۔ وہ گیٹ بند کر کے ان کی طرف آئی تو وہ گاڑی بند کر کے نیچے اُتر رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر بہ عجلت پوچھا۔

"حدید آگیا کیا؟" اُن کے غیر متوقع سوال نے اُسے ششدر کر دیا۔

"جی؟" اس کے انداز میں بے پناہ حیرت تھی۔ وہ قدرے ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے۔

"صبح آفس آیا تھا وہ۔ اپنے کزن زاہد کے ساتھ کسی کام سے آیا تھا۔ یہاں میٹنگ میں مصروف تھا، اس لئے ان دونوں کو میں نے گھر بھجوا دیا۔ کیا پہنچے نہیں ابھی وہ؟" اُسے تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

"نہیں۔ ابھی تو نہیں آئے۔" وہ مرے مرے انداز میں بولی۔

"حیرت ہے۔ حالانکہ آج ان دونوں کا یہیں رکنے کا پروگرام تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے اپنے کام سے فارغ ہو کر پھر ادھر آئیں۔" انہوں نے لحظہ بھر کو انگلیوں سے ماتھا مسلا۔ ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ پھر وہ پارس کو لئے اندر چلے آئے "کچھ کھانے کو ملے گا؟" انہوں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا تو وہ اُلجھی سوچوں سے چونکی۔

"جی، بس آپ ذرا ریلیکس کریں۔ چند منٹ لگیں گے۔"

وہ انہیں لائونج میں چھوڑ کر کچن میں آگئی۔ چونکہ اس کا کچھ کرنے کو قطعی دل نہیں کر رہا تھا تو اس نے دوپہر کے لئے اسپیگٹیز میں قیمہ ڈال کر بنالی تھیں۔ پلیٹ میں فورک رکھ کر کیچپ کی بوتل لئے وہ لائونج میں آگئی۔

"یہ لیجئے، گرما گرم اسپیگٹیز۔" اس نے احمد رضا کے سامنے ٹیبل پر پلیٹ اور کیچپ رکھ دی۔

"ابھی میں واپس جائوں گا۔ میں تو بس ان دونوں کے خیال سے آگیا تھا۔" وہ کیچپ کی بوتل کھول کر اسپیگٹیز پر اُنڈیلتے ہوئے بولے۔ وہ خاموشی سے اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے کارپٹ پر گھٹنے ٹیکے بیٹھی تھی۔ ان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"پارس! وہیئر آر یو؟" اس کی زرد ہوتی رنگت اور گم صم سا انداز انہیں چونکا گیا۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔

"جی، کیا کہا آپ نے؟"

انہوں نے فورک پلیٹ میں رکھا اور قدرے پریشانی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟"

"جی، بالکل ٹھیک ہوں میں۔" اس نے فوراً خود کو سنبھالا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے کہو بیٹا!" وہ بہت پیار سے اسے اپنے باپ ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ پارس کا دل چاہا کہ جو وہ غلطی کر چکی ہے، انہیں بتا دے۔ مگر اسے یہ بھی پتہ تھا کہ یہ دوسری بڑی غلطی ہو گی۔ اتنے سالوں کے بعد اب اس نے باپ کو مطمئن دیکھا تھا اور یہ سب کچھ احسن عباس کے دوبارہ ساتھ ملنے پر ہوا تھا۔ اب وہ دوبارہ انہیں اسی تنہائی کے لق دق صحرا میں نہیں دھکیلنا چاہتی تھی۔

"بس یونہی ابو! تھوڑی سی تھکن ہو رہی تھی۔" اس نے فوراً ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلائی تو وہ گہری سانس لے کر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"تو پھر جا کے آرام کرو۔"

"آپ ابھی جائیں گے تو میں سو جائوں گی۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"میں کہیں نہیں جا رہا۔ تم جا کے آرام کرو۔" انہوں نے بڑے سکون سے جواب دیا تو وہ قدرے تحیر سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو آفس جانا ہے۔"

"بس، اب موڈ نہیں ہو رہا۔ اور ویسے بھی ابھی شاید وہ لوگ آجائیں۔" انہوں نے اسی انداز میں وضاحت کی تو وہ شانے جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چائے پئیں گے آپ؟" اس نے یاد آنے پر پوچھا اور ان کا جواب نفی میں پا کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"ایک اور مصیبت۔" وہ بستر پر گر سی گئی۔ پہلے تو اس نے دل کو تسلی دے لی تھی کہ وہ خود کو حق پر سمجھ رہی تھی، مگر

اب جب اُسے اصل صورتِ حال کا علم ہوا تھا کہ وہ تنہا نہیں، بلکہ زاہد کے ساتھ تھا تو اس کے اندر بے چینی پھیل گئی تھی۔ "پتہ نہیں، وہ دونوں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اور حدید، اُن کا تو سنا ہے، غصہ بھی بہت برا ہے۔"
اب نئی سوچیں دماغ کو بوجھل کرنے لگی تھیں۔ وہ آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ "مجھے کم از کم ایک دفعہ گیٹ کھول کر دیکھ ہی لینا چاہئے تھا۔۔۔۔۔۔" نیند کی گہری وادی میں اُترتے ہوئے اُس نے خوابیدہ ذہن کے ساتھ سوچا۔

...☆☆☆...

"خالہ! آئرن مین، کدھر ہے؟" زاہد نے آتے ہی پوچھا تھا۔
نجمہ ہنس دیں۔ "کیوں بھئی۔ اس گھر میں حدید کے علاوہ اور کسی سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے کیا؟"
زاہد نے جھک کر ان کے آگے پڑی گاجروں میں سے ایک گاجر اُٹھا لی۔
"یہ سراسر ہوائی ہے اور یقیناً کسی دشمن نے اُڑائی ہے۔"
"ہاں بھئی، ہمیں تو جیسے دکھائی ہی نہیں دیتا ناں۔" وہ لطیف سا طنز کرتے ہوئے بولیں تو وہ دانتوں سے گاجر کترتا کرسی گھسیٹ کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"یہ لیں، بیٹھ گیا ہوں آپ کے پاس۔ جتنے جی چاہے شکوے کر لیں۔" اس کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔
"مجھے پتہ ہے، جس دل سے بیٹھے ہو۔ جان تو تمہاری ادھر اپنے دوست میں اٹکی ہے۔"
"تو پھر کیوں اس جان پہ ظلم کرتی ہیں؟" وہ ایک آہ بھر کے بولا۔ پھر یکلخت موضوع بدل گیا۔
"یہ اتنی ساری گاجریں، کیا خرگوش پالنے کا ارادہ ہے؟"
"نہیں، پاگل! گاجروں کا حلوہ بنے گا۔"

"ہیں!" پاگل گاجروں کا حلوہ" یہ نئی ڈش ہے کیا؟" وہ آنکھیں پٹپٹا کر بڑی شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ انہیں ہنسی آ گئی۔
"بس فضول باتیں جتنی جی چاہے کروالو۔" ان کے گھرکنے والے انداز پر وہ منہ پھُلا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔
"بس، میں خفا ہوں آپ سے۔ میری امی آپ کے بیٹے کو اس طرح نہیں ڈانٹتیں۔"
"بہانے مت بناؤ اور جاؤ، حدید اپنے کمرے میں ہے۔" وہ اُس کی ایکٹنگ کے پیچھے چھپا مطلب صاف سمجھ رہی تھیں۔ وہ خجل ہوئے بغیر ہنستا ہوا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔
"ہیلو رومیو!" دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر وہ چہکا تو حدید نے ناگواری سے ایک نظر اسے دیکھ کر چہرہ دوبارہ ٹی وی کی طرف موڑ لیا۔ ٹی اسکرین پر نظر پڑتے ہی زاہد کے ہونٹوں پر بہت بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ حدید بیڈ سے ٹیک لگائے فلور کشن پر نیم دراز تھا۔ زاہد اس کے بستر پر گر گیا۔
"جی چاہ رہا ہے کہ زور زور سے ہنسوں تمہاری اس حالت پر۔" پُر لطف انداز میں کیا جانے والا تبصرہ حدید کو قطعی نہیں بھایا تھا۔
"کیوں، تمہیں کیا تکلیف ہو گئی ہے؟"
"یہ، رومینٹک فلموں سے ایک دم کارٹونز پر کیسے آ گئے تم؟" وہ ہنسی پر قابو پانے کا تکلف کئے بغیر پوچھ رہا تھا۔ اس کی ہنسی حدید کو غصہ دلانے لگی۔
"بکواس مت کرو۔ میری مرضی، میں جو چاہوں کروں۔"
"پھر بھی یار! بات تو تشویش ناک ہی ہے۔ سبھی جاننا چاہیں گے کہ منڈی کا بھاؤ اس قدر کیسے گر گیا؟"
وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ حدید نے قدرے تلملا کر اسے دیکھا۔
"میرے خیال میں تمہارے بغیر بھی میری زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔ اس لئے اگر تم یہاں سے دفع بھی ہو

جائو گے تو مجھے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔'' اُس کے بے مروّتی کی حد تک خشک لہجے نے زاہد کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔ پھر اُسے اور چڑانے کے لئے بولا۔

''مگر میں تمہیں عام سا بھی فرق نہیں پڑنے دینا چاہتا۔'' جواب میں وہ خاموشی سے ٹی وی میں مگن رہا۔

''کیا ہے یار! کیوں بے وقوفوں کی طرح کارٹون دیکھ رہے ہو؟'' زاہد بلی اور چوہے کو آگے پیچھے دوڑتے دیکھ کر اکتا گیا تھا۔

''تمہیں میں نے دعوت نہیں دی تھی، اس بے وقوفی میں شریک ہونے کی۔'' وہ اسی رُوٹھے انداز میں کہہ رہا تھا۔ زاہد اُٹھ کر اس کے قریب اوندھے منہ لیٹ گیا یوں کہ اب اس کا چہرہ حدید کے کان کے پاس تھا۔

''یہ بیویوں والے نخرے مجھے کیوں دکھا رہے ہو؟'' اس کی بات کے جواب میں حدید نے ہاتھ گھمایا تھا۔ اگر زاہد پھرتی سے چہرہ پیچھے نہ کر لیتا تو دانت یا ناک میں سے ایک چیز تو ضرور ہی گنوا بیٹھتا۔ وہ پیچھے ہو کر بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا بیٹھا۔

''بہت بے ہودہ انسان ہو، تم سے تو ہمدردی بھی نہیں کرنی چاہئے۔'' زاہد کے قطعی انداز پر وہ ٹی وی اور سی ڈی پلیئر آف کر کے اس کی طرف پلٹا۔

''کیسی ہمدردی؟ ایسی کیا ضرورت پڑ گئی ہے مجھے اس چیز کی؟'' وہ اسے گھور رہا تھا۔ زاہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بھئی کوچۂ جاناں سے بے آبرو ہو کر نکلے ہو، چند جملوں کے حق دار تو ہو۔''

''اگر مزید تم نے مجھ سے اسی لہجے میں بات کی تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔'' وہ اٹھ کر کرسی میں دھنستا ہوا سختی سے بولا تو زاہد نے اس کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر سر ہلایا۔

''یعنی میرے مشورے پر تین ماہ پہلے جو تم نے جم خانہ جوائن کیا تھا، اس کی ایکسرسائز نے تمہیں اس قابل بنا

ہی دیا کہ تم جملے میں ''پھینکوا دوں گا'' کے بجائے ''پھینک دوں گا'' کا استعمال کر سکو۔'' اس کا لہجہ اب بھی شرارت سے پُر تھا۔ حدید نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ایک دم ہنس دیا۔

''اچھا اب مذاق ختم کرو اور یہ بتائو کہ دیوداس بنے کیوں بیٹھے ہو؟''

''دیکھو، بکواس نہیں چلے گی۔'' حدید نے انگلی اٹھا کر اسے متنبہ کیا تھا مگر وہ زاہد ہی کیا، جو اپنا چلن بدل دیتا۔

''اور میں نے بھی تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ یوں انگلی مت اٹھایا کرو۔ مجھے ایمپائرز سے سخت نفرت ہے، خصوصاً جب وہ محض انگلی اٹھا کر ہمارے کھلاڑیوں کو پویلین پہنچا دیتے ہیں۔''

حدید نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت پر ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''تمہارا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا؟'' زاہد نے اب قدرے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ آنکھیں نیم وا کر کے اسے دیکھنے لگا۔

''اگر تمہاری بکواس کا عادی نہ ہوتا تو شاید نہ ہی ٹھنڈا ہوتا۔'' اس کی بات کو زاہد نظر انداز کر گیا۔

''میں جہلم والے واقعے کی بات کر رہا ہوں۔'' اس نے اسی سنجیدگی سے کہا تو وہ لب بھینچے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا تمہارے پاس اور کوئی بات نہیں؟''

''بات نہیں، باتیں ہیں۔'' وہ سر کے پیچھے ہاتھ باندھتے ہوئے اطمینان سے بولا تو حدید نے بیزاری سے کہا۔

''جیسی باتیں تم کرتے ہو، ان سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''ہاں۔ اور اگر میں ابھی تمہاری پسندیدہ فلم لے آئوں تو تم اکیاسویں بار پہلی بار والے شوق اور دلچسپی سے اسکرین پر آنکھیں لگا کر بیٹھ جائو گے۔'' زاہد نے اس کا تمسخر اُڑایا تو وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں بہت برداشت کر رہا ہوں زاہد''!

''اچھا ہے نا۔ اس سے قوتِ برداشت میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا تو چند لمحے ویسے

ہی اسے دیکھنے کے بعد وہ دانت کچکچا کر بولا۔

’’اور اگر میری یہ قوتِ برداشت جواب دے گئی تو پھر تمہاری حالت بھی خاصی حیرت انگیز ہو سکتی ہے۔‘‘’’اچھا اب ذرا یہ بتادو کہ یوں تین دن سے کمرے میں کیوں گھسے ہوئے ہو؟‘‘ زاہد اب قدرے انسانیت کے جامے میں آگیا تھا۔

’’یہ میرا کمرہ ہے۔ میں جتنے دن چاہوں، یہاں سے نہ نکلوں۔‘‘ وہ تیزی سے سیدھا ہو کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا تھا۔

’’مجھے صرف اس بات کی فکر ہے کہ تم کیا سوچ رہے ہو، اتنے دنوں سے؟‘‘ زاہد نے بڑے سکون سے کہا تو وہ تلملا اٹھا۔

’’یہ نئی جاب ڈھونڈی ہے تم نے؟‘‘

’’یہی سمجھ لو۔‘‘ وہ لاپروائی سے بولا پھر بغور اسے دیکھنے لگا۔’’ابھی تک اس بات کو دل پر لئے بیٹھے ہو؟‘‘

’’کیا نہیں لینا چاہئے؟‘‘ وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔ زاہد نے فی الفور نفی میں سر ہلا دیا۔

’’بالکل بھی نہیں۔ بلکہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو دھیان بھی نہیں دینا چاہئے۔‘‘

’’شٹ اپ زاہد! اگر تم اس کی حمایت کرنے یہاں آئے ہو تو بے شک واپس چلے جاؤ۔‘‘ اس کا غصہ پھر عود کر آیا۔ زاہد نے سکون سے اسے دیکھا۔

’’میں اس کی عقل مندی کی تعریف کرنے آیا ہوں اور تمہاری بے وقوفی پر تمہیں سمجھا کر چلا جاؤں گا۔‘‘ اس کے طمانیت بھرے انداز نے حدید کو سلگا کر رکھ دیا۔

’’وہ عقل مندی تھی کیا؟ اور جس دن تمہاری منگیتر تمہیں گھر کے گیٹ ہی سے لوٹائے گی، اس دن میں پوچھوں گا تمہیں۔‘‘

’’آخر تمہیں غصہ کس بات کا ہے؟‘‘ زاہد کے پوچھنے پر اسے غصہ آگیا۔

’’تمہارے نزدیک تو یہ کوئی بات ہی نہیں۔ اس نے ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ ہم اتنی دور سے آئے ہیں۔ یوں صاف جواب دے دیا، جیسے جانتی ہی نہیں۔‘‘

’’اس کا عمل غلط نہیں تھا، حدید! وہ بالکل۔۔۔۔۔۔۔‘‘

’’میں اکیلا نہیں تھا۔ تم بھی میرے ساتھ تھے۔‘‘ وہ زاہد کی بات کاٹ کر درشتگی سے بولا۔

’’اور اگر یہ بات تم اسے بتادیتے تو وہ لمحہ بھر بھی دیر نہ کرتی، گیٹ کھولنے میں۔‘‘ زاہد نے پوائنٹ پکڑا تھا۔

’’یہ انسلٹ ہے میری۔ کیا میری کوئی عزت نہیں، اُس کی نظروں میں؟‘‘ وہ جل بھُن رہا تھا۔

’’تو یوں کہو نا، کہ تمہارا دل چاہ رہا تھا کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی گیٹ کھول دیتی۔‘‘ زاہد کے طنزیہ لہجے کو حدید نے بڑے حوصلے سے برداشت کیا تھا۔ اس کی خاموشی پر وہ پھر گویا ہوا۔

’’میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ میرا ابھی بتادو کہ ساتھ میں زاہد بھی ہے۔ مگر تم نے جان بوجھ کر نہیں بتایا اور اب تمہارا یہ سارا غصہ محض بے وقوفی ہے۔‘‘

’’میرے خیال میں تم یہاں سے چلے جاؤ تو یہ تمہاری صحت کے لئے اچھا ہو گا۔‘‘ وہ دانت پیس کر بولا مگر اس کی دھمکی بے اثر رہی تھی۔

’’اب تو تمہیں پتہ چل گیا کہ وہ ویسی فضول لڑکی نہیں، جیسی تم سوچے ہوئے ہو۔‘‘

’’شٹ اپ، مزید ایک لفظ بھی کہا تو۔۔۔۔۔۔۔‘‘ وہ لب بھینچ گیا۔ زاہد کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

’’تو کیا کر لوگے، طلاق دے دوگے مجھے؟ مائی ڈیئر! میں تمہاری بیگم نہیں، جو ان ادھوری دھمکیوں سے سہم جاؤں۔‘‘

’’تم بہت خبیث ہو۔‘‘ وہ بس چلتا نہ دیکھ کر کلس کر بولا۔

"بس جی، آپ ہی کے بھائی ہیں۔" اس نے جواباً نیاز مندی دکھائی تو وہ گہری سانس لے کر اسے گھورنے لگا۔

"چلو کہیں چلتے ہیں۔" زاہد سخت بور ہو رہا تھا، اس لئے فوراً ہی لب و لہجہ بدل گیا۔ "بالکل نہیں۔" حدید نے فوراً ہٹیلے پن سے کہا۔ "اب جب تک یہ بحث اپنے انجام تک نہیں پہنچے گی، تم کہیں نہیں جاؤ گے۔"

زاہد نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"میں وکیل نہیں ہوں تمہارا۔"

"میرے نہیں، اس کے تو ہو جس کے فیور میں بول رہے ہو۔"

"تمہارے لہجے سے جیلسی کی بُو آ رہی ہے۔" زاہد محظوظ ہوا۔

"تمہاری جرابوں تک سے بُو آتی ہے۔ میں نے تو کبھی نہیں جتایا۔" وہ بڑے سکون سے بولا تو زاہد کو ہنسی آ گئی۔ پھر وہ ذرا سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا، اب ٹو دی پوائنٹ بات کرتے ہیں۔ کیا ٹینشن ہے تمہیں؟" اس کی سنجیدگی پر حدید کو قدرے اطمینان ہوا۔

"ٹینشن یہ ہے کہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، اسے جاننا چاہتا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص ضدی اور اٹل لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زاہد نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا، پھر اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"اچھا تو تمہارا مطلب ہے کہ منگنی کے بعد منگیتر کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر بات مانی جائے؟"

"بالکل ٹھیک۔" زاہد کی سادہ سے لہجے میں کہی گئی بات کو اس نے شدّ و مد سے قبول کیا تھا۔

"تو پھر تمہاری ہی کیوں، پارس کی بات کیوں نہ مانی جائے؟ وہ بھی تو تمہاری منگیتر ہے۔" زاہد کے تیز لہجے پر وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"لیکن میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں اور یہ ایسی کوئی انہونی خواہش نہیں ہے۔ نوید بھائی اور زارا بھابی کو

دیکھ لو، وہ کیا مسلمان نہیں؟ یا راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں؟ بھائی جب جی چاہے، انہیں لے کر آؤٹنگ پر چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے تمام دوستوں کے ہاں فنکشنز اور پارٹیز میں بھی۔" اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے واقعی شدید غصہ ہے۔

"یہ سب فقط اس لئے ہے کہ ان دونوں کی عادتیں ایک جیسی ہیں اور پھر دونوں فریقین کی مرضی سے ہی اس طرح کے پروگرام بن سکتے ہیں۔" زاہد ٹھنڈے انداز میں اُسے سمجھانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا کیونکہ وہ پارس کو حق پر سمجھتا تھا۔

"میں بھی اس کی عادتوں کو، اس کی نیچر کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"سب لڑکیاں ایک سی نہیں ہوتیں۔ بعض یونہی ہوتی ہیں، خود کو سمیٹ کر رکھنے والی۔" زاہد میں جذباتیت بالکل بھی نہیں تھی، اس لئے اس کی سوچ کافی پریکٹیکل تھی، جو حدید کو کبھی بھی پسند نہیں آتی تھی۔

"مگر میں اُس کا منگیتر ہوں۔" وہ قدرے جتانے والے انداز میں بولا۔

"تو کیا چاہتے ہو تم؟" زاہد کو اس کی بے کار کی ضد قطعاً اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" وہ مشتعل ہو اُٹھا۔ "اچھی طرح جانتے ہو تم کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ پھر بار بار کیوں دہراتے ہو یہی سوال؟"

"میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم اس معصوم لڑکی کا پیچھا چھوڑنے کی کیا قیمت لو گے؟" وہ گہری سانس لے کر بولا تو حدید نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"دیکھو زاہد! صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ میں اس کے خیالات، اس کی سوچیں جاننا چاہتا ہوں۔ اس رشتے سے متعلق، خود سے متعلق اُس کی فیلنگز جاننا چاہتا ہوں۔" اُس کا لہجہ اٹل تھا۔ زاہد کو بھی غصہ آنے لگا۔

"تم کیا سمجھتے ہو کہ لڑکیاں بس یونہی کھلنے کو تیار بیٹھی ہوتی ہیں؟"

“مگر اسے مجھ پر کھلنا چاہئے۔اور وہ ہے کہ بات تک نہیں کرتی۔”

“جب تم خود کو بدلنے پر تیار نہیں تو اسے بدلنے پر کیوں مصر ہو؟” زاہد سلگ اُٹھا۔تب حدید کے ہونٹوں پر محظوظ کن سی مسکراہٹ پھیل گئی۔زاہد کو کبھی کبھار ہی غصہ آتا تھا اور تب حدید اُس کی بے بسی سے بہت لطف اٹھاتا تھا۔اب بھی اسے چِڑانے والے انداز میں بولا۔

“کیونکہ وہ میری بیوی ہو گی، میں نہیں۔”

“شرم کرو، تم محض اُسے ٹینس کر رہے ہو۔”

“تم جو بھی کہو، لیکن میں اُسے کہلوا کر ہی رہوں گا کہ اُسے مجھ سے محبت ہے۔”

“واٹ؟” زاہد تو جیسے اُچھل ہی پڑا۔“یہ محبت کہاں سے آگئی؟”

“تمہارا کیا خیال ہے، چار ماہ سے میں یونہی پاگل ہوا جا رہا ہوں؟” وہ بڑی طمانیت سے ٹانگیں بستر پر پھیلا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا تو زاہد نے اس کے پیر پر ہاتھ مارا۔

“تمہاری تو عادت ہے، ہر دوسرے دن محبت میں مبتلا ہو جانا۔میں اس کی بات کر رہا ہوں۔نہ وہ تمہیں جانتی ہے، نہ پہچانتی ہے۔پھر وہ کیسے تم سے محبت کر سکتی ہے؟” زاہد جھنجلا اُٹھا۔

“یہی تو میں چاہتا ہوں۔مجھے جانے، پہچانے اور پھر مجھ سے محبت کرے۔گھنٹوں مجھ سے فون پر باتیں کرے، اپنی فیلنگز شیئر کرے، مجھے سنے۔” وہ بہت جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔زاہد نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

“بس، ختم ہو گئی انرجی؟” حدید ہنسا تو اس نے بازو ہٹا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

“مجھے بہت ہمدردی ہو رہی ہے اس سے۔اسے معلوم ہی نہیں کہ اس پر کتنے برے دن آنے والے ہیں۔”

“تمہارے جلنے سے میں اپنا ارادہ نہیں بدل دوں گا۔” وہ آرام سے بولا تو زاہد جل کر رہ گیا۔

“ہاں۔تم بس بے عزتی کروا کر ہی ارادہ بدلو گے۔”

“تم آگے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔اب ہی تو عزت کے دن آنے والے ہیں۔” وہ بدستور اسے تپانے کے لئے بڑے فریش انداز میں کہہ رہا تھا۔

“میرا خیال ہے کہ تم یہاں بیٹھ کر پلاننگ کرو، میں جا رہا ہوں۔” وہ گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔حدید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

“بیٹھ جائو، کارٹون ہی دیکھ لو۔”

“جب سے آیا ہوں، تمہیں ہی دیکھ رہا ہوں۔اب جی بھی اوب گیا ہے۔” زاہد کا جواب اس قدر برجستہ تھا کہ دونوں کو ہی ہنسی آگئی۔

“مجھے ڈر ہے کہ اس طرح تم خود کے لئے بھی اور اس کے لئے بھی مشکلات پیدا کرو گے۔” زاہد بہت خلوص سے اسے سمجھا رہا تھا۔

“آہاں۔” وہ معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے بولا۔“خود کے لئے نہیں، صرف اس کے لئے۔اور وہ بھی میں نہیں، بلکہ وہ خود پیدا کرے گی۔”

“بہت خبیث ہو تم، حدید!” زاہد نے ہار کر تاسف سے کہا تو اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

“بس ہار گئے؟”“ہارا نہیں ہوں، تمہی خوامخواہ فضول سی ضد پر اڑ گئے ہو۔” وہ تیکھے انداز میں بولا۔

“تم مجھے کبھی بھی قائل نہیں کر سکتے۔کیونکہ میں حق پر ہوں۔” وہ بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

“بکواس مت کرو۔تم حق پر نہیں، فقط ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پر ہو۔” زاہد اُٹھ کھڑا ہوا۔اُس کے سنجیدہ سے انداز پر وہ مسکراہٹ دباتا ہوا اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

“جو بھی ہے، مگر اس میں بہت لطف ہے۔”

”بہت بے آبرو ہو گے تم۔“ زاہد نے دانت پیستے ہوئے پیش گوئی کی تو وہ بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔ پھر اُسے پچکارنے والے انداز میں شرارت سے بولا۔

”کوئی بات نہیں منے! محبت میں سب چلتا ہے۔“

”ہاں، تبھی اس دن سے جلتے توے پر بیٹھے ہو۔“ اس نے بھی طنز کا موقع جانے نہیں دیا تھا، برجستگی سے بولا تو حدید نے اس کے شانے پر ہلکا سا مکا رسید کیا اور ذو معنی انداز میں بولا۔

”صبر میری جان! پھولوں کی سیج پر بھی بیٹھیں گے۔“

”تب پھر مجھے ضرور بلانا۔“ زاہد نے اکتاہٹ سے پُر لہجے میں کہا تو وہ بہت شرارت بھری سنجیدگی سے بولا۔

”مگر تم نے تو پی ٹی وی کے علاوہ کوئی چینل کبھی دیکھا ہی نہیں۔“ اُس کی ذو معنویت پر زاہد نے اُسے گُدی سے دبوچا تھا۔

...☆☆☆...

عفیرہ کو اس نے ڈرتے ڈرتے ساری بات بتا دی تھی۔ پہلے تو وہ بے یقینی سے سنتی رہی، اس کے بعد جو وہ بولی تو پھر پارس کے احتجاجی انداز کے باوجود آدھے گھنٹے سے پہلے خاموش نہیں ہوئی۔

”لیکن مجھے نہیں پتہ تھا کہ ابو نے ان لوگوں کو بھیجا ہے۔“ عفیرہ کے خاموش ہونے پر وہ منمنائی تھی۔ جواباً اس نے بری طرح سے جھڑک دیا۔

”تمہیں پتہ ہوتا، تب بھی تم یونہی کرتیں۔ تمہارے دماغ میں صرف بھوسا بھرا ہے، اور کچھ نہیں۔“

”مجھے نہیں پتہ تھا کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔“ وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی تو عفیرہ نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”اور کوئی ساتھ نہ بھی ہوتا تو تمہارا رویّہ بہت فضول تھا۔“

”کیا؟۔۔۔۔۔۔۔ کیا مطلب ہے کہ میں انہیں اندر آنے کی دعوت دیتی، اگر وہ اکیلے ہوتے تو؟“ مارے حیرت اور ناگواری کے اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔

”تو کیا ہوا؟“ وہ بے نیازی سے بولی۔

”تمہارا تو دماغ چل گیا ہے۔“ وہ تاسف سے بس اتنا ہی کہہ سکی۔

”کاش کہ تمہارا دماغ بھی اتنا ہی چلتا۔ تم انہیں اندر بٹھا کر ابو کو فون کر سکتی تھیں۔ مگر تمہیں تو بس ہر وقت شرم و حیا کا دورہ پڑا رہتا ہے۔“ عفیرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ لب دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔ واقعی اس طرف تو دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

”ایک بات کہوں تم سے؟“ قدرے توقف کے بعد وہ جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”ہوں، کہو۔“ عفیرہ کا انداز خفگی بھرا تھا۔

”تم فون کر کے پتہ کر لو۔“

”میں کیوں کروں؟“ وہ فوراً بے اعتنائی پر اُتر آئی۔

”عفی! پلیز، میری طرف سے سوری کہہ دینا۔“ وہ ڈرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عفیرہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

”کیوں بھئی، تمہاری زبان پر چھالے نکل آئے ہیں کیا؟“

”پلیز عفی! بہن نہیں ہو اچھی سی؟“ وہ ملتجیانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کہہ دینا کہ پارس بہت شرمندہ ہو رہی تھی۔ اور یہ بھی کہ اس روز۔۔۔۔۔۔“

”دیکھو پارس! میں صرف نمبر پریس کر سکتی ہوں، اس کے بعد جو کہنا ہو، خود کہہ لو۔“ عفیرہ نے اس کی

بات کاٹ کر بہت بے رخی سے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ہی بے وقوف ہوں، جو تم سے مدد مانگنے کی غلطی کر بیٹھی۔''

اس کے غصے کا عفیرہ پر ذرا ابھر بھی تاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ یونہی ٹانگ پر ٹانگ رکھے پاؤں جھلاتی کرسی پر براجمان تھی، آرام سے بولی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔''

''تم۔۔۔۔۔۔۔تم آئندہ کبھی مجھ سے بات مت کرنا۔''

''یہی بات میری طرف سے بھی سمجھ لو۔'' وہ ہنوز اسی تپانے والے انداز میں بولی تو پارس ٹھنڈی پڑ گئی۔

''دیکھو عفی! میں بات بڑھانا نہیں چاہتی۔ پلیز، ہیلپ می۔ پلیز!'' اُس کے حد درجہ ملتجیانہ انداز پر عفیرہ نے گہری سانس لی۔

''اچھا کیا کہوں، میں اُن سے؟'' عفیرہ کے ماننے پر وہ کھل اُٹھی۔

''بس، میری پوزیشن کلیئر کر دینا۔ بائی گاڈ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ زاہد بھائی ان کے ساتھ ہیں تو میں کبھی بھی انہیں گیٹ سے نہ لوٹاتی۔''

عفیرہ اُسے تاسف سے دیکھتی اُٹھ کھڑی ہوئی اور ساتھ اُسے بھی گھسیٹا۔

''چلو آجاؤ میرے ساتھ۔''

عفیرہ نے فون ملایا تو ممانی جان سے بات ہوئی۔ تھوڑی دیر تک ان سے سلام و دعا ہوئی۔ انہوں نے حال چال پوچھا۔ اس کے بعد وہ اصل مقصد پر آ گئی۔

''میں نے سوچا کہ ذرا حدید بھائی سے گپ شپ ہو جائے۔''

''وہ تو بیٹا! اس وقت آفس میں ہے۔ تمہیں اس کے موبائل پر کال کرنا چاہئے تھی۔''

''میرے پاس تو فقط گھر کا ہی فون نمبر ہے۔'' عفیرہ نے مجبوری بیان کی تو وہ اسے موبائل نمبر نوٹ کرانے لگیں۔ اس نے اشارے سے پارس سے پنسل اور کاغذ مانگا۔

''ایک سیکنڈ، ممانی جان! میں ذرا ڈائری میں نوٹ کر لوں۔'' پارس نے ڈائری اور بال پوائنٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

''ماموں جان کا کیا حال ہے؟ اور آپ لوگ کب چکر لگا رہے ہیں، جہلم کا؟'' نمبر نوٹ کرنے کے بعد عفیرہ نے ان سے بات شروع کر دی۔

''بس، جلد آئیں گے۔ دراصل ان دنوں نوید کی شادی کی تاریخ رکھنے کے متعلق سوچا جا رہا ہے۔''

''بہت بہت مبارک ہو، ممانی جان''!

''پارس کیسی ہے؟ بھئی میں تو سوچ رہی تھی کہ نوید اور حدید دونوں کی شادی اکٹھے ہی کر دوں۔ مگر حدید ہے کہ مان کر ہی نہیں دیا۔''

''کیوں؟ وہ کیوں نہیں مانے؟'' عفیرہ کا دل بے طرح دھڑکا۔ 'کہہ رہا تھا کہ یہ ''بھگتانے'' والا کام مجھے بالکل بھی پسند نہیں۔ اور یہ کہ پہلے نوید کی شادی ہو جائے، اس کے بعد اطمینان سے اپنی شادی کروں گا۔''

وہ ہنس رہی تھیں۔ عفیرہ کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی۔

''خوب اچھی طرح انجوائے کرنا چاہ رہے ہوں گے نا۔''

''بالکل۔ ہلّہ گلّہ کرنا اُسے بہت بھاتا ہے۔''

''اچھا، اب پارس سے بات کریں۔'' عفیرہ نے ریسیور پارس کی طرف بڑھایا تو وہ ان سے بات کرنے لگی۔

ممانی جان نے کافی تسلی اور تفصیل سے پارس سے حال چال پوچھا اور اسے اپنا خیال رکھنے کی خاص تاکید کی۔

''توبہ، کتنی تسلی سے بات کرتے ہیں، یہ لوگ فون پر۔'' فون رکھتے ہوئے پارس ذرا ریلیکس ہوئی تھی۔

عفیرہ نے فون اپنی طرف کھسکاتے ہوئے اسے گھورا۔

""شکر کرو کہ اتنی اچھی ساس مل رہی ہیں۔""

وہ خفیف سی ہوگئی۔ عفیرہ نے نمبرز پریس کئے۔ لائن ملتے ہی عفیرہ نے فوراً اُس پر سلامتی بھیجی تھی۔

""وعلیکم السلام۔۔۔۔۔۔۔۔ کیسی ہو عفیرہ؟"" وہ بہت خوش دلی سے بولا تو وہ قدرے حیران ہو گئی۔

""ارے واہ، آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں ہوں؟""

""بس، تھوڑا بہت جادو جانتا ہوں، اسی سے پتہ چل گیا۔"" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔ عفیرہ گویا اپنے بے وقوف سمجھے جانے پر خفا ہوئی۔

""اتنے ہی جادو گر ہوتے تو اپنے کئی مسائل حل کر چکے ہوتے۔"" اس کے لطیف سے طنز کو حدید نے بڑے تحمل سے برداشت کیا تھا۔

""جب حل کر لوں گا، تب تم بھی مان جائو گی۔""

""اچھی نئی رشتے داری بنائی ہے آپ نے۔ نہ فون، نہ وزٹ۔"" عفیرہ نے لاعلمی کے مظاہرے کے طور پر بات کی تھی۔

""میرے لئے تو واقعی یہ نئی رشتے داری ہے، جس میں نہ تو فون پر بات کرنا پسند کیا جاتا ہے اور نہ کوئی مہمان آ جائے تو اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے، دروازے ہی سے لوٹا دیا جاتا ہے۔"" اُس کے طنز و استہزا سے پُر انداز پر عفیرہ بری طرح سٹپٹا گئی۔

""یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟""

""میرا نہیں خیال کہ تمہیں معلوم نہیں۔"" وہ رسانیت سے بولا۔

""یقین کیجئے، حدید بھائی! مجھے نہیں معلوم۔ میں تو یونہی عام سا شکوہ کر رہی تھی۔"" حدید کے انداز کے

جواب میں پارس کو گھورتے ہوئے اُس نے مکر جانا ہی مناسب سمجھا، پھر فوراً بات بدل گئی۔

""اچھا اب یہ بتائیں کہ آپ نے اتنے وثوق سے میرا نام کیوں لیا تھا؟""

""ویری سمپل۔ انکل سے تو ہر دوسرے دن بات ہوتی ہے۔ پھر اس وقت گھر کے فون پر تو فقط تمہی بات کر سکتی ہو۔ انکل کے تو آفس آورز ہیں۔""

""بہت ذہین ہیں آپ۔"" دھیمی سی ہنسی کے درمیان عفیرہ نے کہا تو وہ برجستہ بولا۔

""کاش کہ یہی بات میں تمہارے لئے بھی کہہ سکتا۔""

وہ ہنسی۔ پھر بولی۔ ""ویسے آپ کی آخری بات غلط ہے کہ گھر کے فون پر کوئی اور آپ سے بات نہیں کر سکتا۔"" ""سابقہ تجربہ تو یہی ہے میرا۔"" وہ سنجیدہ ہوا۔

""مگر آج تو میں نے کسی کے کہنے پر فون کیا ہے۔""

""جھوٹ مت بولو۔"" وہ متاثر نہیں ہوا۔

""دراصل، پارس کو آپ سے بات کرنا ہے۔ مگر میں نے سوچا کہ پہلے میں ذرا آپ سے گپ شپ کر لوں۔""

پارس کے نفی میں سر ہلانے اور ہاتھ ہلا ہلا کر انکار کرنے کے باوجود اس نے بڑے اطمینان سے کہا تو دوسری جانب چند لمحوں تک خاموشی چھا گئی۔

""ہیلو، میرے خیال میں آپ پر شادیٔ مرگ طاری ہو گئی ہے۔"" وہ شرارت سے پکاری تھی۔ دوسری جانب اس نے گہری سانس لی اور بے حد طنز سے بولا۔

""کم از کم جھوٹ تو وہ بولو، جس پر یقین کرنے کو جی چاہے۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں اُسے؟""

""ایک تو آپ بے اعتباری کی مٹی سے بنے ہیں۔ یہ لیں، بات کریں، اپنی نصف نااہل سے۔"" عفیرہ نے کہتے ہوئے ریسیور پارس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ بے بسی سے اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اطمینان سے اور ذرا ڈھنگ سے بات کرنا۔" وہ اسے نصیحت کر کے چلی گئی۔ ڈھیلے ڈھالے انداز میں اس نے ریسیور کان سے لگایا تو دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ یعنی یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ناراضگی شدید ہے۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔" وہ بہت جھجکتے ہوئے بولی۔

"جی فرمایئے؟" اتنا رُوڈ اور ریش انداز۔ پارس کی ہمت ٹوٹنے لگی۔ تمام الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ تو پہلے ہی عفیرہ کے ایک دم سے ریسیور حوالے کر دینے پر گھبرا رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ عفیرہ خود ہی اس کی طرف سے معذرت کر لے گی، مگر وہ تو بیچ منجدھار میں چھوڑ گئی تھی۔ اوپر سے حدید کا بگڑا ہوا موڈ اُسے گڑ بڑا گیا۔ یہ پتہ ہوتا کہ خود بات کرنا ہو گی تو تیاری ہی کر لیتی۔"

"دراصل میں، آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہ رہی تھی۔" اُس کی جو سمجھ میں آیا، بول گئی۔

"ایسا کیا جرم سرزد ہو گیا آپ سے؟" وہ طنز کر رہا تھا، یا جان بوجھ کر انجانے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا، پارس تمیز نہیں کر پائی۔

"وہ۔۔۔۔۔۔ اُس روز آپ نے یقیناً مائنڈ کیا ہو گا کیونکہ آپ پھر دوبارہ نہیں آئے تھے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے، وہ مائنڈ کرنے والی بات نہیں تھی؟" وہ اُلٹا اُس سے پوچھنے لگا۔ وہ لحظہ بھر کے بعد بولی۔

"آپ کے ساتھ زاہد بھائی تھے۔ اصولاً تو مائنڈ کرنے والی بات تھی۔ لیکن اس وقت مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ آپ کے ساتھ ہیں، ورنہ میں ایسا نہیں کرتی۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"آخر تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" وہ ناگواری سے بول اٹھا۔ "کیا میری کوئی حیثیت نہیں ہے کہ تم مجھے گھر میں بٹھا سکتیں؟"

"یہ بات نہیں ہے حدید!" وہ فی الفور اسے ٹوک گئی۔ جانتی تھی، اگر اسے ایک بار غصہ آگیا تو وہ بات کو سمیٹنے

کے بجائے مزید پھیلا دے گا، اس لئے اپنے مخصوص انداز میں اُسے سمجھانے لگی۔

"آپ چھوٹے بچے نہیں ہیں کہ آپ کو سمجھایا جائے۔ اچھے بھلے شخص ہیں۔ پھر بھی کج ادائی سے کام لے رہے ہیں۔"

"ہوں۔" اس نے استہزائیہ ہنکارا ابھرا۔ "کیا سمجھنے کی ضرورت ہے مجھے؟"

مگر حدید کا بدلا ہوا رویہ عفیرہ کو کھٹک رہا تھا۔ کہاں تو اس کا کچھ بھی کر جانے والا انداز اور کہاں ایک دم سے یوں لاتعلقی۔

"اس طرح بات کرو گی تو مجھے تمہیں فون کرتے ہوئے ذرا بھی افسوس نہیں ہو گا۔" وہ دانت پیس کر بولی تو باوجود ضبط کے، پارس کو ہنسی آگئی۔

"اچھا اب سیدھی طرح بتا دو۔" عفیرہ سنجیدہ تھی، اس لئے پارس کو بھی سنجیدگی کا پلو پکڑنا پڑا۔

"تم حدید سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں؟" آہستگی سے کہا تو عفیرہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔ وہ سر جھکائے اپنے ناخنوں پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"ان سے کیوں پوچھوں؟ پتہ نہیں، کیا کچھ کہا تھا تم نے۔ خوامخواہ مجھے صلواتیں سننا پڑ جائیں گی۔"

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔" وہ بالکل سیریس تھی۔ عفیرہ نے بغور اسے دیکھا۔

"پریشان ہو؟"

"نہیں۔" اُس نے گہری سانس لی۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے توقف سے بولی۔ "ہاں"!

"کیا کہا تھا؟" عفیرہ اس کے چہرے کو دیکھ کر صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"فضول کچھ بھی نہیں کہا۔ بس وہی سب، جو میں تم سے کہتی ہوں۔" اس نے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کہا تو عفیرہ تحیر میں گھر گئی۔

’’وہ سب، یعنی رومانس شادی کے بعد ہونا چاہئے،اور۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘

’’نہیں پاگل! باقی سب۔ یعنی کہ میں نے کہہ دیا ہے، یہ سب حرکتیں مجھے پسند نہیں۔‘‘ وہ فوراً تصحیح کرتے ہوئے بولی تو عفیرہ نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

’’بہتر یہی ہوگا کہ تم مجھے تفصیل سے ساری بات بتادو۔‘‘

پارس نے بہت احتیاط سے سنسر شدہ تفصیل اس کے گوش گزار کی، مگر عفیرہ کے تاثرات سے اسے اندازہ ہو گیا کہ شاید اسے یہ سب نہیں کہنا چاہئے تھا۔

’’مجھے آج بتا ہی دو کہ کیا چاہتی ہو تم؟‘‘ عفیرہ کو شدید غصہ تھا۔

’’جو میں چاہتی ہوں، وہ میں نے انہیں بتادیا ہے۔‘‘ وہ ٹھنڈے انداز میں بولی۔

’’تو پھر وہ سب بھی سننا تھا، جو ان کے خیالات تھے۔ تب تمہارے طبق روشن ہوتے۔‘‘ عفیرہ سلگ کر بولی۔

’’انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔‘‘ پارس کا انداز بات ختم کرنے والا تھا۔

’’انہوں نے تو میرے خیال میں اس دن سے کچھ بھی نہیں کہا، پھر تم کیوں منہ لٹکائے پھر رہی ہو؟‘‘ عفیرہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ پھر قدرے توقف کے بعد اٹل انداز میں بولی۔

’’مجھے کوئی شرمندگی، کوئی پریشانی نہیں اپنے الفاظ پر۔ وہ کیسا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں، یہ ان کے خیالات اور ذہنی استعداد پر منحصر ہے۔‘‘

’’مجھے ڈر ہے، پارس! کچھ غلط نہ ہو جائے۔‘‘ عفیرہ اُسے دیکھتے ہوئے بہت سنجیدگی سے بولی تو وہ بھی اسے دیکھنے لگی۔

’’یہ سب قسمت کی بات ہے، عفی! میں مطمئن ہوں کہ میں کچھ غلط نہیں کر رہی۔ اگر میں یہ سب نہ کہتی تو

ہو سکتا ہے کہ کسی روز ان کے اصرار پر میں اس سے زیادہ برا کہہ جاتی۔‘‘

عفیرہ نے گہری سانس لی تھی۔

’’اب میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ صرف اندازہ ہی ہے کہ حدید بھائی کو تمہاری باتیں بالکل پسند نہیں آئیں، ورنہ وہ مجھ سے تو بات ضرور کرتے۔‘‘

پارس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اور پھر تقریباً دو ہفتوں کے بعد ماموں اور ممانی چلے آئے۔ نوید بھائی اور زارا کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ مانی جان، عفیرہ اور پارس کو لینے کے لئے آئی تھیں۔

’’ابھی تو اتنے دن ہیں اور ہمیں تیاری بھی کرنا ہے۔‘‘ پارس نے دبے دبے لفظوں میں انکار کرنا چاہا، مگر ممانی جان کوئی بھی چھوٹ دینے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

’’کوئی اتنے دن نہیں۔ دو ہفتے ہی تو ہیں۔ گزرتے ہوئے پتہ بھی نہیں چلے گا۔ رہی شاپنگ تو وہ لاہور چل کے کر لینا۔‘‘

’’لیکن پیچھے ابو کو پرابلم ہو گی۔‘‘

’’ڈونٹ وری۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔‘‘ احمد رضا نے اپنی طرف سے اُس کی فکر دُور کرنا چاہی تو وہ بے بسی سے عفیرہ کو دیکھنے لگی۔

’’کیا بات ہے بیٹا؟ کیا جی نہیں چاہ رہا؟‘‘ ماموں جان بولے تو وہ گڑبڑا گئی۔

’’نن۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں۔ دراصل ہم کبھی کہیں گئیں نہیں تو یوں ابو کے بغیر عجیب سا لگ رہا ہے۔‘‘

’’میں بھی جلد ہی آجاؤں گا۔ بس تھوڑا سا آفس ورک کمپلیٹ کرنا ہے۔‘‘ احمد رضا نے پھر سے تسلی دی۔ گویا اس کے اعتراض کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی تو وہ سر جھکا کر رہ گئیں۔

’’اور ایک بہت خوشی کی خبر بھی ہے، تم لوگوں کے لئے۔‘‘ ماموں جان نے سسپنس پھیلایا تو وہ دونوں تجسّس سے

انہیں دیکھنے لگیں تو انہوں نے دھماکا کیا۔

"تمہاری سمن خالہ بھی نیویارک سے آرہی ہیں۔"

"سچی؟" فرطِ جذبات سے عفیرہ تو اُچھل ہی پڑی۔

"بالکل۔ بلکہ جب تک ہم لاہور پہنچیں گے، وہ آچکی ہوں گی۔ کیونکہ نوید اور حدید انہیں ریسیو کرنے ایئرپورٹ جا چکے تھے۔ چار بجے کی فلائٹ تھی، ان کی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پُریقین انداز میں کہا تو وہ خوش ہو اُٹھیں۔

"پھر تو ہم ضرور جائیں گے۔" پارس نے بے تابی سے کہا تو ممانی جانی نے اُسے خود سے لپٹا لیا۔

"لیکن ابھی نہیں، کل جائیں گے آپ لوگ۔" احمد رضا نے خوش دلی سے کہا تو سب ہنس دیئے۔

رات دیر تک باتوں کے دوران ان دونوں نے پیکنگ کی۔ ممانی جان ان کے ساتھ تھیں۔ وہ دونوں کرید کرید کر سمن کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ جو کچھ پتہ چلا، وہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ان کی بیٹی ثوما اور بیٹا صارم بھی آرہے تھے۔

"میں بہت خوش ہوں۔" عفیرہ نے ممانی جان کی گود میں سر رکھ کر لیٹتے ہوئے کہا تو وہ بہت محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"آپ نے بتایا تھا کہ سمن خالہ بالکل امی جیسی ہیں۔" پارس بہت اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

"بالکل۔ سمن تو نگہت کا دوسرا روپ ہے۔" انہوں نے فوراً تصدیق کی۔

"پھر تو میں ان کے ساتھ ہی نیویارک چلی جاؤں گی۔" عفیرہ نے اطمینان سے کہا تو وہ ہنس دیں۔ جبکہ پارس اسے گھورنے لگی۔

...☆☆☆...

لاہور پہنچنے پر ان کا استقبال بہت تپاک سے کیا گیا تھا۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ عفیرہ تو اپنے مخصوص انداز

میں سب کزنز سے مل رہی تھی، جبکہ پارس جو سمن کے گلے سے لگی تو پھر علیحدہ نہیں ہوئی۔ سمن اور پارس کے رونے سے فضا یکدم سنجیدہ ہو گئی۔ اس کے بعد عفیرہ ان سے ملی تو اسے زبردستی ان سے الگ کیا گیا۔

"سنا تھا کہ پاکستان میں سیلاب بہت آتے ہیں۔ سبب تو اب معلوم ہوا ہے۔" صارم نے دونوں بہنوں کو بہت دلچسپی سے دیکھتے ہوئے فقرہ کسا تھا۔ پارس تو جھینپ گئی، لیکن عفیرہ نے قدرے گھور کر صارم کو دیکھا تھا۔

"چلو بھئی، ذرا ریسٹ کرلو۔ بائی روڈ آرہے ہیں ہم۔" ممانی جان نے مجمع کو منتشر کرنا چاہا، مگر ان پر اثر نہیں ہوا۔ البتہ اتنا ضرور کیا گیا کہ ینگ جنریشن اُٹھ کر ہال میں چلی آئی۔

بہت سے چہرے نئے تھے، جن سے عفیرہ اور پارس انجان تھیں۔ ان سے تعارف کرایا گیا، جو ممانی جان کے بھانجے اور بھانجیاں تھیں۔ ثوما مستقلاً ان دونوں کے ساتھ تھی۔ وہ عفیرہ کی ہم عمر تھی، جبکہ صارم ان سے بڑا تھا۔

"آپ کیا کرتی ہیں، علاوہ رونے کے؟" وہ بہت سنجیدگی سے عفیرہ کا انٹرویو لے رہا تھا۔

"جس پر غصہ آئے، اس کی پٹائی کر دیتی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"آپ اس کا علاج کیوں نہیں کراتیں؟ یہ علامات ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ پارس کی طرف مڑ کر شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا تو وہ بس ہنس دی، جبکہ عفیرہ نے گھور کر اُسے دیکھا۔

"ہمارا کھانے کا کیا بندوبست ہے؟" ممانی جان نے اندر جھانکا تھا۔

"خالہ! سب کچھ ریڈی ہے۔ کہیں تو لگا دیں؟" ہما مستعدی سے اُٹھی۔

"ٹائم تو ہو گیا ہے۔ لگا ہی دو۔"

بے حد خوش گوار باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا تھا۔ باتیں تھیں کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آرہی تھیں۔

"آپ تو یہاں ہیں، یہ مستقبل کے دُولہا کدھر فرار ہیں؟" عفیرہ نوید کی طرف جھکی تھی۔ وہ ہنس دیئے۔

"وہ بے حد ضروری امور نمٹا رہا ہے۔ یعنی مسلسل ایک سے دوسرے شہر میں اس کے چکر لگ رہے ہیں۔ ابھی بھی وہ

وزیرآباد گیاہوا ہے۔"

"یہ تو اچھی میز بانی نہیں ہے۔" عفیرہ نے ناک سکیڑ کر شرارت سے کہا تو انہوں نے قدرے گھور کر اسے دیکھا۔

"ویسے تم بھی زیادہ اچھی مہمان ثابت نہیں ہو رہیں۔آئی میری شادی کے لئے ہو، جبکہ شوق اُس کی میز بانی کا ہے۔"

"کبھی شوق تھا،اب تو حسرت بن چکی ہے۔" وہ مصنوعی آہ بھر کے بولی۔ تبھی ممانی جان کے ساتھ حدید اندر داخل ہوا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" وہ اچٹتی نگاہ سب پر ڈال کر مصروف انداز میں بولا اور پھر سے ممانی جان سے بات کرنے لگا۔

"کیا غرور ہے؟" زاہدے نے ہانک لگائی تو وہ بات مکمل کر کے ان کی طرف بڑھا۔

"السلام علیکم!" عفیرہ نے بہت اچانک اور غیر متوقع سلامتی بھیجی تھی۔

"ارے،وعلیکم السلام!" وہ بے حد حیرت آمیز خوشی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"تم کیسے آگئیں؟"

"کیوں، ہمارے آنے پر پابندی ہے کیا؟" وہ مسکرائی۔

"ہمارے!" حدید نے بھویں اچکا کر استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھا تو وہ معنی خیزی سے شانے اُچکا کر رہ گئی۔

تب اس بار سب پر نگاہ دوڑاتے ہوئے ثوما سے باتوں میں مصروف پارس پر اس کی نظریں ٹھٹکیں۔ پتہ نہیں، وہ واقعی اتنی بے خبر تھی یا محض ظاہر کر رہی تھی۔ وہ سنبھل کر عفیرہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔اس کی پیشانی کی شکنیں عفیرہ سے چھپی نہیں رہ سکی تھیں۔

...☆☆☆...

ازاروں کے چکر لگانے کے بعد وہ سب شام ہوتے ہی ڈھولک سنبھال کر بیٹھ جاتیں مگر اتنی تھکن کے بعد پارس کو صرف بستر ہی سوجھتا تھا۔ دوسرے حدید کا سامنا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، اس لئے وہ کمرے میں گھسے رہنے ہی میں عافیت سمجھتی تھی۔ مگر ان سب نے محض تین دن تک ہی اس کی روٹین کو برداشت کیا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو، ہمیں تھکن نہیں ہوتی یا ہماری ٹانگیں کرائے کی ہیں؟" سیمی بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

ہما نے کمبل اُٹھا کر پرے کیا۔ رباب نے بازو سے پکڑ کر اُسے کھڑا کیا تو وہ بے چارگی سے عفیرہ اور ثوما کو دیکھنے لگی، جو دروازے میں کڑے تیور لئے کھڑی تھیں۔ وہ شانے پر دوپٹہ ڈالتی ان کے ساتھ ہال میں چلی آئی۔

ممانی جان ہنسی تھیں۔

"میں نے کہا بھی تھا، تھکی ہوئی ہے، آرام کرنے دو۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ یہ آپ کی ہونے والی بہو ہے، مگر اتنی اقربا پروری بھی پھپھو جان! ٹھیک نہیں ہوتی۔"

رباب نے منہ پھُلایا۔ اس کے الفاظ پر پارس جھینپ گئی۔ حدید کو وہ سب کے درمیان بیٹھا دیکھ چکی تھی۔ وہ عفیرہ اور ثوما کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ہما نے ڈھولک سنبھال لی۔

"سب سے پہلے پارس اسٹارٹ کرے گی، گانا۔ "

"میں۔۔۔۔۔۔۔۔!" وہ سٹپٹا گئی۔

"گانے کو کہا ہے، منمنانے کو نہیں۔" فیضان نے ہانک لگائی تو اس کی رنگت سرخ پڑ گئی، جبکہ عفیرہ جواب دینے سے نہیں چوکی تھی۔

"اتنا تو ہر کوئی منمنا لیتا ہے۔ تشویش تو تب ہوتی ہے، جب کوئی منمناتے ہوئے گھاس پر منہ مارنے لگے۔"

فیضان نے سٹپٹا کر سلاد کی پلیٹ اپنے آگے سے ہٹائی تو ایک قہقہہ پڑا۔ صارم نے توصیفی نگاہوں سے عفیرہ کو

دیکھا تھا۔

''چلو حدید! تم سے شروع کرتے ہیں۔ کچھ سنادو۔'' رباب نے بہت اٹھلا کر کہا تھا۔

''کھری کھری سنائوں یا جو منہ میں آئے، سنادوں؟'' وہ اپنے مخصوص لاپرواانداز میں پوچھ رہا تھا۔

ہر سُو ہنسی بکھرنے لگی، جبکہ رباب منہ بنا کر ڈھولک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''چلو، ہم خود گاتے ہیں۔ انہیں تو پتہ نہیں، کس بات کا غرور ہے۔ شاید اپنی آوازوں کی اصلیت سے یہ واقف نہیں۔''

''اچھا ہے، تم لوگوں کی طرح ہم دوسروں کی برداشت سے تو نہیں کھیلتے۔ اب کانوں کے ڈھکن نہیں ہوتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کا ناجائز فائدہ اُٹھانے لگیں۔''

زاہد، رباب کے تلملانے کا اچھی طرح لطف لے رہا تھا۔ ان کی یہ ماموں زاد، حدید پر فدا تھی اور یہ بات اس کی حرکتوں سے نہ صرف زاہد بلکہ حدید پر بھی عیاں تھی۔

''تم سے تو اچھی ہی ہے میری آواز۔''

''ہاں، مجھ سے تو اچھی ہی ہے۔'' اس کا قہقہہ رباب کو پہلو بدلنے پر مجبور کر گیا۔

''چلو، اب سنجیدگی سے گانا گائو۔'' ہما نے سب کو متوجہ کیا تو وہ سب ریڈی ہو گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان کو ڈھولک بجانے اور گانے میں کمال حاصل تھا۔ گانے کی ٹون کے ساتھ ہما اتنی مہارت سے تھاپ بدلتی کہ پارس حیرت زدہ سی دیکھے جاتی۔

''اتنی گرمئ شوق سے نہ دیکھ، پگھل جائے گی۔'' حدید نے بلاارادہ و بے اختیار تیسری نگاہ پارس پر ڈالی تو زاہد اس کی طرف جھک کر بہت شرارت سے بولا۔ اس نے فوراً تیوری چڑھائی۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں۔''

''تو پھر مان لو کہ اُس میں اتنی کشش ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی تم اسے دیکھے جا رہے ہو۔ وہ چھیڑ رہا تھا۔

حدید کے دل میں لطیف سا احساس بیدار ہونے لگا، مگر وہ بظاہر اسی موڈ میں رہا۔

''تجھے بِل آرہا ہے کیا؟''

''بِل تو نہیں، لیکن اگر تیرا دل آرہا ہے تو چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟''

زاہد کی بحث ابھی مزید جاری رہتی، اگر عمیر کا جھانپڑ اس کا شانہ نہ سینک گیا ہوتا۔ وہ بہت تلملا کر پلٹا تھا۔ حدید نے گہری سانس لی۔

''فیضان! اب سنادو تم بھی گانا۔''

ہما نے فیضان کی منت کی۔ کیونکہ اس کی آواز اتفاق سے اچھی تھی۔ بہت سی منتوں کے بعد وہ آمادہ ہوا۔

''سیونی میرا ماہی میرے بھاگ جگاون آگیا
انج لگدا جیویں رانجھن مینوں ہیر بناون آگیا''

ڈھولک کی تھاپ اور تالیوں میں فیضان کی آواز کمال دکھا رہی تھی۔ اس کے بعد زاہد اور حدید بھی اس کے ساتھ ہم آواز ہو گئے۔ گانے کے اختتام پر بے پناہ تالیوں سے فیضان کا شکریہ ادا کیا گیا۔

''یہ تو اتفاق سے فیضان کی آواز اچھی ہے، ورنہ میرا تو کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔'' حدید خاصا جیلس ہو رہا تھا۔

''ثابت کرونا۔ فقط دعوئوں سے بات نہیں بنتی۔'' سیمی نے اسے چڑایا تو وہ فوراً راضی ہو گیا۔

''شام ہو رہی ہے، تمہاری یادوں کے سائے چھا رہے ہیں''

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ گانا ابرار الحق کے علاوہ بھی کسی کی آواز میں اتنا سوٹ کر سکتا ہے۔''

رباب کی سیمی سے کی جانے والی سرگوشی، پارس کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی۔ اس نے دل میں بے اختیار رباب کی تائید کی۔ حدید نے بھی بے پناہ داد پائی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے نوید بھائی کو گھیر لیا اور

ڈھولک پر ان سے گانے سنے۔ رات گئے جب آنکھوں میں نیند اُترنے لگی، تب سب اُٹھے تھے۔

اگلے دن سب نے لیٹ ناشتہ کیا۔ اس کے بعد وہ سب بازار جانے کے لئے تیار ہونے لگیں۔

''میں آج بالکل نہیں جا رہی، عفیرہ!'' پارس نے صاف جواب دے دیا۔ جواباً اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''اور وہ جو مہندی کا سوٹ لینا ہے، وہ کیسے آئے گا؟''

''تم لے آنا، پلیز!'' وہ آس بھرے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''میں تمہاری نوکر نہیں لگی۔ خود چلو، ذرا خوار ہو تو تمہیں پتہ چلے، شاپنگ کیسے کی جاتی ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی۔ پارس نے اسے گھورا۔

''اور وہ جو پچھلے ایک ہفتے سے میں تم لوگوں کے ساتھ جا رہی ہوں، وہ؟''

''ہمارے ساتھ، لیکن اپنی ضرورت کے لئے۔'' عفیرہ نے تصحیح کی۔ پارس کا جانے کو بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا، مگر ان سب کے فورس کرنے پر اسے تیار ہونا پڑا۔ ویسے بھی اب شادی میں چند ہی دن رہ گئے تھے، اس لئے مجبوراً بھی اسے جانا ہی تھا کیونکہ مہندی کی تقریب کے لئے اسے اپنے کپڑے لینے تھے۔ سیمی، ہما، رباب، ثوما، عفیرہ اور پارس گاڑی میں ٹھنسی ہوئی تھیں اور ڈرائیور کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔

''نوید بھائی کدھر گئے؟ صبح سے تو جان کھائی ہوئی تھی، انہوں نے کہ آج ضرور جانا ہے۔'' ہما نے کوفت سے پہلو بدلا تھا۔ ''فیضان یا زاہد ہی کو بلا لائو۔'' سیمی نے التجا کی تو رباب نیچے اُتری۔

''میں لاتی ہوں کسی کو بلا کے۔'' وہ کہتی ہوئی اندر گئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ واقعی کسی کو بلا لائی۔ حدید اس کے ساتھ تھا۔ پارس نے فوراً ثوما کی طرف چہرہ گھما لیا۔ حدید بہت اُکتایا ہوا تھا۔ شکل ہی سے ظاہر تھا کہ یا تو اسے جبراً بھیجا گیا ہے یا پھر وہ خود دل پر جبر کر کے آ رہا ہے۔ دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد جس طرح اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا تھا، اس پر سب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو

اشارے کئے تھے۔ رباب بہت استحقاق سے اگلی سیٹ پر براجمان تھی، جب کہ سیمی بے چاری دروازے کے ساتھ دبکی بیٹھی تھی۔ وہ سنجیدہ تاثرات سجائے گاڑی روڈ پر لے آیا۔

''کدھر چلنا ہے؟'' بہت بیزار کن انداز میں پوچھا گیا۔

''ٹیلر کے پاس۔۔۔۔۔۔۔ نہیں، جیولر کے پاس۔۔۔۔۔۔۔ یار! پہلے مارکیٹ چلتے ہیں۔۔۔۔۔ نہیں، پہلے۔۔۔۔۔۔۔''

''شٹ اپ!'' وہ غصے میں بھرا زور سے بولا تو ان سب کی آوازیں منمناہٹ میں تبدیل ہو گئیں۔

''سیدھا مارکیٹ لے کر جائوں گا، وہاں سے جہاں چاہے جا کر خریداری کرنا۔''

''ان کو کیا ہوا ہے؟'' سیمی نے رباب کے کان میں سرگوشی کی تو اس نے بے نیازی سے شانے جھٹک دیئے۔

''حدید بھائی! اگر آپ کا دل نہیں چاہ رہا تھا، جانے کو تو رہنے دیتے۔'' عفیرہ کے انداز سے خفگی چھلک رہی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ مگر ان لوگوں کا طریقہ ہی ایسا تھا کہ ڈانٹنا ضروری تھا۔'' وہ سنبھل کر صفائی پیش کرنے لگا۔

''پھر بھی، اگر آپ مارے باندھے آ ہی گئے ہیں تو کم از کم چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ ہی سجا لیں۔'' وہ مسکرائی تو اس کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بائی داوے، آپ یہ رعب دکھانا کسے چاہ رہے ہیں؟'' ثوما نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ پارس نے بے اختیار اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ حدید نے اچٹتی نگاہ بیک مرر میں جھلکتے پارس کے عکس پر ڈالی اور پھر گویا ان سنی کرتے ہوئے گاڑی پارک کرنے لگا۔ پارس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے بات نہیں بڑھائی ورنہ وہ بے باک تو تھا ہی، جانے بات کو کیا رخ دے دیتا۔

سب سے پہلے انہوں نے جو کپڑے خریدنے سے رہ گئے تھے، ان کو خریدنے کا قصد کیا کہ سب سے زیادہ دیر اُدھر ہی ہونا تھی۔ حدید ان کے ساتھ ہی تھا۔ فقط پارس اور ثوما ہی نے مہندی کے لئے سوٹ خریدے تھے، مگر اسی میں دو گھنٹے صرف ہو گئے۔ حدید کی وجہ سے پارس بہت خجل ہو رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سب سے پہلے لباس پر ہاتھ رکھ دیتی، مگر وہ سب ہر لباس میں اتنے نقص نکال رہی تھیں کہ دو گھنٹوں میں فقط دو سوٹ پسند کئے گئے۔ حدید کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ وہ کچھ بولا تو نہیں مگر اس کے تاثرات سے عیاں تھا کہ وہ بمشکل ضبط کر رہا ہے۔

"ابھی تو بہت کچھ لینا ہے۔ ڈائر سے دوپٹے، جیولر سے ایک سیٹ، ٹیلر سے کپڑے اور ثوما اور ہما کو جوتے خریدنے ہیں۔" رباب نے فہرست گنوائی تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"تم تو کہہ رہی تھیں، بس ایک دو سوٹ ہی خریدنے ہیں؟"

"ویسے تم کب آرہے تھے؟" وہ ہنسی۔

وہ سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ اُس کی پیشانی پُر شکن تھی۔

"حدید کے تیوروں سے لگ رہا ہے کہ یہ ہمیں ٹھیک طرح سے شاپنگ نہیں کرنے دے گا۔" ہما نے اسے سنانے کے لئے اونچی آواز میں کہا۔

"تم لوگوں کو خود ہی طریقہ نہیں آتا شاپنگ کرنے کا۔ اچھے بھلے کپڑوں میں تم لوگوں نے کھڑے کھڑے بیسیوں نقص نکال دیئے۔ دکاندار بے چارا ہلکان ہوا جا رہا تھا۔" وہ چڑ کر بولا تو وہ ہنسنے لگیں۔

"بس ایک ہی دفعہ سب کچھ لے لو، میں جگہ جگہ ساتھ نہیں پھروں گا۔" وہ گاڑی پارک کرتے ہوئے قطعی انداز میں بولا۔

"بس سب دکانیں یہیں آس پاس ہی ہیں۔ اب ساری شاپنگ یہیں سے ہو گی۔ صرف واپسی پر جیولر کے پاس

جانا ہو گا۔" سیمی نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے انجن بند کرنے لگا۔ وہ سب نیچے اُتر گئیں۔

"تم بھی چلو ناں۔" ہما نے پارس کو ٹہوکا دیا۔

"مجھے اور کچھ نہیں لینا۔ تم لوگ جاؤ، میں گاڑی میں بیٹھوں گی۔" وہ سادگی سے بولی۔

"کم آن یار! ساتھ تو چلو۔" سیمی نے بھی اصرار کیا۔ مگر وہ عفیرہ کی خشمگیں نگاہوں کو بھی نظر انداز کر گئی۔

"میرا دل بالکل نہیں کر رہا، بازاروں کی خاک چھاننے کو۔" اس کے قطعی انداز پر وہ مجبوراً پلٹیں۔ حدید گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"چلیں حدید بھائی!" سیمی نے کہا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کہاں؟۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نہیں جا رہا۔ میرے سر میں پہلے ہی شدید درد ہو رہا ہے۔" وہ بہت بے رُخی سے بولا تو انہیں ہنسی آگئی۔

"چہ، چہ۔۔۔۔۔۔۔ ویسے یہ سر کا درد پہلے بھی اتنا ہی شدید تھا یا ابھی ہوا ہے؟" ہما نے معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

"اوکے، بیسٹ آف لک برادر!" ثوما ہنسی تھی۔ لمحہ بھر کو حدید کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ جگمگا اُٹھی۔

جب کہ ان کے ساتھ پلٹتے ہوئے عفیرہ کو فکرمندی سی تھی۔ جانے وہ پارس سے کیا کہے اور وہ اسے کیا جواب دے؟ وہیں رباب کے چہرے کے تاثرات بھی کسی سے چھپے نہیں رہ سکے۔ اگر اسے ضروری شاپنگ نہ کرنی ہوتی تو وہ بھی گاڑی ہی میں بیٹھی رہتی۔

"اوہ گاڈ! میں کہاں ٹھہر گئی۔" پارس نے گویا اپنی نادانستہ بے وقوفی پر سر ہی پیٹ لیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ دل مضبوط کئے، بہت لاپروائی کا مظاہرہ کرتی باہر دوڑتی بھاگتی زندگی دیکھ رہی تھی۔ وہ گاڑی میں ڈرائیونگ

سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اپنی دھڑکنوں کی بے ترتیبی پر پارس کو حیرت کے ساتھ ساتھ گھبراہٹ بھی ہونے لگی۔ اس نے کبھی حدید کو کوئی خاص مقام دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، مگر اب اس پل اس کا ساتھ احساس دلا رہا تھا کہ ان دونوں کے مابین ایک رشتہ موجود ہے۔ احساسات کا، محسوسات کا۔

اس نے بے حد اطمینان سے مڑ کر اُسے دیکھا۔

''تم اگلی سیٹ پر آجاؤ۔'' غیر متوقع آفر اور غیر معمولی سچویشن پر وہ گڑبڑا کر اُسے دیکھنے لگی۔

''نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' بہ مشکل اس سے کہا گیا۔ چند لمحے اُس کی گھبراہٹ نوٹ کرنے کے بعد وہ سیدھا ہو بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ پارس پریشان ہو گئی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں نہیں، ہم جا رہے ہیں۔ کسی ہوٹل میں۔'' وہ بہت آرام اور سکون سے کہہ رہا تھا۔ پارس کا دل حلق میں آن اٹکا۔

''میں نہیں جا رہی۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسا۔ پتہ نہیں طنزاً یا اُس کی سادگی پر۔ وہ مضطرب سی ہونٹ کاٹنے لگی۔

''وہ سب وہاں انتظار کریں گی۔'' وہ سخت پریشان تھی اور اسی قدر وہ پُرسکون تھا۔ 'لیکن مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔'' وہ ناگواری سے بولی تو حدید نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔ اُس کی پیشانی شکنوں سے پُر ہو رہی تھی۔

''آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہیں غرور کس بات کا ہے۔ کس برتے پر اتنا نخرہ کرتی ہو؟'' وہ بہت تیکھے اور سرد لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ لحظہ بھر کو وہ سُن رہ گئی۔

''مجھے نہیں پتہ کہ آپ یہ سب کس برتے پر کہہ رہے ہیں۔ پلیز، گاڑی واپس موڑیں آپ۔'' اب بھی اس کے لب و لہجے سے سخت غصہ اور ناگواری جھلک رہی تھی۔ حدید نے لب بھینچ کر جیسے ضبط کیا اور فوراً ہی

گاڑی موڑلی۔ وہ سنجیدہ و بے گانہ سے تاثرات سجائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ یوں، جیسے گاڑی میں بالکل تنہا ہو۔

''نیچے اترو۔'' اسی جگہ پر گاڑی روک کر وہ سختی سے بولا تو وہ تحیر میں گھری اسے دیکھنے لگی۔

''میں کہہ رہا ہوں، نیچے اُترو۔'' وہ غرّایا تو خائف سی پارس دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے۔ وہ اُس کی پریشانی سے بے نیاز گاڑی ریورس کر رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ کھڑکی کی طرف بڑھی تو اُس نے سرد نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں میرے ساتھ بیٹھنا پسند ہے۔ اور کوئی مجھے محض ''برداشت'' کرے، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔'' چبا چبا کر کہتا وہ گاڑی لے کر یہ جا، وہ جا۔

وہ کتنی ہی دیر لب نیم وا کیے، اُڑتی دُھول دیکھتی رہی۔ پھر یکلخت اُسے احساس ہوا کہ وہ بھری سڑک پر کھڑی ہے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہیں کھڑے ہو کر رونا شروع کر دے۔ خود پر بہت قابو پا کر وہ تیز قدموں سے چلتی سامنے دکانوں کی طرف بڑھی تھی، جدھر اس نے ان سب کو گھستے دیکھا تھا۔ جوتوں کی دکان پر وہ سب دکاندار سے اُلجھتی مل گئیں۔

''خیریت۔۔۔۔۔۔۔۔ تم کیوں آگئیں؟'' سیمی حیران ہوئی۔ عفیرہ تیزی سے اُس کی طرف آئی تھی۔

''کیا ہوا، حدید بھائی کدھر ہیں؟'' اتنی ہمدردی پا کر اُسے رونا آگیا۔

''وہ مجھے اُتار کر گاڑی لے گئے۔'' بِنا سوچے سمجھے آنکھیں چھلکاتے وہ اصل بات بتا گئی تو عفیرہ نے گڑبڑا کر اُسے گھورا۔

''کوئی کام پڑ گیا ہو گا، اس لئے تمہیں لے کر نہیں گئے ہوں گے۔'' ثومانے لاپروائی سے تسلی دی، جبکہ رباب کے ہونٹوں پر محظوظ کن مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"چہ۔۔۔۔۔۔۔۔چہ۔۔۔۔۔۔۔۔ایسا تو نہیں کرنا چاہئے تھا اُسے۔آخر کو منگیتر ہو تم اُس کی۔"

"کم آن پارس! اتنی چھوٹی سی بات پر رونے لگیں۔" سیمی نے اُسے ڈانٹا تو وہ خجل سی آنکھیں رگڑنے لگی۔

عفیرہ کُڑھ کر رہ گئی۔اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پھر سے پارس نے کوئی بے وقوفی کر دی ہو گی۔

"ابھی تو اتنی جگہوں پر جانا تھا۔" ہما ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ٹیکسی کر لیتے ہیں۔" ثوما نے شانے اچکائے۔

"خیر، حدید بھائی کو تو ڈانٹ ضرور پڑوانی ہے۔یہ کوئی طریقہ ہے؟ پہلے سے بتا سکتے تھے کہ مجھے کام ہے۔ہم کسی اور کو ساتھ لے آتے۔" ہما غصے میں تھی۔

بہت آف موڈ میں شاپنگ کی گئی۔ ٹیکسی لے کر وہ لوگ جیولر کے پاس گئیں۔گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو رہی تھی اور ان سب نے حدید سے بدلہ لینے کا لائحہ عمل بھی ترتیب دے لیا تھا۔پارس سیدھی کمرے میں چلی گئی۔ خواتین شاپنگ دیکھنے میں مصروف تھیں۔

"حدید کہاں ہے خالہ جان؟" ہما نے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"چائے بنوا رہا تھا کچن میں۔" وہ بولیں اور زیور دیکھنے لگیں۔وہ سب کچن میں چلی آئیں۔"بہت بدتمیز ہو تم حدید! ایسا کرتے ہیں بھلا؟ ہمیں وہیں چھوڑ آئے تم؟" ہما جاتے ہی اُس سے الجھ پڑی۔

"تم لوگوں کو میرے خیال میں گھر کا راستہ اچھی طرح آتا ہے۔" وہ رُکھائی سے بولا۔

"لیکن اقربا پروری کی بھی حد ہوتی ہے۔" سیمی نے منہ بسورا تو وہ استفہامیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"اب معصوم مت بنیں۔پارس کو تو لے گئے ساتھ، پتہ نہیں کہاں کہاں کی سیریں کرائیں اور ہم وہاں پیدل چل چل کے خوار ہو گئیں۔" وہ مسکینیت طاری کرتے ہوئے بولی۔

اب کی بار حدید پوری طرح بیدار حواس کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے تیوری چڑھائی۔

"مطلب یہ کہ ہم وہاں سے فارغ ہوئیں تو دیکھا نہ وہاں گاڑی تھی اور نہ ہی آپ دونوں۔ہم تو ٹیکسی لے کر گھر پہنچی ہیں۔" ثوما بھولپن سے بولی تو وہ غائب دماغی کی کیفیت میں اسے دیکھے گیا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔وہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہے؟"

"کون؟" عفیرہ نے فراخ دلی سے چائے اپنے مگ میں اُنڈیلتے ہوئے بڑی لاپروائی سے پوچھا تو وہ مضطرب سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"پارس کہاں ہے؟"

"ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔کیا مطلب؟ تمہیں پتہ ہونا چاہئے، وہ گاڑی میں تھی۔" ہما نے اسے گھورا۔ان سب کی مسکراہٹ حدید دیکھ نہیں پایا تھا، ورنہ ضرور کھٹک جاتا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔میں تو چلا گیا تھا۔میں نے اُسے وہیں اتار دیا تھا۔" وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ آپ نے پارس کو گاڑی سے اُتار دیا تھا؟ کیوں؟" عفیرہ جذباتی انداز میں چلاّ اُٹھی۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔تھوڑی سی لڑائی ہو گئی تھی۔" وہ خجل سا تھا۔

"مگر اُسے تو راستوں کا بھی علم نہیں۔" عفیرہ روہانسی ہوئی۔ثوما، سیمی اور ہما اُسے داد دینے والے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

"میں دیکھتا ہوں۔اور پلیز، ابھی کسی سے کچھ مت کہنا۔"

حدید کا دل انجانے خدشوں سے بوجھل ہونے لگا۔وہ تیزی سے باہر نکل گیا تو ان کے بمشکل ضبط کئے ہوئے قہقہے حلق سے آزاد ہو گئے۔

...☆☆☆...

کتنی ہی دیر وہ اپنی انسلٹ پر روتی رہی تھی۔ اس نے شکر کیا کہ باقی سب کمرے میں موجود نہیں تھیں۔ اُسے حدید کے ردِ عمل پر بہت افسوس اور حیرت ہوئی تھی۔ کتنی لاپروائی سے وہ اُسے بھرے بازار میں چھوڑ گیا تھا۔ اگر عفیرہ وغیرہ اُسے نہ مل جاتیں تو پتہ نہیں وہ کیا کرتی کہ راستوں سے وہ قطعی لاعلم تھی۔

دروازے پر کھٹکا ہوا تو اس نے تیزی سے دوپٹے سے چہرہ رگڑ ڈالا۔ عفیرہ اور ثوما ہنستی ہوئی اندر داخل ہو رہی تھیں۔

’’اب مزہ آئے گا۔ بہت بن رہے تھے، محترم۔‘‘

’’شکل دیکھی تھی اُن کی۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے آخری پونجی بھی لٹا بیٹھے ہوں۔‘‘ ثوما کو کہتے کہتے پھر سے ہنسی آ گئی۔ عفیرہ، پارس کی طرف متوجہ ہوئی۔

’’تم بس تکیے میں منہ دیئے ساری عمر روتی ہی رہنا۔‘‘

’’بکواس مت کرو۔‘‘ وہ خجل سی ہونے لگیں۔

’اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو ایسی حرکت پر زمین آسمان ایک کر دیتی۔‘‘ ثومانے شانے جھٹک کر کہا۔

’’میں تو تھک گئی ہوں، اُسے سمجھا سمجھا کر۔ اور یہ رباب کے سامنے رونے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ پتہ نہیں کیا کیا باتیں بنا رہی ہے۔‘‘ عفیرہ کو اچانک یاد آیا تو وہ اُسے گھورنے لگی۔

’’تم خوامخواہ رعب مت جماؤ۔ اب رونے والی بات پر تو رونا ہی آئے گا ناں۔‘‘ پارس نے چِڑ کر کہا تو اس کے انداز پر ثوما کو ہنسی آگئی۔

’’ویسے مزہ تو اب آئے گا۔ ہم نے حدید بھائی سے کہہ دیا ہے کہ تم ہمارے ساتھ گھر واپس نہیں آئیں۔‘‘

’’کیا۔۔۔۔۔۔؟‘‘ حیرت کے مارے وہ کافی اونچی آواز میں بول گئی۔

’’جی!‘‘ عفیرہ نے بھی وہی انداز اپنایا مگر وہ پریشان ہونے لگی۔

’’کتنی فضول حرکتیں کرتی ہو تم لوگ۔ اگر گھر والوں کو پتہ چل گیا تو؟‘‘ اس کے پُر تشویش و پریشان کن انداز پر دونوں اُس کا مذاق اُڑانے لگیں تو ناچار اُسے خاموش ہونا پڑا مگر اُسے یہ بھی فکر لگ رہی تھی کہ اب حدید پتہ نہیں، کہاں کہاں مارا پھر رہا ہو گا۔

’’چلو، اب کھانا کھائیں چل کے۔‘‘ ثومانے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا تو وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں اس کے ساتھ چل دی۔ کھانے کی میز پر حدید کے علاوہ سبھی موجود تھے۔ پارس اندر ہی اندر سخت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ سبھی حدید کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ سیمی، عفیرہ، ہما اور ثوما دبی دبی مسکراہٹ لئے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ سب اپنی شرارت کو انجوائے کر رہی تھیں۔ مگر پارس کو یہ سوچ کر پریشانی ہو رہی تھی کہ اس وقت وہ کس قدر ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہا ہو گا۔ وہ خاموشی سے کھانا ادھورا چھوڑ کر اُٹھ گئی۔

’’کھانا تو ٹھیک طرح سے کھالو، پارس!‘‘ ممانی جان نے ٹوکا تو وہ تھوڑی دیر میں آنے کا بہانہ کر کے کوریڈور میں آگئی۔ حدید کے موبائل کے نمبرز پُش کرتے ہوئے اُس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

’’ہیلو!‘‘ لائن ملنے پر اُس کی بے تاب سی آواز اُبھری۔

’’ہیلو!‘‘ وہ تھوک نگل کر بولی تو حدید کو شاید اس کی آواز پر عفیرہ کی آواز کا دھوکا ہوا تھا۔ وہ بہت بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

’’کیا پارس آگئی ہے گھر؟‘‘

’’جی۔‘‘ وہ بہ مشکل کہہ پائی تو دوسری طرف حدید نے گہری سانس لی۔

’’وہ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پارس بول رہی ہوں۔‘‘ وہ قدرے ہچکچا کر بولی تو کئی لمحوں کے لئے گویا لائن بے جان ہو گئی۔

"کہاں تھیں تم؟" اب کی بار اس نے سختی سے پوچھا تھا۔

"اس سے آپ کو کیا مطلب؟ اگر اتنا ہی خیال ہوتا تو یوں بھرے بازار میں مجھے تنہا نہ چھوڑ جاتے۔" پتہ نہیں کس رو میں وہ بے اختیار ہی شکوہ کر گئی۔ پھر گڑبڑا کر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور خود کو اندر ہی اندر سرزنش کرتی کھانے کی میز پر آگئی۔

تھوڑی دیر کے بعد حدید بھی وہاں موجود تھا۔ بہت سنجیدہ اور اکھڑے سے تاثرات لئے۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ان سب نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہنسنے لگیں۔ جبکہ وہ سنجیدگی سے کھانے میں مگن تھا۔ پارس نے زبردستی کھانا حلق سے نیچے اُتارا اور سب سے پہلے اُٹھ گئی۔ حدید نے سب کے بعد ان چاروں کی اچھی خاصی خبر لی۔

"ہاں جی، بس آپ کے پاس تو پاور آف اٹارنی ہے، لڑکیوں کو تنگ کرنے کی۔ ایک ذرا سا مذاق ہم نے کر لیا تو غضب ہو گیا۔" ثوما نے طنز کیا تو وہ اسے گھورنے لگا۔ "لحاظ کر رہا ہوں میں کہ اتنے عرصے بعد آئی ہو۔"

"میری طرف سے بھی یہی الفاظ سمجھ لیں۔" وہ حد درجہ بے نیازی سے بولی۔

"ویسے آپ کو کیسے پتہ چلا کہ پارس گھر میں ہے؟" عفیرہ نے تجسّس سے پوچھا تو باقی تینوں بھی جی جان سے متوجہ ہو گئیں۔

"کہیں سے بھی نہیں۔ بس، ایسے ہی راستے میں جا کر خیال آیا کہ اچھی بھلی جان چھوٹ رہی ہے، کہاں پھر سے بلا سر لینے لگے ہو۔ بس یہی سوچ کر واپس لوٹ آیا۔" وہ بے حد اطمینان سے بولا تو عفیرہ نے کُشن اُٹھا کر اُسے دے مارا۔

"بہت فضول ہیں آپ۔ میری بہن کو بلا کہہ رہے ہیں۔"

"میں اپنی ہونے والی بیوی کو کہہ رہا ہوں۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

☆☆☆...

ڈھولک پر آج پہلے سے زیادہ رونق تھی۔ کیونکہ شادی میں محض دو روز ہی رہ گئے تھے۔ اس لئے حاضری معمول سے زیادہ تھی اور خوب زور و شور سے گانے گائے گئے۔ لڑکوں نے بھی آج قدرے شرافت آمیز انداز اپنائے رکھا اور ہوٹنگ سے باز رہے۔ ڈھولک کے بعد جب مہمان رخصت ہوئے تو لڑکوں کی باری آئی۔

"چل میرے یار! ہو جائے ایک زبردست سا گانا۔" زاہد نے ڈھولک سنبھال کر حدید کو گویا للکارا تھا۔

"موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ بے زار ہونے لگا۔

"اگر بھابی کہے تو مان جائے گا کیا؟" وہ جھک کر قدرے سرگوشی میں پوچھنے لگا تو حدید نے خونخوار نظروں سے اُسے دیکھا۔

"حدید بھائی! اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔" عفیرہ نے ہانک لگائی مگر وہ یونہی خفگی سے بیٹھا رہا۔ کچھ بھی ہو، ان کے فضول سے مذاق نے جان تو نکال ہی دی تھی۔ البتہ پارس کے لئے دل میں ذرا نرمی سی پیدا ہوئی تھی، جس نے اس کی سانسیں بحال کر دی تھیں۔

"حدید بھائی!" ثوما کے بلانے پر وہ متوجہ ہوا تو وہ چاروں اپنے کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھیں۔ ہلکی سی مسکراہٹ، حدید کے لبوں کو چھو گئی۔

"چلو حدید! اب سنا بھی دو، کیوں منتیں کروا رہے ہو؟" رباب نے بڑے انداز سے کہا۔ جبکہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ پہلے ہی سنانے والا تھا۔

"آج کس کی شامت آ رہی ہے؟" نوید بھائی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بشاشت سے بولے تو حدید نے آرام سے کہا۔

"جنید جمشید کی۔"

”چلو پھر جلدی کرو۔ ٹائم نہیں ہے۔“ ہمانے گھڑی دیکھتے ہوئے بڑے مصروف انداز میں کہا تو وہ اسے گھورنے لگا۔

”کم آن، حدید! اب شروع کرو۔“

وہ پہلے جھنجلایا، تب کہیں جا کر اس نے گانا شروع کیا۔

”آنکھوں کو آنکھوں نے جو سپنا دکھایا ہے
دیکھو کہیں ٹوٹ جائے نا
اتنے زمانوں میں جو لوٹ کے آیا ہے
دل کہیں رُوٹھ جائے نا

چہرے پہ تیرے جو رنگ ہے بہار کا
پچھلی بہاروں میں نہ تھا
لہجے میں بولنے لگا ہے جو خمار سا
کل تک باتوں میں نہ تھا
پل دو پل دل ملنے کی بات ہے
راستے نکل آئیں گے
بیتی ہوئی باتوں کا غبار ڈھل جائے گا
فاصلے سمٹ جائیں گے
آنکھوں کو آنکھوں نے جو سپنا دکھایا ہے
دیکھو کہیں ٹوٹ جائے نا

اتنے زمانوں میں جو لوٹ کے آیا ہے
پھر کہیں رُوٹھ جائے نا“

اُس کی دلکش آواز اور نپا تلا لب ولہجہ ماحول کو پوری طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔

یہ پہلی بار تھا، جب پارس کا دل بہت بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس لئے جب گانا ختم ہوا تو سب کے ساتھ اس نے بھی تالیاں بجا کر اس کی آواز کو سراہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خود کو اندر ہی اندر سمجھا رہی تھی۔ حدید کی یہ ناراضگی بس وقتی بات تھی۔

...☆☆☆...

احمد رضا، مہندی سے کچھ دن پہلے آن پہنچے تھے۔ عفیرہ اور پارس کی خوشی ان کی طمانیت کا باعث بنی تھی۔ آج ان سب کا ارادہ زارا بھابی کی طرف جا کر انجوائے کرنے کا تھا۔ وہ ابو کے لئے چائے بنانے کچن کی طرف آئی تو وہاں حدید کو بوا سے اُلجھتے دیکھ کر دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔ اب اتنی سادگی سے تو وہ تیار نہیں ہوئی تھی کہ بلا جھجک اس کے سامنے چلی جاتی۔ پھر بھی اس مجبوری میں اس نے بوا کی موجودگی کو غنیمت جانا تھا۔ دل کڑا کر کے وہ اندر داخل ہو گئی۔

خوشبو کے دل فریب جھونکے اور چوڑیوں کی مدھم سی کھنکھناہٹ پر حدید نے سرسری انداز میں چہرہ موڑ کر دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اپنے آپ میں مگن یوں چولہا جلا رہی تھی، جیسے اس کی موجودگی سے بالکل لاعلم ہو۔

”میں دوبارہ بنا دیتی ہوں، بائو جی! مجھے تو ایسی ہی چائے بنانی آتی ہے۔ پتہ نہیں، اب آپ کے دوستوں کو کیوں پسند نہیں آئی۔“ بوا بے چاری ہلکان ہو رہی تھی۔ وہ چونکا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔ہاں، رہنے دو۔اور جاکر برتن لے آئو وہاں سے۔" اب کی بار اس کا لہجہ قدرے نرم تھا۔بوا تو شکر کرتی وہاں سے بھاگی تھی۔وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف متوجہ ہوا، جو حد درجہ بے اعتنائی برت رہی تھی۔

پیلے اور سبز کنٹراسٹ، چوڑی دار پاجامے اور خوب صورت گوٹے سے سجی قمیض میں ملبوس لمبے بالوں کی سادہ سی چٹیا گوندھے، دونوں ہاتھوں میں پیلی اور سبز چوڑیاں پہنے وہ اس دنیا جہان کی لڑکیوں سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی، جیسے یہ اس کا ایک بالکل نیا روپ تھا۔حدید نے اسے پہلی بار بنا سنورا دیکھا تھا۔وہ بڑی محویت سے قہوے پر نظریں

جمائے کھڑی تھی۔فریج میں سے دودھ نکالنے کے لئے پلٹی تو حدید کو بت کی مانند ایستادہ پاکر دھڑکنیں تھم سی گئیں۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔"

وہ گڑبڑائی تھی۔

کیسے حسین لوگ تھے، جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں جذب ہوگئے، دل میں سما گئے

اس قدر مہکتا ہوا لہجہ تھا کہ پارس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔اس پر قیامت یہ کہ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔وہ اُس کے مقابل کھڑا ہوگیا۔

"آپ ہٹیں پلیز۔" وہ بہ مشکل بولی۔حدید کا یہ فدویانہ انداز اسے اندر ہی اندر غصہ بھی دلانے لگا تھا۔چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ ہٹ گیا۔

"فون پر تو تمہاری بہادری قابلِ رشک ہوتی ہے۔مزہ تو جب ہے کہ براہِ راست گفتگو کرو۔کچھ اپنی کہو، کچھ

میری سنو۔" اس کے معنی خیز انداز پر پارس اس قدر بے اوسان ہوئی کہ چینی کے کتنے ہی چمچ بھر کے چائے میں ڈال گئی۔اس قدر ڈھیٹ تھا وہ کہ کسی بھی بات کا اثر نہیں لیتا تھا۔

"تمہیں میرا اتنا خیال ہے، یہ جان کر اچھا لگا۔ورنہ میں تو پتہ نہیں تمہیں کہاں ڈھونڈتا رہتا۔" وہ اس کے پاس آکر کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑا ہوگیا۔پارس امتحان میں پڑ گئی۔یہ تو طے تھا کہ وہ اس کی خاموشی سے کسی طور بھی ہارنے والا نہیں تھا۔

"جب ان لوگوں نے کہا کہ تم ان کے ساتھ نہیں آئیں، تو بس، میں تو گیا تھا کام سے۔اور خدانخواستہ اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو پتہ نہیں، میں کیا کر جاتا۔" پارس کی تو ایک جھلک ہی اُسے دیوانہ بنانے کو کافی تھی اور اب تو وہ یوں سجی سنوری اس کے مقابل موجود تھی۔سو وہ حسب عادت رومینٹک ہونے کے موڈ میں تھا اور یہ بات پارس بھی سمجھ رہی تھی۔بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"میں نے آپ کو اس لئے فون کیا تھا کہ آپ خوامخواہ اِدھر اُدھر بھٹکتے نہ پھریں۔"

"ارے اب میں کہاں جائوں گا؟ کہاں بھٹکوں گا؟ ہر راستہ تمہی تک آتا ہے کہ تمہی منزل ہو۔" وہ اس کے انداز کی سنجیدگی کو سمجھے بغیر بڑی فرصت سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے معنی خیزی سے بولا تو وہ قدرے کنفیوژ ہوگئی۔ایسی سچویشن تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔اپنی پیشانی پر چمکتے قطروں کا اسے اچھی طرح علم ہو گیا تھا مگر کیا، کیا جاتا کہ مقابل کے لئے یہ بھی گل و شبنم کا ایک دلفریب اور حسین ملاپ تھا۔

"آپ چائے پئیں گے؟" بہت بے بسی سے پُر انداز میں اس نے پوچھا تھا۔

"اتنی محبت سے پلائو گی تو۔" وہ یقیناً بہت دل جمعی سے مزید کئی گھنٹے تک ڈائیلاگ بازی کر سکتا تھا، مگر پارس میں یہ فلمی اسٹوری سننے کا پارا نہیں تھا۔بیچ ہی میں ٹوک کر قدرے جتانے والے انداز میں بولی۔

"میں ابو کے لئے بنا رہی تھی۔اگر آپ چاہیں تو پی لیں۔"

’’چلو، کوئی بات نہیں۔ کبھی یونہی تم ہر کام میرے لئے کرو گی، وہ بھی محبت کے ساتھ۔‘‘ وہ اسی ملائمت بھرے شرارتی انداز میں بولا تو مگ میں چائے اُنڈیلتے ہوئے ہاتھوں کی لرزش کے باعث چائے چھلک گئی۔

’’آرام سے۔ اتنا گھبراتی کیوں ہو یار؟‘‘ وہ مسکراہٹ لئے بڑی رسانیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس قدر بری سچویشن تھی کہ پارس کا رونے کو جی چاہنے لگا۔

’پتہ نہیں، یہ میری نیچر کیوں نہیں سمجھ جاتے؟ کتنی بار صاف الفاظ میں کہا ہے مگر، کیوں اس کج ادائی سے کام لیتے ہیں؟‘ ’’ویسے جو کچھ تم نے فون پر کہا تھا، وہ اتنی آسانی سے بھلایا جانے والا تو نہیں تھا۔ میں بھی انتقاماً بہت کچھ سوچ رہا تھا، مگر دیکھ لو، تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میرے دل میں تو محبت ہی محبت بھری ہے۔‘‘ وہ اُس کے تاثرات سے بے پرواہ اُسے جتلا رہا تھا۔ پھر قدرے رُک کر شرارت سے گویا ہوا۔

’’سوچتا ہوں کہ ابھی تم اتنی حدود و قیود نافذ کرتی رہتی ہو تو شادی کے بعد تو۔۔۔۔۔۔‘‘

’’حدید! پلیز۔‘‘ وہ بے حد تلخی اور ناگواری سے اُسے ٹوک گئی۔ ’’ابو میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایکسکیوز می۔‘‘ وہ مگ لئے اس کے قریب سے نکلتی چلی گئی۔ جو وہ اُس کے انداز پر بحرِ تحیر میں غرق تھا، اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس کرنے لگا۔ تمام نرم گرم جذبات بھک سے اُڑ گئے۔ بس ذلت اور بے عزتی کا شدید ترین احساس اُسے اپنی لپیٹ میں لے گیا تھا۔ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ مٹھیاں بھینچ کر اس نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

...☆☆☆...

نوید بھائی کی شادی میں فقط تین روز تھے اور حدید نے بھی ساتھ ہی اپنی شادی کا ہنگامہ مچا دیا تھا۔ شدید غصے اور ڈانٹ پھٹکار کے بعد اب دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ بڑے، جنہیں حدید کی یہ ضد ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی اور دوسری ینگ جنریشن تھی، جنہیں ہلچل مچاتا یہ فیصلہ بے حد پسند آیا تھا۔ وہ سب حدید کے ہم نوا بن بیٹھے تھے۔

اور اب وہ احمد رضا اور احسن عباس کے سامنے موجود تھا۔ احمد رضا تو بالکل خاموش بیٹھے تھے، مگر احسن عباس بیٹے کی ضد اور ڈھٹائی پر خاصے تلملا رہے تھے۔

’’ہاں بھئی، اب کیا ارادہ ہے؟‘‘ انہوں نے ہنوز تیوریاں چڑھائی ہوئی تھیں، جبکہ حدید کے چہرے پر ازلی سکون اور اطمینان تھا، جیسے اسے اپنے فیصلے کے صحیح ہونے کا پکا یقین ہو۔ آرام سے بولا۔

’’ابو! میں نے بتایا تو تھا۔‘‘

’’تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری فرمائش کتنی مضحکہ خیز ہے؟‘‘

’’نوید بھائی کی شادی بھی تو ہو رہی ہے۔ کیا آپ صرف میری شادی کو مضحکہ خیز کہہ رہے ہیں؟‘‘ وہ نہ سمجھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

احسن عباس نے اُسے گھورا تھا، پھر جتانے والے انداز میں بولے۔

’’برخوردار! یہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔ تم نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ تمہیں یوں بھگتائے جانے والا کام پسند نہیں ہے۔‘‘

’’مگر اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی بات مان لینی چاہئے تھی۔ اس لئے میں نے وقت پر صحیح فیصلہ کر لیا ہے۔‘‘ وہ بڑی فرماں برداری سے کہہ رہا تھا۔ انہوں نے دانت پیسے تھے۔

’’نالائق! اب وقت گزر چکا ہے۔ آرام سے اس موقع کو گزرنے دو۔ خبردار، جو مزید کوئی بیان جاری کرنے کی کوشش کی تو۔‘‘

’’ابو! یہ میری زندگی کا سوال ہے۔‘‘ اس نے احتجاج کیا تھا۔ مگر انہوں نے درخورِ اعتنا نہیں جانا۔ بے نیازی سے بولے۔

’’میں نے جواب دے دیا ہے۔ جو اس سوال کے لئے یقیناً کافی ہے۔‘‘ وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

"ابو! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ میری شادی ہو گی تو انہی دنوں میں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ایسے شادیاں ہوتی ہیں کیا؟ نہ کسی کی کوئی تیاری ہے اور نہ ہی۔۔۔۔۔۔۔۔"

"دیکھیں، جہیز لینے کا میں قائل نہیں۔ بری یوں بھی ریڈی میڈ ملتی ہے۔ جہاں تک مسئلہ ہو گا، کھانے کا تو میں مہمانوں کو ہوٹل میں ڈنر دے دوں گا۔" وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی، یہ خنّاس تمہارے ذہن میں سما کیسے گیا ہے؟" احسن عباس سخت کبیدہ خاطر ہو رہے تھے۔ پہلے سب کی خواہش تھی کہ اس کی شادی بھی نوید کے ساتھ ہی

نمٹا دی جائے، تب اس نے پتہ نہیں کہاں کہاں سے بہانے لا کر جڑ دیئے تھے اور اب جب کہ سب ٹھنڈے پڑ گئے تھے، وہ پھر سے چنگاری ڈالنے آ موجود ہوا تھا۔

"ابو! اس میں غلط کیا ہے؟ شادی کا کیا ہے، نکاح ہی ہونا ہوتا ہے ناں؟ وہ تو مسجد میں بھی ادا ہو سکتا ہے۔" وہ بڑے اطمینان سے بولا تو ان کا جی چاہا ایک آدھ ہاتھ جڑ ہی دیں۔ انہیں جلتے توے پر بٹھا کر وہ کیسے سکون میں تھا۔"

"حدید! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میں تمہارا کوئی فضول مطالبہ پورا نہیں کر رہا۔" وہ اس کی بے عزتی ہونے کے خیال سے عاری ہو کر غصے سے بولے۔ مگر پل پل اپنی عزت اور انا کا خیال رکھنے والا حدید اس وقت بڑے پُرسکون موڈ میں تھا۔ مجال کیا تھی کہ ماتھے پر شکن بھی آئی ہو۔

"ابو! یہ فضول مطالبہ نہیں۔ منگنی ہو چکی ہے، اب اصولاً شادی ہی ہونا چاہیئے۔"

"کیا میں اس اچانک فیصلے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" احمد رضا اتنی دیر میں پہلی بار لب کشا ہوئے تھے۔ ان کا انداز بے حد سنجیدہ تھا۔

وہ مسکرا دیا، پھر قدرے جھجک کر بولا۔

"آپ میرے دوست ہوتے تو ضرور بتا دیتا۔ آپ ہی انہیں سمجھائیں نا۔ میں وہی فیصلہ کر رہا ہوں، جو یہ لوگ چاہتے تھے۔ پھر بھی یہ سب خفا ہو رہے ہیں۔ جب کہ جانتے بھی ہیں کہ اب میں ایسا چاہ رہا ہوں۔"

احمد رضا کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم ہر فیصلہ غلط وقت پر کرتے ہو۔" احسن عباس نے غصے سے کہا۔

"مگر آپ نے مجھے خود پیش کش کی تھی۔" اس نے احتجاجاً یاد دلایا۔

"وہ پیش کش محدود مدت کے لئے تھی۔ اس لئے اب صبر کرو۔ اس سے تمہیں احساس ہو گا کہ بڑوں کے فیصلے بروقت اور نہایت مناسب ہوتے ہیں۔" وہ اطمینان سے بولے تھے۔

"تو پچھتا رہا ہوں نا۔ احساس ہو تو گیا ہے کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔" وہ جلدی سے بولا۔ اب کی بار احسن عباس کے بولنے سے پہلے ہی احمد رضا بول اُٹھے۔

"ویسے تو مجھے یہ عجلت آمیز انداز پسند نہیں۔ اب تمہاری ضد بھی نظر انداز کی جانے والی نہیں ہے۔"

"لیکن یہ۔۔۔۔۔۔۔۔" احسن عباس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ انہیں روک گئے۔

"بیٹی تو مجھے بیاہنی ہی ہے، احسن! پھر جتنی جلد فرض ادا ہو جائے، اچھا ہی ہے۔" ان کی رسان بھرے لہجے میں کی جانے والی بات پر حدید کا جی چاہا، نعرہ مار کر ان سے لپٹ جائے، مگر اس نے سنجیدہ رہنا ہی مناسب سمجھا۔

"لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگ ہزار باتیں بنائیں گے۔" احسن عباس کے ماتھے پر ہلکی ہلکی شکنیں تھیں۔ انہیں احمد رضا کا حدید کی ضد کے آگے ہار مان جانا بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔

"ابو جی! لوگوں کا کیا ہے۔ انہیں تو بس موقع چاہیئے، دوسروں کی زندگیوں میں دندناتے ہوئے گھسنے کا۔"

اب وہ یوں بول رہا تھا جیسے ان سے تبادلہ خیال کر رہا ہو۔ انہوں نے اسے جھاڑ دیا۔

"تم بکواس بند کرو۔ اگر تم یہ موقع فراہم نہ کرو تو کوئی بھی ہماری باتوں میں دخل اندازی نہ کرے۔"

اس قدر عزت افزائی پر خفیف ہو کر وہ احمد رضا کو دیکھنے لگا، جن کی آنکھوں میں اوہام کی چمک تھی مگر وہ بھی جانتے تھے کہ وہ اکھڑ اور ضدی ہے۔ اس وقت کی ذرا سی نااندیشی انکی بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا سکتی تھی۔

"احسن! ہم اس مسئلے کو اطمینان سے ابھی حل کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا نا کہ شادی ہی کرنی ہے نا۔ بعد میں ہوتی یا اب ہو جائے، ایک ہی بات ہے۔ ویسے بھی میں یہیں اپنا ٹرانسفر کرا رہا ہوں۔ بس تین چار ماہ کی بات ہے۔" وہ یونہی اتنے رسان سے بات نہیں کر رہے تھے۔ حدید کی سرکشی کا اندازہ انہیں بخوبی ہو رہا تھا۔ باپ کے سامنے بھی وہ اتنی تسلی اور سکون سے بات کر رہا تھا، جیسے کہ اپنے کسی دوست سے کرتا ہو گا۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ لوگوں کو سمجھانا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ کس کس کے آگے وضاحتیں دیں گے ہم؟" احسن عباس کے بس میں ہوتا تو وہ ابھی حدید کو اُلٹا لٹکا کر جوتوں سے تواضع کرتے۔ وہ جس قدر سب کا لاڈلا تھا، اسی قدر ضدی اور جذباتی بھی تھا۔ اس کی سرکش طبیعت آئے دن انہیں کسی نہ کسی امتحان میں ڈالے رکھتی تھی۔ مگر اب تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔ ایک جائز بات کو وہ اس قدر ناجائز انداز میں منوا رہا تھا۔

"میرے جہلم میں کون سے رشتے دار بیٹھے ہیں، جو ان گہرائیوں میں پڑیں گے۔ یہاں کا کوئی مسئلہ ہو گا تو مل جل کر نمٹ لیں گے۔ ویسے بھی بچوں کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے۔" احمد رضا پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ بولے تو احسن عباس نے لب بھینچ کر ہلکے سے سر جھٹکا۔

"تھینک یُو انکل!" وہ کھڑا ہوا تو اس کا چہرہ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا۔ احمد رضا کے دل میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ بھی اٹھے، ان کے بازو کھلے تو حدید نے بھی گرم جوشی دکھانے میں سستی نہیں دکھائی۔ اس نے مصافحے کے لئے احسن عباس کے آگے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"گیٹ آؤٹ۔"

وہ اپنی مسکراہٹ دباتا خفیف سے شانے جھٹکتا باہر نکل گیا۔

"یہ لڑکا مجھے یونہی ہرا کر خوش ہوتا ہے۔" انہوں نے پتہ نہیں، احمد رضا کی معلومات میں اضافہ کیا تھا، یا شکایت کی تھی۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیئے۔ در حقیقت وہ اس فیصلے کے بعد خود کو مطمئن محسوس کر رہے تھے۔ انہیں لگ رہا تھا، جیسے انہوں نے نگہت آرا کی روح کو خوش کر دیا ہو۔

ادھر وہ کمرے سے باہر نکلا تو سب کوریڈور میں جمع تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے وکٹری کا نشان بنایا تو سب نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

شام ہی سے اسے بھی وہی عزت اور اہمیت ملنے لگی، جو دولہا ہونے کی حیثیت سے نوید بھائی کو مل رہی تھی۔ اُسے کوئی سروکار نہیں تھا کہ گھر والے، اپنے رشتے داروں کو کس طرح مطمئن کر رہے ہیں۔ اسے تو ابھی صرف فتح کا خمار تھا۔

"بہت خبیث ہو تم۔" زاہد کو حقیقتاً اُس کی خود غرضی نہیں بھائی تھی۔

"جلتے کیوں ہو؟ تمہاری باری بھی آ جائے گی۔" اس نے تھکے ہوئے جسم کو ریلیکس کرنے کے لئے خود کو بستر پر گرا دیا۔ اس کے پچکارنے والے انداز پر زاہد نے دانت کچکچائے تھے۔

"لعنت ہے ایسی باری پر۔"

"بھئی، یہ تو میری لک ہے۔ اور یوں بازی جیتنے کا مزہ ہی اور ہے۔" وہ خیالوں ہی خیالوں میں اپنی سوچ سے خوب محظوظ ہو رہا تھا۔

"چاہے سارا گھر ٹینشن میں مبتلا ہو، مگر تمہیں ہمیشہ اپنی فتح کا جشن، سب کی خواہشات کو تہ و بالا کر کے منانے میں لطف آتا ہے۔" زاہد نے ناگواری سے کہا تو اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

"ابھی تو میری جان! تمہیں معلوم ہی نہیں کہ میں کیا سوچے ہوئے ہوں؟" "شٹ اپ۔" وہ غصے سے بولا۔

"اپنے فضول خیالات اپنے پاس ہی رکھو۔ اب کی بار احسن خالو تمہیں بخشنے والا موڈ نہیں رکھتے۔"

"دیکھی جائے گی۔" اس نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اُڑائی تھی۔ زاہد تاسف سے اُسے دیکھنے لگا۔

"چاہے تم کتنا ہی اچھا کام کیوں نہیں کر رہے، مگر اس میں بھی تمہاری نیت نیک نہیں لگ رہی۔"

اس نے زوردار قہقہہ لگا کر جیسے زاہد کے انداز کو سراہا اور پھر تکیہ سر کے نیچے گھسیٹ کر ٹانگ پر ٹانگ جمائے مسکراتے ہوئے کچھ گنگنانے لگا۔ زاہد گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔

...☆☆☆...

مہندی کی تقریب میں ہی حدید اور پارس کا نکاح بھی ہو گیا۔ اگلے روز نوید بھائی کی بارات تھی، اس کے بعد ولیمے والے روز پارس کو رخصت ہونا تھا۔ اور ساتھ ہی ولیمے کی تقریب بھی منعقد ہونا تھی۔

سب لوگوں کی بارات کے ساتھ جانے کی تیاری زوروں پر تھی۔ عفیرہ اور سیمی مسلسل پارس کے پیچھے پڑی تھیں، جس نے رات سے رو رو کر بخار چڑھا لیا تھا۔ اور اب وہ بارات کے ساتھ جانے سے انکاری تھی۔

"عفی! تنگ مت کرو۔ میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" اس کی متورم آنکھوں کی لالی میں تیرتی نمی ان سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اسے بھی حدید کی جلد بازی پر غصہ آیا تھا، مگر معاملہ بہر حال پسندیدہ ترین اور اکلوتے بہنوئی کا تھا اس لئے جلد ہی وہ اس جھٹکے سے سنبھل گئی تھی۔

"میرے خیال میں اب میں خود تمہیں بازو سے پکڑ کر اٹھاؤں تو بہتر ہو گا۔" سیمی نے اسے گھورا تھا۔ تبھی ممانی جان وہاں آ گئیں۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" انہوں نے بڑی محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

اس نئے رشتے کے بعد تو وہ انہیں اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔ وہ جھجک کر اُٹھ بیٹھی۔

"میری تو یہ بالکل نہیں سن رہی۔ کب سے کہہ رہی ہوں کہ تیار ہو جاؤ، مگر اس پر اثر نہیں ہو رہا۔" عفیرہ غداری پر آمادہ تھی۔

"یہ سب واقعی بہت اچانک ہے۔ مگر میری جان! اب اس معاملے سے اچھی طرح نمٹنا بھی تو ہے نا۔ تم نہیں چلو گی بارات کے ساتھ تو خوامخواہ کی وضاحتیں دینا پڑیں گی۔"

"جی۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے سر جھکا کر کہا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

"اسے کہتے ہیں، ساس کا جادو۔" عفیرہ نے اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے آخر میں اس کی نقل اُتاری تو وہ روہانسی ہو گئی۔

دل کیسے واہموں اور دھڑکنوں کا شکار ہو گیا تھا۔ اس قدر اہم خوشی بھی پھیکی اور بے جان لگ رہی تھی۔ کوئی پوری شان و شوکت سے بیاہ کر لے جاتا ہے تو دل میں ایک بے نیازانہ سی لاپروائی اور مان ہوتا ہے۔ ایک ایک پل کو محسوس کر کے گزارا جاتا ہے۔ اور یہاں وہ اُسے باپ، بہن سے گویا چھین کر لے جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے اس نے شب خون مارا ہو۔ چاہنے کا دعویٰ کرنے والے یونہی کرتے ہیں کیا؟

پوری ایک رات اس نے روتے ہوئے گزاری تھی۔ اب حال یہ تھا کہ حال چھپائے نہیں چھپ رہا تھا۔ متورم آنکھیں اور ان سے جھلکتی لالی اس کی گزری شب کی گریہ وزاری کا فسانہ سنائے دے رہی تھی۔

سیمی نے اسے بہت محنت سے اور دل لگا کر تیار کیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سفید نگوں اور سیاہ ریشم کی کڑھائی سے سجا بلاؤز اور سیاہ ساڑھی اس کے وجود پر اس قدر جچ رہی تھی کہ حد نہیں۔ جبکہ اس نے کتنی ہی بار اس لباس کو ریجیکٹ کیا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ لباس ممانی جان ہی نے بھجوایا تھا۔

"لو، ہو گئی ہماری بنّو تیار۔ اب صرف ایک احتیاط کرنی ہے تمہیں۔" سیمی نے فائنل ٹچز دیتے ہوئے میک اپ ختم کیا تھا۔

'وہ کیا؟" پارس نے کوفت سے اسے دیکھا تھا مگر سیمی سے پہلے ہی اپنے رخساروں پر بلشر پھیرتی عفیرہ نے بات پکڑ لی۔

"وہ یہ کہ اب حدید بھائی کی خود پر نظر نہ پڑنے دینا ورنہ رخصتی بھی آج ہی مانگ لیں گے۔" سیمی نے قہقہہ لگایا، جب کہ اسے پھر رونا آ گیا۔

یہی ایک خفت تو اسے باہر سب میں جانے سے روکے ہوئے تھی۔ اتنا اچانک اسے پکڑ دھکڑ کے نکاح کیا گیا تھا کہ وہ حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔ اس کے بعد کہاں کی مہندی اور کہاں کا فنکشن۔ وہ کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

"بس یہی احتیاط میں بتانا چاہ رہی تھی کہ رونا مت۔" سیمی چلائی تھی۔

"اب رونا آئے گا تو روئوں گی۔" وہ تپ سی گئی۔ بہت چڑ کر بولی۔

"کتنی بد ذوق لڑکی ہے یہ یار! کوئی شخص میرے لئے اتنی بے قراری دکھائے تو میں پٹ سے اس کے قدموں میں گر جائوں اور جان دے دوں۔" سیمی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

کاش، کوئی اتنی بے قراری دکھا ہی دے۔" پارس غصے سے کہتے ہوئے اسٹول پر سے اُٹھی۔ اگلے ہی قدم پر پائوں ساڑھی کی فال سے اُلجھا اور وہ لڑکھڑا کر سیمی کا سہارا لے بیٹھی۔ وہ دونوں بلا تکلف ہنسنے لگیں۔

"میں کہہ بھی رہی تھی کہ مجھے اس نامعقول لباس میں چلنا تک نہیں آتا۔"

"کبھی یہی الفاظ باہر جا کر حدید بھائی سے کہہ دو تو یقین مانو، وہ جناب تمہیں اُٹھا کر گاڑی میں جا بٹھائیں۔" سیمی نے تیزی سے میک اپ کا سامان سمیٹتے ہوئے شرارت سے کہا تو اس کی پیشانی تپ اُٹھی۔

حدید کے اس سارے طرزِ عمل نے اسے کون سا بہت محظوظ کیا تھا جو وہ ان سب کے ذو معنی اور معنی خیز جملوں سے لطف لیتی۔ ابھی تو اس کے احساسات بہت پراگندہ ہو رہے تھے۔ سو اُس کے ہر انداز سے غصہ اور جھنجلاہٹ جھلک رہی تھی۔

"اب اگر تم میں سے کسی نے فضول بکواس کی تو میں نہیں جائوں گی۔"

ثوما نے دروازہ کھولتے ہی سب کے گاڑیوں میں ٹھنس جانے کی خبر دی تھی۔ پھر پارس پر نظر پڑتے ہی اندر آ گئی۔

"ویری پریٹی۔ لگ ہی نہیں رہا کہ یہ وہی فضول سی پارس ہے۔" ثوما کی ستائش کا انداز بھی ایسا تھا کہ اگلا بندہ تلملا اُٹھے اور وہ تو یوں بھی عجیب سے احساسات میں گھری تھی۔ حدید سے متعلق کوئی بھی خوشگوار خیال اُسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اُس کا موڈ دیکھتے ہوئے عفیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی ثوما کو مطلع کر دینا مناسب خیال کیا۔

"بھئی آج چونکہ پارس پہلی بار اتنی خوب صورت لگی ہے، اس لئے اس کا کہنا ہے کہ اس سے کچھ بات نہ کی جائے۔"

"اوہ!" ثوما نے قہقہہ لگایا، پھر شوخی سے بولی۔ "فرض کرو کہ میں حدید ہوں، آہ۔" وہ دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بستر پر گر گئی۔ پارس کی رنگت میں سرخی گھل گئی۔

"میں تم لوگوں کی ذمہ داری پر جا رہی ہوں۔ اگر باہر کسی نے مجھ سے کوئی فضول بات کرنے کی کوشش کی تو پھر دیکھنا۔"

"اوہو۔ اگر اس "کسی" کی وضاحت کر دو تو میں اس سے خود نمٹ لوں گی۔" سیمی نے اسے چھیڑا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔" اس کا انداز سیمی تو حسبِ عادت نظرانداز کر گئی، مگر عفیرہ کو بہت غصہ آیا تھا۔

"پارس! مانا کہ یہ سب بہت اچانک ہے۔ مگر برا یا ناگوار تو نہیں، جو تمہارا موڈ ہی ٹھیک نہیں ہو رہا۔ ایسا ہی روّیہ رکھا تم نے اپنا تو جو باتیں باہر لوگ بنائیں گے، وہ بھی تم جانتی ہو۔ اب ہر ایک کو تو حدید بھائی کی ضد کا قصہ نہیں سنایا جا سکتا نا۔ اور یہ جواب تم ری ایکٹ کر رہی ہو، سب فضول ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی حدید بھائی کو تم سے بات کرنے سے نہیں روک سکتا۔ وہ شوہر ہیں تمہارے۔ کل رخصتی ہو رہی ہے تمہاری۔"

"تم میرے ساتھ بات مت کرو۔" وہ بھی غصے سے لال ہو گئی۔ سیمی نے عفیرہ کو روکا تھا۔

"اِٹس اوکے یار! سب کو پارس کی نیچر کا علم ہے۔" ثوما نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"چلو اب چلیں۔ صرف ہم ہی رہ گئے ہیں پیچھے۔" سیمی نے پارس سے کہا تو وہ پھر سے ٹھنڈی پڑ گئی۔

"مجھے شرم آ رہی ہے، سب کے سامنے جاتے ہوئے۔"

"اور سب سے زیادہ رونا اسے شرم کے مارے ہی آتا ہے۔" عفیرہ نے اس کا مذاق اُڑایا تو وہ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"دیکھو، کوئی تم میں سے میرے ساتھ مذاق مت کرنا۔" وہ باہر نکلتے ہوئے مجبوراً بولی تو ثوما نے سر ہلایا۔

"اوکے، ڈن۔۔۔۔۔۔۔ جن کا حق ہے، وہی کچھ کہہ دیں تو ہم ذمہ دار نہیں۔"

اتنے سارے شور کے باوجود سب ابھی پوری طرح روانگی کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی سب کی پُرستائش نظروں اور آوازوں نے اسے سخت نروس کر دیا۔

"سیمی! میرا ہاتھ تھام کر رکھنا۔ ثوما! پلیز میرے ساتھ ساتھ چلو۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں گر جاؤں گی۔" وہ ساری جذباتیت و غصہ بھولے ہوئے تھی اور وہ تینوں کھی کھی کر رہی تھیں۔

ممانی جان نے اس کی بلائیں لیں تو وہ محجوب سی ان سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور سمن خالہ کا تو بس ہی نہیں چل رہا تھا کہ اسے اٹھا کر آنکھوں میں رکھ لیتیں۔

"خالہ! مجھے بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔" وہ 'ڈر' کہتے کہتے لفظ بدل گئی اور سمن خالہ باقی سب سے شرارت میں کم تو نہیں تھیں، سب کو متوجہ کرتے ہوئے بولیں۔

"میرا خیال ہے کہ اسے حدید کے ساتھ گاڑی میں بٹھائیں تا کہ اس کو یہ عجیب سا لگنا ختم ہو۔"

"خالہ!" اس کی رنگت تمتما اُٹھی۔ اس پر مستزاد سب کی ہنسی اور قہقہے۔ "خالہ! آپ تو بس۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ انہوں نے ہنستے ہوئے اسے شانے سے لگا لیا۔

"حدید! بھئی، اپنا پیس لے جاؤ۔" انہوں نے دُور ہی سے ہاتھ ہلا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے حدید کو آواز دی۔ پارس حواس باختہ ہو گئی۔

"جگہ نہیں ہے میری گاڑی میں۔" موصوف اُدھر سے ہی صفاچٹ جواب دے کر چار بندوں کو لئے دولہا کی گاڑی کے پیچھے نکل لئے۔

"بڑا سیلفش بندہ ہے۔ کام نکل جانے کے بعد اب یوں اکڑ دکھائی جا رہی ہے۔" سمن خالہ، بھتیجے کی حرکت پر تلملا اُٹھیں، جبکہ پارس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

زارا بھابی کے گھر جا کر اسے بھی وہی پروٹوکول ملا، جو کسی نئی نویلی دُلہن کو ملنا چاہئے۔ اور اس سچویشن نے پارس کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ سب اتنی دلچسپی نوید بھائی اور زارا بھابی میں نہیں لے رہے تھے، جتنا کہ پارس اور حدید پر جملے بازی کر کے خوش ہو رہے تھے۔ شاید اس لئے کہ فی الوقت ان کی پوزیشن ہیرو اور ہیروئن جیسی ہو چکی تھی، جسے حدید کی ضد اور بے قراری نے دوام بخشا تھا۔ زارا بھابی اور نوید بھائی کا کپل بے حد شاندار تھا۔ موؤی بن رہی تھی۔ کیمروں کے فلش مسلسل جھماکے کر رہے تھے۔ تبھی ان سب نے حدید

اور پارس کی اکٹھے مووی اور تصاویر کا شور مچادیا اور پارس کے انکار اور التجائوں کو ملحوظِ خاطر نہ رکھتے ہوئے انہوں نے حدید کو اس کے پاس لا کھڑا کیا۔

"یادگار ہوتا ہے یہ سب۔" وہ سب بے حد اصرار کر رہے تھے اور پارس کو یوں لگ رہا تھا، جیسے اب گری کہ تب گری۔ یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ اس نے ابھی تک حسبِ عادت پارس سے کوئی ڈائیلاگ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ بہت بے نیازی اور لاأبالی پن سے سب سے نمٹ رہا تھا۔ البتہ پارس کا جائزہ اس نے سر سے پائوں تک بڑی گہری نظر سے لیا تھا اور اب بھی وہ بڑے آرام سے ان سب کے شوخ و شریر جملوں کا جواب دیتا وقتاً فوقتاً سمن خالہ سے چمٹی کھڑی پارس پر بھی نظر ڈال رہا تھا، جس پر وہ سب ریمارکس پاس کر رہے تھے۔

"چلو بھئی، ایک اچھا سا پوز ہو جائے۔" بڑی اچانک یہ فرمائش صارم نے حدید کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کی تھی۔ جواباً اتنا ہی اچانک حدید نے موڈ بدل کر قہقہہ لگایا۔

"تمہیں کون سا روز روز فرمائش کرنی ہے۔ کیا خیال ہے پھر؟" وہ بات کرتے کرتے یکلخت پارس کی طرف مڑا، جو پہلے ہی نیم جان ہو رہی تھی۔ حدید کی اس قدر فراخ دلی پر تو اس کی جان پر ہی بن گئی تھی۔ اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اب تو لیگل ہو چکے ہیں یار!" وہ شرارت سے ہنسا۔

ساری ینگ پارٹی ان کے گرد آن کھڑی ہوئی۔ سمن خالہ کو وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔ اسٹیج پر اب دولہا دلہن کے ساتھ بڑوں کا مووی سیشن چل رہا تھا اس لئے وہ سب فرصت میں تھے۔

"حدید! مت تنگ کرو اسے۔ کل تصویریں بنوا لینا۔" سیمی کو پارس کی اُڑتی رنگت پر ترس آ گیا مگر اس سچویشن سے لطف اٹھانے والے بھی بہت تھے۔

"کل تو آل ریڈی بننا ہی ہے۔ لطف تو آج کا ہوگا۔"

"بس جی۔" حدید کو چیلنجنگ موڈ میں آتے کون سا دیر لگتی تھی۔

"چلو، آج قسم توڑ ہی دو۔ ایک اچھی سی تصویر بنوا لیں۔" حدید نے یوں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، جیسے وہ مان ہی جائے گی۔ پارس حیا آمیز خوف میں گھری تھی۔ وہ بے باک، کوئی بھی شرارت کر سکتا تھا اور اتنے سارے لوگوں کے بیچ ہنسی اُڑوانا پارس کو منظور نہیں تھا۔ اس نے بے حد بے چارگی سے حدید کو دیکھا۔ وہ ہونٹوں پر شرارت آمیز سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں شوخ سی چمک لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

یاخدایا! انہیں میری پیشانی پر چمکتا پسینہ کیوں نہیں دکھائی دے رہا؟ وہ پارس سے خفا تھا مگر اب جب کہ وہ یوں اس کے نام ہونے کے بعد سامنے آئی تھی تو تمام جذبات یکسر خاکستر ہو گئے۔ سارا غصہ دب گیا۔ اب فقط پارس کا ہاتھ تھامنے کی دیر تھی اور وہ سب کچھ بھول جانے والا تھا۔

مگر اگلے لمحے نے حدید کے مسکراتے ہونٹوں کو سکیڑ دیا۔ وہ سیمی سے ہاتھ چھڑا کر پلٹی اور تقریباً بھاگتی ہوئی سمن خالہ کی طرف چلی گئی۔

"اوہو۔ کچی ہو گئی۔ لیلیٰ بھاگ گئی بھئی۔"

قہقہے پڑ رہے تھے۔

"یہ مشرقی ادا ہے، ڈفرز! سب سے جدا، یونیک۔" زاہد نے ہمیشہ کی طرح پارس کی حمایت کی تھی۔ وہ حدید کا موڈ بھانپ چکا تھا، جو لب بھینچے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا۔ بظاہر اطمینان سے مگر جس بری طرح وہ سلگ رہا تھا، زاہد سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

...☆☆☆...

دُلہن بن کر اس پر بہت روپ آیا تھا۔ اس نے سب کی بے پناہ ستائش پائی تھی اور یہ ان سب کی معنی خیز باتوں اور چھیڑ چھاڑ ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کے دل میں بھی خواہش جاگ اُٹھی، اس ساحر کی زبانی یہ سب سننے کی، جو لفظوں کی جادو گری کا فن جانتا تھا۔ جو ہر پل اپنے جذبوں کو خوب صورت لفظوں کا روپ دینے کو تیار رہتا تھا۔

حدید نے منہ دکھائی میں اُسے خوب صورت سالاکٹ پہنایا تھا۔ اُس کی سانسیں تھم سی گئی تھیں۔ وہ سائیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

"جا کر ڈریس چینج کر آئو۔"

نہ کوئی خوب صورت لفظ، نہ پُر ستائش نظر۔ اتنا سپاٹ سا انداز، جیسے وہ کسی اجنبی لڑکی سے بات کر رہا ہو۔ اُس کی بے یقین نظروں سے بے نیاز وہ یوں اپنی رِسٹ واچ اُتارنے

چہرے پہ تیرے جو رنگ ہے بہار کا
پچھلی بہاروں میں نہ تھا
لہجے میں بولنے لگا ہے جو خمار سا
کل تک باتوں میں نہ تھا
پل دو پل دل ملنے کی بات ہے
راستے نکل آئیں گے
بیتی ہوئی باتوں کا غبار دُھل جائے گا
فاصلے سمٹ جائیں گے

آنکھوں کو آنکھوں نے جو سپنا دکھایا ہے
دیکھو کہیں ٹوٹ جائے نا
اتنے زمانوں میں جو لوٹ کے آیا ہے
پھر کہیں رُوٹھ جائے نا"

اُس کی دلکش آواز اور نپا تلا لب و لہجہ ماحول کو پوری طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔

یہ پہلی بار تھا، جب پارس کا دل بہت بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس لئے جب گانا ختم ہوا تو سب کے ساتھ اس نے بھی تالیاں بجا کر اس کی آواز کو سراہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خود کو اندر ہی اندر سمجھا رہی تھی۔ حدید کی یہ ناراضگی بس وقتی بات تھی۔

...☆☆☆...

احمد رضا، مہندی سے کچھ دن پہلے آن پہنچے تھے۔ عفیرہ اور پارس کی خوشی ان کی طمانیت کا باعث بنی تھی۔ آج ان سب کا ارادہ زارا بھابی کی طرف جا کر انجوائے کرنے کا تھا۔ وہ ابو کے لئے چائے بنانے کچن کی طرف آئی تو وہاں حدید کو بوا سے اُلجھتے دیکھ کر دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔ اب اتنی سادگی سے تو وہ تیار نہیں ہوئی تھی کہ بلا جھجک اس کے سامنے چلی جاتی۔ پھر بھی اس مجبوری میں اس نے بوا کی موجودگی کو غنیمت جانا تھا۔ دل کڑا کر کے وہ اندر داخل ہو گئی۔

خوشبو کے دل فریب جھونکے اور چوڑیوں کی مدھم سی کھنکھناہٹ پر حدید نے سرسری انداز میں چہرہ موڑ کر دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اپنے آپ میں مگن یوں چولہا جلا رہی تھی، جیسے اس کی موجودگی سے بالکل لاعلم ہو۔

"میں دوبارہ بنا دیتی ہوں، بائو جی! مجھے تو ایسی ہی چائے بنانی آتی ہے۔ پتہ نہیں، اب آپ کے دوستوں کو کیوں پسند نہیں آئی۔" بوا بے چاری ہلکان ہو رہی تھی۔ وہ چونکا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔ہاں، رہنے دو۔ اور جاکر برتن لے آئو وہاں سے۔" اب کی بار اس کا لہجہ قدرے نرم تھا۔ بوا تو شکر کرتی وہاں سے بھاگی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف متوجہ ہوا، جو حد درجہ بے اعتنائی برت رہی تھی۔

پیلے اور سبز کنٹراسٹ، چوڑی دار پاجامے اور خوب صورت گوٹے سے سجی قمیض میں ملبوس لمبے بالوں کی سادہ سی چٹیا گوندھے، دونوں ہاتھوں میں پیلی اور سبز چوڑیاں پہنے وہ اس دنیا جہان کی لڑکیوں سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی، جیسے یہ اس کا ایک بالکل نیا روپ تھا۔ حدید نے اسے پہلی بار بنا سنورا دیکھا تھا۔ وہ بڑی محویت سے قہوے پر نظریں

جمائے کھڑی تھی۔ فریج میں سے دودھ نکالنے کے لئے پلٹی تو حدید کو بت کی مانند ایستادہ پا کر دھڑکنیں تھم سی گئیں۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔"

وہ گڑبڑائی تھی۔

کیسے حسین لوگ تھے، جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں جذب ہو گئے، دل میں سما گئے

اس قدر مہکتا ہوا لہجہ تھا کہ پارس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ اس پر قیامت یہ کہ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اُس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"آپ ہٹیں پلیز۔" وہ بہ مشکل بولی۔ حدید کا یہ فدویانہ انداز اسے اندر ہی اندر غصہ بھی دلانے لگا تھا۔ چند

لمحوں تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ ہٹ گیا۔

"فون پر تو تمہاری بہادری قابل رشک ہوتی ہے۔ مزہ تو جب ہے کہ براہِ راست گفتگو کرو۔ کچھ اپنی کہو، کچھ میری سنو۔" اس کے معنی خیز انداز پر پارس اس قدر بے اوسان ہوئی کہ چینی کے کتنے ہی چمچ بھر کے چائے میں ڈال گئی۔ اس قدر ڈھیٹ تھا وہ کہ کسی بھی بات کا اثر نہیں لیتا تھا۔

"تمہیں میرا اتنا خیال ہے، یہ جان کر اچھا لگا۔ ورنہ میں تو پتہ نہیں تمہیں کہاں ڈھونڈتا رہتا۔" وہ اس کے پاس آکر کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔ پارس امتحان میں پڑ گئی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ اس کی خاموشی سے کسی طور بھی ہارنے والا نہیں تھا۔

"جب ان لوگوں نے کہا کہ تم ان کے ساتھ نہیں آئیں، تو بس، میں تو گیا تھا کام سے۔ اور خدانخواستہ اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو پتہ نہیں، میں کیا کر جاتا۔" پارس کی تو ایک جھلک ہی اُسے دیوانہ بنانے کو کافی تھی اور اب تو وہ یوں سجی سنوری اس کے مقابل موجود تھی۔ سو وہ حسب عادت رومینٹک ہونے کے موڈ میں تھا اور یہ بات پارس بھی سمجھ رہی تھی۔ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"میں نے آپ کو اس لئے فون کیا تھا کہ آپ خوامخواہ اِدھر اُدھر بھٹکتے نہ پھریں۔"

"ارے اب میں کہاں جائوں گا؟ کہاں بھٹکوں گا؟ ہر راستہ تمہی تک آتا ہے کہ تمہی منزل ہو۔" وہ اس کے انداز کی سنجیدگی کو سمجھے بغیر بڑی فرصت سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے معنی خیزی سے بولا تو وہ قدرے کنفیوژ ہو گئی۔ ایسی سچویشن تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔ اپنی پیشانی پر چمکتے قطروں کا اسے اچھی طرح علم ہو گیا تھا مگر کیا، کیا جاتا کہ مقابل کے لئے یہ بھی گل و شبنم کا ایک دلفریب اور حسین ملاپ تھا۔

"آپ چائے پئیں گے؟" بہت بے بسی سے پُر انداز میں اس نے پوچھا تھا۔

"اتنی محبت سے پلائو گی تو۔" وہ یقیناً بہت دل جمعی سے مزید کئی گھنٹے تک ڈائیلاگ بازی کر سکتا تھا، مگر پارس

میں یہ فلمی اسٹوری سننے کا یارا نہیں تھا۔ بیچ ہی میں ٹوک کر قدرے جتانے والے انداز میں بولی۔

''میں ابو کے لئے بنا رہی تھی۔ اگر آپ چاہیں تو پی لیں۔''

''چلو، کوئی بات نہیں۔ کبھی یونہی تم ہر کام میرے لئے کرو گی، وہ بھی محبت کے ساتھ۔'' وہ اسی ملائمت بھرے شرارتی انداز میں بولا تو مگ میں چائے اُنڈیلتے ہوئے ہاتھوں کی لرزش کے باعث چائے چھلک گئی۔

''آرام سے۔ اتنا گھبراتی کیوں ہو یار؟'' وہ مسکراہٹ لئے بڑی رسانیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس قدر بری سچویشن تھی کہ پارس کا رونے کو جی چاہنے لگا۔

'پتہ نہیں، یہ میری نیچر کیوں نہیں سمجھ جاتے؟ کتنی بار صاف الفاظ میں کہا ہے مگر، کیوں اس کج ادائی سے کام لیتے ہیں؟' ویسے جو کچھ تم نے فون پر کہا تھا، وہ اتنی آسانی سے بھلایا جانے والا تو نہیں تھا۔ میں بھی انتقاماً بہت کچھ سوچ رہا تھا، مگر دیکھ لو، تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میرے دل میں تو محبت ہی محبت بھری ہے۔'' وہ اُس کے تاثرات سے بے پرواہ اُسے جتلا رہا تھا۔ پھر قدرے رُک کر شرارت سے گویا ہوا۔

''سوچتا ہوں کہ ابھی تم اتنی حدود و قیود نافذ کرتی رہتی ہو تو شادی کے بعد تو۔۔۔۔۔۔۔''

''حدید! پلیز۔'' وہ بے حد تلخی اور ناگواری سے اُسے ٹوک گئی۔ ''ابو میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایکسکیوز می۔'' وہ مگ لئے اس کے قریب سے نکلتی چلی گئی۔ جو وہ اُس کے انداز پر بحرِ تحیر میں غرق تھا، اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس کرنے لگا۔ تمام نرم گرم جذبات بھک سے اُڑ گئے۔ بس ذلت اور بے عزتی کا شدید ترین احساس اُسے اپنی لپیٹ میں لے گیا تھا۔ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ مٹھیاں بھینچ کر اس نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کی تھی۔

...☆☆☆...

نوید بھائی کی شادی میں فقط تین روز تھے اور حدید نے بھی ساتھ ہی اپنی شادی کا ہنگامہ مچا دیا تھا۔ شدید غصے اور

ڈانٹ پھٹکار کے بعد اب دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ بڑے، جنہیں حدید کی یہ ضد ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی اور دوسری ینگ جنریشن تھی، جنہیں ہلچل مچاتا یہ فیصلہ بے حد پسند آیا تھا۔ وہ سب حدید کے ہم نوا بن بیٹھے تھے۔ اور اب وہ احمد رضا اور احسن عباس کے سامنے موجود تھا۔ احمد رضا تو بالکل خاموش بیٹھے تھے، مگر احسن عباس بیٹے کی ضد اور ڈھٹائی پر خاصے تلملا رہے تھے۔

''ہاں بھئی، اب کیا ارادہ ہے؟'' انہوں نے ہنوز تیوریاں چڑھائی ہوئی تھیں، جبکہ حدید کے چہرے پر ازلی سکون اور اطمینان تھا، جیسے اسے اپنے فیصلے کے صحیح ہونے کا پکا یقین ہو۔ آرام سے بولا۔

''ابو! میں نے بتایا تو تھا۔''

''تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری فرمائش کتنی مضحکہ خیز ہے؟''

''نوید بھائی کی شادی بھی تو ہو رہی ہے۔ کیا آپ صرف میری شادی کو مضحکہ خیز کہہ رہے ہیں؟'' وہ نہ سمجھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

احسن عباس نے اُسے گھورا تھا، پھر جتانے والے انداز میں بولے۔

''برخوردار! یہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔ تم نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ تمہیں یوں بھگتائے جانے والا کام پسند نہیں ہے۔''

''مگر اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی بات مان لینی چاہئے تھی۔ اس لئے میں نے وقت پر صحیح فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ بڑی فرماں برداری سے کہہ رہا تھا۔ انہوں نے دانت پیسے تھے۔

''نالائق! اب وقت گزر چکا ہے۔ آرام سے اس موقع کو گزرنے دو۔ خبردار، جو مزید کوئی بیان جاری کرنے کی کوشش کی تو۔''

''ابو! یہ میری زندگی کا سوال ہے۔'' اس نے احتجاج کیا تھا۔ مگر انہوں نے درخورِ اعتنا نہیں جانا۔ بے نیازی

سے بولے۔

''میں نے جواب دے دیا ہے۔ جو اس سوال کے لئے یقیناً کافی ہے۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

''ابو! یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ میری شادی ہوگی تو انہی دنوں میں۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ایسے شادیاں ہوتی ہیں کیا؟ نہ کسی کی کوئی تیاری ہے اور نہ ہی۔۔۔۔۔۔۔''

''دیکھیں، جہیز لینے کا میں قائل نہیں۔ بری یوں بھی ریڈی میڈ ملتی ہے۔ جہاں تک مسئلہ ہوگا، کھانے کا تو میں مہمانوں کو ہوٹل میں ڈنر دے دوں گا۔'' وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہی، یہ خنّاس تمہارے ذہن میں سما کیسے گیا ہے؟'' احسن عباس سخت کبیدہ خاطر ہو رہے تھے۔ پہلے سب کی خواہش تھی کہ اس کی شادی بھی نوید کے ساتھ ہی

نمٹادی جائے، تب اس نے پتہ نہیں کہاں کہاں سے بہانے لا کر جڑ دیئے تھے اور اب جب کہ سب ٹھنڈے پڑ گئے تھے، وہ پھر سے چنگاری ڈالنے آموجود ہوا تھا۔

''ابو! اس میں غلط کیا ہے؟ شادی کا کیا ہے، نکاح ہی ہونا ہوتا ہے ناں؟ وہ تو مسجد میں بھی ادا ہو سکتا ہے۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولا تو ان کا جی چاہا ایک آدھ ہاتھ جڑ ہی دیں۔ انہیں جلتے توے پر بٹھا کر وہ کیسے سکون میں تھا۔

''حدید! دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میں تمہارا کوئی فضول مطالبہ پورا نہیں کر رہا۔'' وہ اس کی بے عزتی ہونے کے خیال سے عاری ہو کر غصے سے بولے۔ مگر پل پل اپنی عزت اور انا کا خیال رکھنے والا حدید اس وقت بڑے پُرسکون موڈ میں تھا۔ مجال کیا تھی کہ ماتھے پر شکن بھی آئی ہو۔

''ابو! یہ فضول مطالبہ نہیں۔ منگنی ہو چکی ہے، اب اصولاً شادی ہی ہونا چاہئے۔''

''کیا میں اس اچانک فیصلے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' احمد رضا اتنی دیر میں پہلی بار لب کشا ہوئے تھے۔ ان کا انداز بے حد سنجیدہ تھا۔

وہ مسکرا دیا، پھر قدرے جھجک کر بولا۔

''آپ میرے دوست ہوتے تو ضرور بتا دیتا۔ آپ ہی انہیں سمجھائیں نا۔ میں وہی فیصلہ کر رہا ہوں، جو یہ لوگ چاہتے تھے۔ پھر بھی یہ سب خفا ہو رہے ہیں۔ جب کہ جانتے بھی ہیں کہ اب میں ایسا چاہ رہا ہوں۔''

احمد رضا کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تم ہر فیصلہ غلط وقت پر کرتے ہو۔'' احسن عباس نے غصے سے کہا۔

''مگر آپ نے مجھے خود پیش کش کی تھی۔'' اس نے احتجاجاً یاد دلایا۔

''وہ پیش کش محدود مدت کے لئے تھی۔ اس لئے اب صبر کرو۔ اس سے تمہیں احساس ہوگا کہ بڑوں کے فیصلے بروقت اور نہایت مناسب ہوتے ہیں۔'' وہ اطمینان سے بولے تھے۔

''تو پچھتا رہا ہوں نا۔ احساس ہو تو گیا ہے کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ اب کی بار احسن عباس کے بولنے سے پہلے ہی احمد رضا بول اُٹھے۔

''ویسے تو مجھے یہ عجلت آمیز انداز پسند نہیں۔ اب تمہاری ضد بھی نظر انداز کی جانے والی نہیں ہے۔''

''لیکن یہ۔۔۔۔۔۔۔'' احسن عباس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ انہیں روک گئے۔

''بیٹی تو مجھے بیاہنی ہی ہے، احسن! پھر جتنی جلد فرض ادا ہو جائے، اچھا ہی ہے۔'' ان کی رسان بھرے لہجے میں کی جانے والی بات پر حدید کا جی چاہا، نعرہ مار کر ان سے لپٹ جائے، مگر اس نے سنجیدہ رہنا ہی مناسب سمجھا۔

''لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگ ہزار باتیں بنائیں گے۔'' احسن عباس کے ماتھے پر ہلکی ہلکی شکنیں تھیں۔ انہیں احمد رضا کا حدید کی ضد کے آگے ہار مان جانا بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔

''ابو جی! لوگوں کا کیا ہے۔ انہیں تو بس موقع چاہئے، دوسروں کی زندگیوں میں دندناتے ہوئے گھسنے کا۔'' اب وہ یوں بول رہا تھا جیسے ان سے تبادلہ خیال کر رہا ہو۔ انہوں نے اسے جھاڑ دیا۔

"تم بکواس بند کرو۔ اگر تم یہ موقع فراہم نہ کرو تو کوئی بھی ہماری باتوں میں دخل اندازی نہ کرے۔"

اس قدر عزت افزائی پر خفیف ہو کر وہ احمد رضا کو دیکھنے لگا، جن کی آنکھوں میں اوہام کی چمک تھی مگر وہ بھی جانتے تھے کہ وہ اکھڑ اور ضدی ہے۔ اس وقت کی ذرا سی نااندیشی ان

"وہ کیا؟" پارس نے کوفت سے اسے دیکھا تھا مگر سیمی سے پہلے ہی اپنے رخساروں پر بلشر پھیرتی عفیرہ نے بات پکڑ لی۔

"وہ یہ کہ اب حدید بھائی کی خود پر نظر نہ پڑنے دینا ورنہ رخصتی بھی آج ہی مانگ لیں گے۔" سیمی نے قہقہہ لگایا، جب کہ اسے پھر رونا آ گیا۔

یہی ایک خفت تو اسے باہر سب میں جانے سے روکے ہوئے تھی۔ اتنا اچانک اسے پکڑ دھکڑ کے نکاح کیا گیا تھا کہ وہ حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔ اس کے بعد کہاں کی مہندی اور کہاں کا فنکشن۔ وہ کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

"بس یہی احتیاط میں بتانا چاہ رہی تھی کہ رونا مت۔" سیمی چلائی تھی۔

"اب رونا آئے گا تو روئوں گی۔" وہ تپ سی گئی۔ بہت چڑ کر بولی۔

"کتنی بدذوق لڑکی ہے یہ یار! کوئی شخص میرے لئے اتنی بے قراری دکھائے تو میں پٹ سے اس کے قدموں میں گر جائوں اور جان دے دوں۔" سیمی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

کاش، کوئی اتنی بے قراری دکھا ہی دے۔" پارس غصے سے کہتے ہوئے اسٹول پر سے اُٹھی۔ اگلے ہی قدم پر پائوں ساڑھی کی فال سے اُلجھا اور وہ لڑکھڑا کر سیمی کا سہارا لے بیٹھی۔ وہ دونوں بلا تکلف ہنسنے لگیں۔

"میں کہہ بھی رہی تھی کہ مجھے اس نامعقول لباس میں چلنا تک نہیں آتا۔"

"کبھی یہی الفاظ باہر جا کر حدید بھائی سے کہہ دو تو یقین مانو، وہ جناب تمہیں اُٹھا کر گاڑی میں جا بٹھائیں۔"

سیمی نے تیزی سے میک اپ کا سامان سمیٹتے ہوئے شرارت سے کہا تو اس کی پیشانی تپ اُٹھی۔

حدید کے اس سارے طرزِ عمل نے اسے کون سا بہت محظوظ کیا تھا جو وہ ان سب کے ذومعنی اور معنی خیز جملوں سے لطف لیتی۔ ابھی تو اس کے احساسات بہت پراگندہ ہو رہے تھے۔ سو اُس کے ہر انداز سے غصہ اور جھنجلاہٹ جھلک رہی تھی۔

"اب اگر تم میں سے کسی نے فضول بکواس کی تو میں نہیں جائوں گی۔"

ثوما نے دروازہ کھولتے ہی سب کے گاڑیوں میں ٹھنس جانے کی خبر دی تھی۔ پھر پارس پر نظر پڑتے ہی اندر آ گئی۔

"ویری پریٹی۔ لگ ہی نہیں رہا کہ یہ وہی فضول سی پارس ہے۔" ثوما کی ستائش کا انداز بھی ایسا تھا کہ اگلا بندہ تلملا اُٹھے اور وہ تو یوں بھی عجیب سے احساسات میں گھری تھی۔ حدید سے متعلق کوئی بھی خوشگوار خیال اُسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اُس کا موڈ دیکھتے ہوئے عفیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی ثوما کو مطلع کر دینا مناسب خیال کیا۔

"بھئی آج چونکہ پارس پہلی بار اتنی خوب صورت لگی ہے، اس لئے اس کا کہنا ہے کہ اس سے کچھ بات نہ کی جائے۔"

"اوہ!" ثوما نے قہقہہ لگایا، پھر شوخی سے بولی۔ "فرض کرو کہ میں حدید ہوں، آہ۔" وہ دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بستر پر گر گئی۔ پارس کی رنگت میں سرخی گھل گئی۔

"میں تم لوگوں کی ذمہ داری پر جا رہی ہوں۔ اگر باہر کسی نے مجھ سے کوئی فضول بات کرنے کی کوشش کی تو پھر دیکھنا۔"

"اوہو۔ اگر اس "کسی" کی وضاحت کر دو تو میں اس سے خود نمٹ لوں گی۔" سیمی نے اسے چھیڑا تو وہ

نا گواری سے بولی۔

''میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔'' اس کا انداز سیمی تو حسبِ عادت نظرانداز کر گئی، مگر عفیرہ کو بہت غصہ آیا تھا۔

''پارس! مانا کہ یہ سب بہت اچانک ہے۔ مگر برا یا ناگوار تو نہیں، جو تمہارا موڈ ہی ٹھیک نہیں ہو رہا۔ ایسا ہی روّیہ رکھا تم نے اپنا تو جو باتیں باہر لوگ بنائیں گے، وہ بھی تم جانتی ہو۔ اب ہر ایک کو تو حدید بھائی کی ضد کا قصہ نہیں سنایا جا سکتا نا۔ اور یہ جواب تم ری ایکٹ کر رہی ہو، سب فضول ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی حدید بھائی کو تم سے بات کرنے سے نہیں روک سکتا۔ وہ شوہر ہیں تمہارے۔ کل رخصتی ہو رہی ہے تمہاری۔''

''تم میرے ساتھ بات مت کرو۔'' وہ بھی غصے سے لال ہو گئی۔ سیمی نے عفیرہ کو روکا تھا۔

''اِٹس اوکے یار! سب کو پارس کی نیچر کا علم ہے۔'' ثوما نے لاپروائی سے کہا تھا۔

''چلو اب چلیں۔ صرف ہم ہی رہ گئے ہیں پیچھے۔'' سیمی نے پارس سے کہا تو وہ پھر سے ٹھنڈی پڑ گئی۔

''مجھے شرم آ رہی ہے، سب کے سامنے جاتے ہوئے۔''

''اور سب سے زیادہ رونا اسے شرم کے مارے ہی آتا ہے۔'' عفیرہ نے اس کا مذاق اُڑایا تو وہ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''دیکھو، کوئی تم میں سے میرے ساتھ مذاق مت کرنا۔'' وہ باہر نکلتے ہوئے مجبوراً بولی تو ثوما نے سر ہلایا۔

''اوکے، ڈن۔۔۔۔۔۔۔ جن کا حق ہے، وہی کچھ کہہ دیں تو ہم ذمہ دار نہیں۔''

اتنے سارے شور کے باوجود سب ابھی پوری طرح روانگی کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی سب کی پُرستائش نظروں اور آوازوں نے اسے سخت نروس کر دیا۔

''سیمی! میرا ہاتھ تھام کر رکھنا۔ ثوما! پلیز میرے ساتھ ساتھ چلو۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں گر جاؤں گی۔'' وہ

ساری جذباتیت و غصہ بھولے ہوئے تھی اور وہ تینوں کھی کھی کر رہی تھیں۔

ممانی جان نے اس کی بلائیں لیں تو وہ محجوب سی ان سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور سمن خالہ کا تو بس ہی نہیں چل رہا تھا کہ اسے اٹھا کر آنکھوں میں رکھ لیتیں۔

''خالہ! مجھے بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔'' وہ 'ڈر' کہتے کہتے لفظ بدل گئی اور سمن خالہ باقی سب سے شرارت میں کم تو نہیں تھیں، سب کو متوجہ کرتے ہوئے بولیں۔

''میرا خیال ہے کہ اسے حدید کے ساتھ گاڑی میں بٹھائیں تاکہ اس کو یہ عجیب سا لگنا ختم ہو۔''

''خالہ!'' اس کی رنگت تمتما اُٹھی۔ اس پر مستزاد سب کی ہنسی اور قہقہے۔ ''خالہ! آپ تو بس۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ انہوں نے ہنستے ہوئے اسے شانے سے لگا لیا۔

''حدید! بھئی، اپنا پیس لے جاؤ۔'' انہوں نے دُور ہی سے ہاتھ ہلا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے حدید کو آواز دی۔ پارس حواس باختہ ہو گئی۔

''جگہ نہیں ہے میری گاڑی میں۔'' موصوف اُدھر سے ہی صفاچٹ جواب دے کر چار بندوں کو لئے دولہا کی گاڑی کے پیچھے نکل لئے۔

''بڑا سیلفش بندہ ہے۔ کام نکل جانے کے بعد اب یوں اکڑ دکھائی جا رہی ہے۔'' سمن خالہ، بھتیجے کی حرکت پر تلملا اُٹھیں، جبکہ پارس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

زارا بھابی کے گھر جا کر اسے بھی وہی پروٹوکول ملا، جو کسی نئی نویلی دُلہن کو ملنا چاہئے۔ اور اس سچویشن نے پارس کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ سب اتنی دلچسپی نوید بھائی اور زارا بھابی میں نہیں لے رہے تھے، جتنا کہ پارس اور حدید پر جملے بازی کر کے خوش ہو رہے تھے۔ شاید اس لئے کہ فی الوقت ان کی پوزیشن ہیرو اور ہیروئن جیسی ہو چکی تھی، جسے حدید کی ضد اور بے قراری نے دوام بخشا تھا۔ زارا بھابی اور نوید بھائی کا کپل بے

حد شاندار تھا۔ مووی بن رہی تھی۔ کیمروں کے فلش مسلسل جھماکے کر رہے تھے۔ تبھی ان سب نے حدید اور پارس کی اکٹھے مووی اور تصاویر کا شور مچا دیا اور پارس کے انکار اور التجائوں کو ملحوظِ خاطر نہ رکھتے ہوئے انہوں نے حدید کو اس کے پاس لا کھڑا کیا۔

"یادگار ہوتا ہے یہ سب۔" وہ سب بے حد اصرار کر رہے تھے اور پارس کو یوں لگ رہا تھا، جیسے اب گری کہ تب گری۔ یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ اس نے ابھی تک حسبِ عادت پارس سے کوئی ڈائیلاگ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ بہت بے نیازی اور لاأُبالی پن سے سب سے نمٹ رہا تھا۔ البتہ پارس کا جائزہ اس نے سر سے پائوں تک بڑی گہری نظر سے لیا تھا اور اب بھی وہ بڑے آرام سے ان سب کے شوخ و شریر جملوں کا جواب دیتا وقتاً فوقتاً سمن خالہ سے چمٹی کھڑی پارس پر بھی نظر ڈال رہا تھا، جس پر وہ سب ریمارکس پاس کر رہے تھے۔

"چلو بھئی، ایک اچھا سا پوز ہو جائے۔" بڑی اچانک یہ فرمائش صارم نے حدید کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کی تھی۔ جواباً اتنا ہی اچانک حدید نے موڈ بدل کر قہقہہ لگایا۔

"تمہیں کون سا روز روز فرمائش کرنی ہے۔ کیا خیال ہے پھر؟" وہ بات کرتے کرتے یکلخت پارس کی طرف مڑا، جو پہلے ہی نیم جان ہو رہی تھی۔ حدید کی اس قدر فراخ دلی پر تو اس کی جان پر ہی بن گئی تھی۔ اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اب تو لیگل ہو چکے ہیں یار!" وہ شرارت سے ہنسا۔

ساری ینگ پارٹی ان کے گرد آن کھڑی ہوئی۔ سمن خالہ کو وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔ اسٹیج پر اب دولہا دلہن کے ساتھ بڑوں کا مووی سیشن چل رہا تھا اس لئے وہ سب فرصت میں تھے۔

"حدید! مت تنگ کرو اسے۔ کل تصویریں بنوا لینا۔" سیمی کو پارس کی اُڑتی رنگت پر ترس آ گیا مگر اس سچویشن سے

لطف اٹھانے والے بھی بہت تھے۔

"کل تو آل ریڈی بننا ہی ہے۔ لطف تو آج کا ہو گا۔"

"بس جی۔" حدید کو چیلنجنگ موڈ میں آتے کون سا دیر لگتی تھی۔

"چلو، آج قسم توڑ ہی دو۔ ایک اچھی سی تصویر بنوا لیں۔" حدید نے یوں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، جیسے وہ مان ہی جائے گی۔ پارس حیا آمیز خوف میں گھری تھی۔ وہ بے باک، کوئی بھی شرارت کر سکتا تھا اور اتنے سارے لوگوں کے بیچ ہنسی اُڑوانا پارس کو منظور نہیں تھا۔ اس نے بے حد بے چارگی سے حدید کو دیکھا۔ وہ ہونٹوں پر شرارت آمیز سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں شوخ سی چمک لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

یا خدایا! انہیں میری پیشانی پر چمکتا پسینہ کیوں نہیں دکھائی دے رہا؟ وہ پارس سے خفا تھا مگر اب جب کہ وہ یوں اس کے نام ہونے کے بعد سامنے آئی تھی تو تمام جذبات یکسر خاکستر ہو گئے۔ سارا غصہ دب گیا۔ اب فقط پارس کا ہاتھ تھامنے کی دیر تھی اور وہ سب کچھ بھول جانے والا تھا۔

مگر اگلے لمحے نے حدید کے مسکراتے ہونٹوں کو سکیڑ دیا۔ وہ سیمی سے ہاتھ چھڑا کر پلٹی اور تقریباً بھاگتی ہوئی سمن خالہ کی طرف چلی گئی۔

"اوہو۔ کچی ہو گئی۔ لیلیٰ بھاگ گئی بھئی۔"

قہقہے پڑ رہے تھے۔

"یہ مشرقی ادا ہے، ڈفرز! سب سے جدا، یونیک۔" زاہد نے ہمیشہ کی طرح پارس کی حمایت کی تھی۔ وہ حدید کا موڈ بھانپ چکا تھا، جو لب بھینچے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا۔ بظاہر اطمینان سے مگر جس بری طرح وہ سلگ رہا تھا، زاہد سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

...☆☆☆...

ڈلہن بن کر اس پر بہت روپ آیا تھا۔ اس نے سب کی بے پناہ ستائش پائی تھی اور یہ ان سب کی معنی خیز باتوں اور چھیڑ چھاڑ ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کے دل میں بھی خواہش جاگ اُٹھی، اس ساحر کی زبانی یہ سب سننے کی، جو لفظوں کی جادو گری کا فن جانتا تھا۔ جو ہر پل اپنے جذبوں کو خوب صورت لفظوں کا روپ دینے کو تیار رہتا تھا۔

حدید نے منہ دکھائی میں اُسے خوب صورت سا لاکٹ پہنایا تھا۔ اُس کی سانسیں تھم سی گئی تھیں۔ وہ سائیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

"جا کر ڈریس چینج کر آئو۔"

نہ کوئی خوب صورت لفظ، نہ پُر ستائش نظر۔ اتنا سپاٹ سا انداز، جیسے وہ کسی اجنبی لڑکی سے بات کر رہا ہو۔ اُس کی بے یقین نظروں سے بے نیاز وہ یوں اپنی رِسٹ واچ اُتارنے

میں مصروف تھا، جیسے اس سے ضروری کوئی کام ہی نہ ہو۔

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بستر سے اُتر کر واش روم میں چلی آئی۔ اور پھر اس نے اپنا استحقاق استعمال کیا بھی تو یوں کہ نہ تو اُس کے حسین روپ کی تعریف کی، نہ اسے اپنے ساتھ کا یقین اور مان دیا اور نہ ہی اُس کے پلو میں حسین وعدوں کے جگنو باندھے۔

پارس کے حواس ٹھٹھر گئے۔

اس کا خیال تھا، وہ لڑے گا، جھگڑے گا، اور بس۔ اس کے بعد مطلع صاف ہو جائے گا۔ جتنی محبت وچاہت کے دعوے وہ کرتا تھا، اس کے بعد تو ایسا سوچا جا سکتا تھا۔ مگر یہاں تو اُلٹی چال پڑ گئی تھی۔ وہ تو کوئی حرف زیرِ لب بھی نہیں بولا تھا۔ کیسا رشتہ جوڑا تھا اُس نے۔ اُسے اپنا کر اُس کا سب کچھ بن گیا تھا، مگر نہ کوئی دوستانہ بات اور نہ ہی پیار بھری

سرگوشی۔

وہ بڑے سکون کی نیند سو رہا تھا۔

اُس کی منجمد حسیات پگھلنے لگیں اور سارا دُکھ آنسوئوں میں ڈھل ڈھل کر بہنے لگا۔

...☆☆☆...

"حدید! کچھ شرم تو کر لو۔ ایک ماہ بھی نہیں ہوا شادی کو اور تمہیں بزنس کی فکر لگ گئی ہے۔" اُسے نک سک سے آفس جانے کو تیار دیکھ کر ممانی جان کو حقیقی معنوں میں غصہ آ گیا تھا۔ مگر وہ بڑے اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے چائے کا کپ اپنی طرف کھسکاتے ہوئے بولا۔

"اسے احساسِ ذمہ داری کہتے ہیں، والدہ محترمہ! جو کہ مجھ میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہے۔"

"ہاں، جیسے میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں۔ اتنے فرمانبردار ہو نہیں، جتنا بننے کی کوشش کر رہے ہو۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے توس اُس کی پلیٹ میں رکھے تھے۔

"یہ سب پارس پر امپریشن ڈالنے کے حربے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں۔" زارا بھابی نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"اگر یوں امپریشن ڈالا جا سکتا تو بھائی مجھ سے ہفتہ بھر پہلے آفس جوائن کر لیتے۔ کیونکہ یہ دوسروں کو امپریس کرنے کا کوئی موقع نہیں گنواتے۔" نوید بھائی نے قہقہہ لگا کر بولڈ سی زارا بھابی پر محبت پاش نگاہ ڈالی۔

"بھئی، اپنی تو ویلیو ہی بڑی ہے۔ دن رات دعوتیں دی جا رہی ہیں۔"

"اسی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔" ممانی جان نے حدید کو گھورا تھا۔ مگر وہ لاپروائی سے ہنس دیا۔

"آپ تو شکر کریں۔ اب میچور ہو گیا ہوں میں۔ ان دعوتوں میں جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"حالانکہ یہی دن ہیں سیر و تفریح کے۔ اس کے بعد کہاں یہ فرصتیں اور فراغتیں۔" زارا بھابی بڑی شوخی بھری بے تکلفی سے بولیں تو حدید داد دینے والی نظروں سے اُنہیں دیکھنے لگا۔

"ہر دعوت میں تم لوگوں کی طرف سے ہمیں جواب دہ ہونا پڑتا ہے اور تمہارے حصے۔۔۔۔۔۔۔"

"۔۔۔۔۔۔۔ کے کھانے بھی کھانے پڑتے ہیں۔" زارا بھابی کا جملہ اس نے شرارت سے مکمل کیا تھا۔ وہ بھی ہنس دیں۔

"جی نہیں، تمہارے حصے کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔"

"تو آپ بھی سنایا کریں۔" وہ بدستور شوخی کے موڈ میں تھا۔

"زیادہ بنو مت۔ آج ڈنر کا پروگرام پکا ہے۔ بھائی نے سختی سے تاکید کی ہے، تم دونوں کے لئے۔ بھابی کہہ رہی تھیں اگر آج حدید نے کوئی بہانہ بنایا تو وہ خوب کلاس لیں گی۔"

زارا بھابی نے اُسے یاددہانی کراتے ہوئے دھمکایا بھی تھا۔ وہ ناشتہ ختم کر کے ٹشو سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"اوکے باس! اب اجازت؟"

"یہ اجازت اب تمہیں اپنی ہی گورنمنٹ سے لینی چاہئے۔" انہوں نے اسے چھیڑا تھا۔ حدید نے اُچٹتی نگاہ آہستہ روی سے ناشتہ کرتی پارس پر ڈالی اور عام سے انداز میں بولا۔

"ہوم گورنمنٹ تو فری ہینڈ دے چکی ہے۔"

"اوہو، یہ تو بہت غلط بات ہے پارس!" نوید بھائی کی شرارت آمیز ہمدردی پر وہ گڑبڑا گئی۔

"دراصل پارس کو خود پر کانفیڈنس ہے، اس لئے اس نے فری ہینڈ دے رکھا ہے۔" زارا بھابی نے پُرستائش نظروں سے اُس کی موہنی سی صورت کو دیکھا تھا۔ وہ خود کو موضوعِ گفتگو بنا دیکھ کر کنفیوژ ہونے لگی۔

"اسے تو شکر کرنا چاہئے کہ پارس جیسی اچھی بیوی ملی ہے۔" ممانی جان نے اُسے احساس دلانا چاہا تو وہ سر

جھٹک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اور پارس کو صبر کرنا چاہئے۔" نوید بھائی نے شرارت سے اضافہ کیا تو وہ تنبیہی انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"پرسنل اٹیک مت کریں بھائی! ورنہ پچھتائیں گے۔" اُس کی دھمکی پر انہوں نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ مصالحانہ انداز میں اٹھا دیئے تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خدا حافظ کہتا نکل گیا۔

زارا بھابی نے سرِ شام ہی ڈنر کی دعوت پر جانے کی تیاری شروع کر دی، بلکہ ساتھ ہی پارس کو بھی فوراً تیار ہونے کا الٹی میٹم دے دیا۔

"بھابی! انہوں نے تو مجھے کچھ کہا ہی نہیں۔" اس نے دبے لفظوں میں انکار کرنا چاہا۔ مگر وہ اَن سنی کر گئیں۔

"اور کسی کے کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ میں نے کہہ دیا، سو کہہ دیا۔ اب کسی اور کے لئے بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پارس! تیار ہو جاؤ بیٹا۔ کسی غیر کے ہاں تو نہیں جانا تمہیں۔ اور پھر حدید کیوں منع کرنے لگا۔ تم تیار ہو جاؤ تو میں اسے فون کرتی ہوں۔"

ممانی جان کو یقیناً زارا بھابی نے بھیجا تھا۔ وہ بے بسی سے مسکرا کر رہ گئی۔ کپڑوں کے سلیکشن میں اس نے بہت سوچ بچار سے کام لیا۔ سارے ہی لباس نئی نویلی دُلہنوں والے تھے۔ جو سادے سوٹ تھے، وہ بالکل ہی گھریلو تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اپنی طرف سے قدرے سادہ لباس چن ہی لیا۔ سیاہ لباس کی قمیض کے ہاف سلیوز ریشم اور موتیوں کے کام سے بوجھل تھے۔ ایسا ہی نازک کام قمیض کے گلے پر بھی تھا اور دوپٹے کے بارڈر پر بھی۔

وہ بالکل تیار ہو کر آئینے کے سامنے کھڑی دوپٹہ سیٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ حدید اندر داخل ہوا تو

اُسے دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔ پھر اسے آئینے میں اپنی طرف متوجہ پاتے ہوئے دیکھ کر وہ لاپرواسا بستر پر بیٹھ کر پیروں کو جوتوں سے آزاد کرنے لگا۔ وہ اپنی اتنی تیاری پر خفت محسوس کرتی وہیں جھک کر ڈریسنگ ٹیبل پر بکھری چیزیں سیٹ کرنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اس کا سوال بہت اچانک تھا۔ پارس مردہ دلی سے اُس کی طرف پلٹی اور آہستگی سے بولی۔

"زارا بھابی کے بھائی جان اور بھابی نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔"

"تو؟" وہ تیکھے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

پارس کو اس کا موڈ پریشان کرنے لگا۔ اضطرابی کیفیت میں وہ ہاتھ مسلتی صوفے میں دھنس گئی۔

"بھابی کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔۔۔۔۔" "تم کہاں جانے کے لئے تیار ہوئی ہو؟" اس کی بات کاٹ کر وہ اسی سرد مہری سے پوچھ رہا تھا۔

"ڈنر کے لئے۔" اس کا انداز مجرمانہ سا تھا۔

"واہ، بہت شوق ہے تمہیں دعوتوں میں جانے کا۔ میاں کو پتہ بھی نہیں اور۔۔۔۔۔۔۔" وہ بہت استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے موزے جوتوں میں ٹھونس کر سیدھا ہوا۔ پارس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"سوری۔۔۔۔۔۔۔ ممانی جان نے کہا تھا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی صفائی پیش کر گئی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اُکتاہٹ آمیز انداز میں جیسے اُسے روکا تھا۔ پھر اُسے سر سے پاؤں تک جانچتی نگاہ سے دیکھ کر بولا تو انداز استہزائیہ تھا۔

"یہ تم ڈنر پارٹی کے لئے ڈریس اپ ہوئی ہو؟"

وہ جو ابھی ابھی آئینے سے "سند" لے کر پلٹی تھی، خجالت سے سرخ پڑ گئی۔ لب کچل کر آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کی، مگر خود کو ناکام پا کر وہ تیزی سے اُٹھی اور آئینے کے سامنے جا کر ٹاپس اُتارنے لگی۔ اشتعال کی

خفیف سی لہر اُسے بے قابو کر رہی تھی۔ یونہی انگلیوں سے انگوٹھیاں اُتار کر پھینکیں۔ وہ اس کے ردِ عمل پر ذرا ساٹھٹکا، پھر بے نیازی سے بستر پر دراز ہو گیا۔ وہ دوپٹے کی سیفٹی پنیں اُتار رہی تھی۔ ساتھ ساتھ آنسو بھی چہرہ بھگو رہے تھے۔

"حدید کا طرزِ عمل اسے بہت دکھ دے رہا تھا۔ وہ جو ہر پل خوب صورت الفاظ لٹانے کو تیار رہتا تھا، یکلخت کتنا سرد مہر بن بیٹھا تھا۔ جب ان کے مابین کوئی شرعی رشتہ نہیں تھا تو وہ ہر حد توڑنے کی فکر میں رہتا تھا اور اب جب کہ وہ اس کے شوہر کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا تو خود کو اس نے بے نیازی و بے پروائی کے خول میں سمیٹ لیا تھا۔ ہر پل اس کے گُن گانے پر تیار رہنے والا، اب اس کی مدح میں ایک لفظ بھی کہنا شاید اپنی توہین سمجھتا تھا۔

دروازے پر ہونے والی دستک سن کر اس نے تیزی سے ٹشو نکال کر چہرہ خشک کیا، کھنکار کر گلا صاف کر کے اُس نے آئینے میں ایک نظر اُس پر ڈالی، وہ دوسرا تکیہ منہ پر رکھے ہنوز لیٹا تھا۔

دستک قدرے وقفے کے بعد پھر سے ہوئی۔ اس نے دونوں آنکھوں پر ٹشوز رکھ کر نرمی سے دبائے کہ پلکوں کی نمی بھی خشک ہو جائے۔ پھر پف سے چہرہ تھپتھپا کر وہ دروازے کی طرف بڑھی جس کا ہینڈل حدید کمرے میں آتے ہی عادتاً دبادیا کرتا تھا۔

"تھینک گاڈ، تم تیار ہو۔ حدید کہاں ہے؟ تیار ہوا یا نہیں؟" زارا بھابی اُسے دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔ وہ پہلے تو ذرا گڑبڑائی، پھر اس نے خاموشی سے دروازہ کھول کر گویا انہیں دعوتِ نظارہ پیش کی۔ حدید کو اتنے مزے سے لیٹا دیکھ کر وہ پہلے تو حیران ہوئیں، پھر اندر چلی آئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اُن کے زور سے پوچھنے پر اُس نے تکیہ ہٹایا تھا۔ "میں نے ابھی تمہیں کہہ کر بھیجا تھا کہ جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔ بھابی جان دو مرتبہ فون کر چکی ہیں۔" وہ ڈپٹ کر بولیں تو وہ ہنستا ہوا اُٹھ بیٹھا۔

"اسی کی تیاری نہیں ختم ہو رہی۔ میں نے سوچا، جب تک یہ تیار ہو گی، تب تک میں تھوڑا ریسٹ کر لوں گا۔" وہ بہت خوشگوار انداز میں کہہ رہا تھا۔ پارس اس کی دوغلی پالیسی پر کلس کر رہ گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑی یونہی اپنی انگوٹھیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔

"یہ تو بالکل تیار ہے۔ تم ہی کاہل وسست بنے ہوئے ہو۔" زارا بھابی نے فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بستر سے اُتر آیا۔

"مجھے تو صرف ڈریس ہی چینج کرنا ہے۔ اس کی تو ابھی پتہ نہیں کتنی تیاری باقی ہے۔" وہ بیڈروم چیئر پر دھرے اپنے کپڑے اُٹھاتا باتھ روم کی طرف بڑھا تو وہ اُس کی طرف پلٹیں۔ "ٹاپس تو پہن لو، پارس! اور یہ انگوٹھیاں؟" زارا بھابی نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔ "کمال ہے، میں ایسے ہی اس سے خفا ہو رہی تھی۔" ان کے انداز پر وہ خفیف سی ہو کر انگوٹھیاں پہننے لگی۔ ٹاپس زارا بھابی نے پہنائے تھے۔

"حدید تو دنگ رہ گیا ہو گا، تمہیں دیکھ کر۔" انہوں نے لطیف سی شرارت سے کہا تو اس کی رنگت دمک اُٹھی تھی، مگر وہیں دل میں ایک ٹیس سی اُٹھی تھی۔ یہ سب حدید کے پہلے والے روپ کو یاد رکھے ہوئے تھے اور جو روپ مجھ پر کھلا ہے، وہ۔۔۔۔۔۔۔

"تم تو جو رنگ پہن لو، وہی سج جاتا ہے تم پر۔"

"بھابی!" وہ محجوب سی انہیں ٹوک گئی۔ انہوں نے مخصوص انداز میں ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا، پھر اس کے رخسار کو ہلکا سا چھو کر بولیں۔

"اب دو منٹ میں آئو۔ نوید تو ریڈی بیٹھے ہیں۔"

ان کے جانے کے بعد پارس کے انداز میں سستی اتر آئی۔ جی چاہنے لگا، ایک بار کھل کر رو دے۔ کتنا برا سلوک کر رہا تھا وہ۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال سنوارنے لگا۔ وہ یونہی خاموشی سے صوفے میں دھنسی بیٹھی گویا بادشاہِ وقت کے آرڈر کی منتظر تھی۔ جبکہ ڈنر سوٹ میں ملبوس فراخ دلی سے پرفیوم چھڑکتا وہ اُسے حد درجہ آزردہ کر گیا۔ کتنی معمولی سی بات کو ایشو بنا کر وہ خوامخواہ بدمزگی پھیلا رہا تھا۔ پہلے اگر پارس اس سے بات چیت نہیں کرتی تھی تو کیا ہوا؟ اب تو مکمل طور پر اس کی ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب تو یہی نکلتا تھا کہ حدید کے نزدیک پارس سے زیادہ اہمیت اپنی انا کی تھی، جس کی وہ سزا دے رہا تھا۔

"اب اُٹھ بھی جائو۔ پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔" وہ ناب پر ہاتھ رکھے یوں بولا، جیسے ساری دیر پارس کی وجہ سے ہوئی ہو۔ اب پارس کا جانے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر وہ بے دلی سے اُٹھ ہی کھڑی ہوئی۔

سب ہی نے کہا تھا کہ وہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ لاشعوری بلکہ فطری طور پر پارس کی سماعتیں یہی سب کچھ حدید کے ہونٹوں سے سننے کی خواہش مند تھیں، مگر وہ یوں لاتعلق تھا، جیسے یہ سب تعریفیں کسی اور کی بیوی کی ہو رہی ہوں۔ وہ کلس کر رہ گئی۔

وہاں جا کر وہ سارا وقت بڑے موڈ میں رہا۔ باتوں کے دوران کبھی کبھار وہ پارس کو بھی تائیدی انداز میں مخاطب کرتا رہا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرح خشک مزاجی کا مظاہرہ نہیں کر پائی۔ بھابی شہلا کو بھی وہ بہت پسند آئی تھی اس کا قدرے سنجیدہ اور شرمیلا سا مزاج انہیں بہت بھایا تھا اور ان کے دونوں بچے تو سارا وقت پارس ہی کے ارد گرد منڈلاتے رہے تھے۔

ڈنر کے بعد چائے اور خوش گپیوں کا دور چلا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اجازت چاہی جو کہ شہلا بھابی نے نہیں دی۔ بہت وضاحتیں پیش کرنے اور بہانے بنانے کے بعد زارا بھابی اور نوید بھائی کو وہیں چھوڑا گیا۔

"ہم لوگ پھر کبھی رہ لیں گے۔ ابھی تو گھر میں امی ابو اکیلے ہوں گے۔ اور پھر ہم نے ان سے ایسا کچھ کہا بھی نہیں تھا۔" حدید نے وضاحت دیتے ہوئے اگلی بار کا وعدہ بھی کیا، تب ان دونوں کی جان چھوٹی۔

گاڑی میں وہ اور حدید تھے۔ اسے بہت نیا اور اچھوتا سا احساس ہوا۔ وہ پہلی باریوں اس کے ساتھ تنہا سفر کر رہی تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے حدید کی طرف دیکھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں دیکھتا لاپروائی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"پتہ نہیں، انہیں بھی اس نئے پن کا احساس ہو رہا ہے یا نہیں؟" اس کے دل میں ہلکی سی اُداسی بھر گئی۔ "یہ سب تو میرا خواب تھا۔ پتہ نہیں، میں ساری عمر کبھی حدید کو اپنا نقطہ نظر سمجھا بھی پاؤں گی یا نہیں۔" گاڑی ایک دم سے رکی تو وہ بے حد چونک کر دیکھنے لگی۔ سامنے آئس کریم پارلر، پان شاپ اور پتہ نہیں، کون کون سی دُکانیں تھیں۔ وہ اس سے کچھ پوچھے یا کہے بغیر دروازہ کھول کر نیچے اُتر رہا تھا۔ پارس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تھینک گاڈ، کوئی تو فارمیلٹی یاد رہی انہیں۔" وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے سوچوں میں گم تھی۔

جب وہ واپس آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، پارس کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ پان کا ریپر اتار رہا ہے۔

ایک سیکنڈ، دو، تین چار۔

اس کی طرف سے کوئی آفر نہیں ہوئی تو اس نے ناچار ذرا سا چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ آرام سے پان منہ میں رکھنے کے بعد ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ حالانکہ اسے پارس کی سوچ کا علم نہیں تھا، پھر بھی وہ بے حد خجل سی ہو گئی۔ نہ تو وہ اس کے لئے آئس کریم لے کر آیا تھا اور نہ ہی پان۔

اس نے گاڑی رواں سڑک پر ڈال دی۔

"میں نے تمہارے لئے اس لئے کچھ نہیں لیا کیونکہ تمہیں یہ سب حرکتیں پسند نہیں ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ خود ہی بولا۔ پارس کو رونا آنے لگا۔ وہ خوامخواہ ہی اس کٹھور اور سنگ دل شخص سے توقعات وابستہ کئے ہوئے تھی۔ نازک خیالات جسے چھو کر بھی نہیں گزرے تھے، جو صرف فلمی انداز کی محبت کرنا جانتا تھا۔

"شکریہ اس قدر خیال کرنے کا۔" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی بھرّا گیا۔ وہ اس کے سامنے کوئی کمزوری

دکھانا نہیں چاہتی تھی، مگر اتنی بہادر بھی نہیں تھی کہ ہر ستم خاموشی سے برداشت کئے جاتی۔

"ظاہر ہے، اب مجھے انہی باتوں کا تو خیال رکھنا ہے۔" اس کے انداز میں طنز کی آمیزش تھی۔ پارس آزردہ سی ہو کر کھڑکی سے باہر نظر جما کر بیٹھ گئی۔ پہلے جو سفر بہت دلفریب لگ رہا تھا، اب اس کی فضا بوجھل لگنے لگی تھی۔

پارس کی نسبت وہ بہت اچھے موڈ میں تھا۔ جاتے ہی وہ ٹی وی کے آگے بیٹھ گیا، جب کہ گھر پہنچ کر کمرے میں جا کر اس نے کپڑے بدلے اور بستر میں گھس گئی۔ اس کی طبیعت بہت مکدر ہو رہی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ پھر بھی وہ لائٹ آف کئے زبردستی سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ کمبل لپیٹے، چہرہ تکیے میں گھسا رکھا تھا۔ ذہن پر ایک جھنجلاہٹ آمیز آزردگی طاری تھی۔ حدید کا روّیہ ایک ماہ سے اوپر ہونے کو آیا تھا۔ وہ تمام حقوق و فرائض کی ادائیگی کر کے خود کو اچھا شوہر ثابت کر رہا تھا۔ مگر پارس کی حسیّات ترس کر رہ گئی تھیں۔ حدید نے کبھی کوئی پیار بھری بات نہیں کی تھی۔ وہ چاہے کتنی تعریفیں سمیٹ لیتی، لیکن وہ اس کے کسی بھی روپ کو نہیں سراہتا تھا۔

نوید بھائی سب کے بیچ بیٹھ کر بھی زارا بھابی کی ڈریسنگ بلکہ ان کے میک اپ تک کی تعریف کر دیتے تھے۔ ذو معنی جملوں کی تو بات ہی الگ تھی۔ باقی سب سن کر ان سنی کر دیتے یا پھر نظر انداز کر دیتے۔

اور ایک حدید تھا، مجال تھی جو کبھی پارس کی کسی تیاری کو سراہ دیتا۔ البتہ کوئی خامی ہوتی تو ضرور بتا دیتا تھا۔

"انہیں تبھی خوش ہونا تھا، جب میں منگنی کے پیریڈ میں ان کے ساتھ فون پر گپیں لڑاتی، ان کے رومانٹک جملے سن کر اپنی فیلنگز شیئر کرتی۔ ان کے ساتھ ہوٹلنگ کرتی، انہیں ڈرائنگ روم کے بجائے اپنے روم میں بیٹھنے کا شرف بخشتی۔"

اسے حدید کا سرد مہر روّیہ آج بے حد سلگا رہا تھا۔

اپنے بالوں میں سرسراہٹ اُسے حدید کی آمد کا احساس دلا گئی۔اس نے چہرہ تکیے پر سے اٹھایا۔وہ لائٹ آن کئے، تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔اسے اپنی طرف متوجہ پا کر مسکرا دیا۔اس کے وجود سے اُٹھتی پرفیوم اور پان کی خوشبو بہت مسحور کن لگ رہی تھی۔اس کی مسکراہٹ سے قطع نظر پارس نے اسی سنجیدگی سے کروٹ بدل لی۔اگلے پل اپنا بازو حدید کی گرفت میں محسوس کیا۔اس نے ناگواری سے اپنا بازو چھڑالیا اور بے زاری سے بولی۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔"

"پہلے سے ہی آرہی تھی یا میرے آنے سے یہ عمل وقوع پذیر ہونے لگا ہے؟" اس کے ذو معنی لہجے میں طنز پنہاں تھا۔پارس نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ بس کچھ پل حدید سے دور رہنا چاہتی تھی۔وہ لائٹ آف کر کے دوبارہ بستر پر آگیا۔اس کے تمام تر احتجاج کے باوجود حدید نے اُس کا رُخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

"تنگ مت کریں مجھے۔" بے بسی نے اس کے لہجے کو بھرّا دیا۔اُسے معلوم تھا کہ وہ حدید کو اپنی مرضی کرنے سے نہیں روک سکتی۔

"کیا کروں، شریف آدمی ہوں۔صرف بیوی کو ہی تنگ کر سکتا ہوں۔" اس کی ناگواری اور آواز کا بھیگا پن محسوس کرتے ہوئے بھی وہ بہت پُرسکون انداز میں بولا تھا۔اس کا لمس، پارس کو زہر لگ رہا تھا۔مگر وہ فقط بے بسی سے آنسو پی کر رہ گئی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ حدید ایک ایسے پتھر کو کہتے ہیں، جس میں لوہے کی آمیزش بہت زیادہ ہوتی ہے۔اس نے ایک آہ بھری تھی واقعی۔۔۔۔۔۔پتھر بھی ہے اور لوہا بھی ہے۔سنگ دل شخص۔لگتا ہی نہیں کہ یہ وہی حدید ہے۔

وہ سخت ڈیپریسڈ تھی۔دوپہر کو نوید بھائی اور زارا بھابی بھی لوٹ آئیں۔اسی روز اگر سمن خالہ، جہلم سے واپس

نہیں آجاتیں تو وہ پتہ نہیں کیا کر لیتی۔ثوما اور صارم کی شوخیاں اُسے ریلیکس کر گئیں۔وہ ان سے ابو اور عفیرہ کے متعلق پوچھ رہی تھی۔تمام ٹینشن جیسے اُڑن چھو ہو گئی تھی۔

"عفی کو تو میں لے جا رہی ہوں بھئی" سمن خالہ نے رات کو سب کے درمیان بیٹھ کر کہا تو وہ انجانی کیفیت میں انہیں دیکھنے لگی۔مگر وہ اطمینان سے بولیں۔

"بھائی جان سے بات کر لی ہے میں نے۔صارم اور عفیرہ کی بات پکی کر کے جائوں گی میں۔"

"سچ؟" وہ ان کا ہاتھ تھام کر بے حد خوشی سے پوچھ رہی تھی۔حدید نے ایک اچٹتی نگاہ اس کے جوش سے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی تھی۔

وہ کھانے کے بعد چائے بنانے کے لئے کچن میں آئی تو ثوما بھی اس کا سر کھانے کے لئے اس کے ساتھ آگئی۔

"عفیرہ کہہ رہی تھی کہ جاتے ہی پارس سے کہنا، اپنا دیوان دکھائے۔"

"ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔کیا؟" وہ حیران سی اس کی طرف پلٹی۔عفیرہ نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔پھر اسی خود ساختہ سنجیدگی سے بولی۔

"حدید بھائی نے تمہارے اعزاز میں جو شعر و شاعری وغیرہ کی ہے، جو تعریفی اسناد دی ہیں، وہ دیوان تو مکمل ہو گیا ہو گا۔" اس کی شرارت پر وہ ٹھیک طرح سے ہنس بھی نہیں سکی۔

"ایمان سے پارس! حدید بھائی تو دیوانے ہو رہے تھے تمہارے لئے۔اب کیا صورتِ احوال ہے؟" وہ شریر انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"اب تو پہلے سے کافی افاقہ ہے انہیں۔" وہ چائے دم پر رکھتے ہوئے سادگی سے بولی۔ثوما کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"مگر تمہیں کوئی افاقہ نہیں ہوا، اُن کے رومانٹک ڈائیلاگ سن کر۔" وہ چھیڑ رہی تھی اور اگر اس موضوع پر

پارس کے پاس کچھ کہنے کو ہوتا تو وہ شاید اس گفتگو سے محظوظ ہوتی۔ تبھی صارم اور حدید کے آجانے پر ثوما ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں ابھی پارس سے کہہ رہی تھی کہ اسے وہ دیوان دکھائے، جس میں اس کے لئے آپ نے شاعری کی ہے۔"

وہ ثوما کی بات پر ہنسا تھا۔ پھر صارم کی طرف متوجہ ہو کر اس کا مذاق اُڑانے والے انداز میں بولا۔

"لو، اسی کو تو دکھانا ہے مجھے دیوان۔ وہ تو جس کے لئے لکھا ہے، وہی پڑھتی ہے روزانہ صبح سے شام تک۔" "کیا واقعی پارس؟" صارم بھی بے تکلفی میں حدید جیسی نیچر رکھتا تھا۔ شرارت سے پوچھنے لگا تو وہ خجالت سے بدلتی رنگت لئے مڑ کر ٹرے میں مگ رکھنے لگی۔

"اس سے ایسی باتیں مت کرو۔ اسے شرم آتی ہے۔" حدید نے فوراً صارم کو ٹوک دیا۔ جواباً صارم کا قہقہہ پارس کو سنسنا گیا۔ اسے حدید سے اتنی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔

"ویری انٹرسٹنگ کیس۔" صارم مسلسل ہنس رہا تھا۔ ثوما کے لئے پارس کی خاموشی قابلِ توجہ تھی، سو اس نے فوراً ان دونوں کو منع کیا۔

"آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی، اکیلی لڑکی کو چھیڑتے ہوئے؟"

"آ رہی ہے جی۔ ابھی ابھی تو آئی ہے۔" حدید کا انداز سراسر مذاق اُڑانے والا تھا۔

پارس چائے لے کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔ ثوما ان دونوں کو گھورتے ہوئے اس کے پیچھے لپکی تھی۔

حدید اپنے دل میں قدرے طمانیت محسوس کرتے ہوئے صارم کے ساتھ مسکراتا، باتیں کرتا لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔ حدید کا انداز پارس کو بہت ناگوار گزرا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پہلی بار وہ اس سے اُلجھ پڑی۔

"آپ کو سب کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔"

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔ مجھ سے کچھ کہا تم نے؟" اس نے چونکنے کی کامیاب ایکٹنگ کی تھی۔ پارس سلگ اُٹھی۔

"آپ سے ہی کہہ رہی ہوں۔"۔ "میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت نہیں دیتا۔" وہ لاپروائی سے کہتا، میگزین کھولتا کہنی کے بل نیم دراز ہو گیا۔

"مگر میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتی ہوں۔ بیڈ روم میں تو آپ نے کبھی مجھ سے ایسی باتیں نہیں کیں۔" وہ بے حد طنز سے بولی تو حدید نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا اور کاٹ دار لہجے میں بولا۔

"اچھا، تو اب تم وہ سب گھٹیا اور فضول باتیں پسند کرنے لگی ہو؟"

"آپ کبھی میری بات سمجھے ہی نہیں۔" وہ تاسف سے بولی تھی۔

"میں سب کچھ ٹھیک سمجھا تھا اور وہ سب کچھ کیا تھا، جو تم نے فون پر مجھے سمجھایا تھا؟ تم تو سب سے زیادہ ارفع ہو، اس لئے میں نے کبھی تم سے کوئی فضول اور گھٹیا بات نہیں کی۔ جسے ہم رومانوی گفتگو کہتے ہیں، وہ تمہاری نظر میں گھٹیا ہی تھی نا؟" وہ بہت تلخی سے کہہ رہا تھا۔ پارس گنگ تھی۔ کافی دیر کے بعد وہ بولنے کے قابل ہو پائی۔

"آپ میرے شوہر ہیں، حدید! آپ مجھ سے جو جی چاہے، بات کر سکتے ہیں، میری تعریف کر سکتے ہیں۔ میں کیوں آپ کو منع کروں گی؟"

"مائنڈ یو! تم خود مجھے ان سب "گھٹیا باتوں" سے منع کر چکی ہو۔ نہ تو تمہیں اپنا سراہا جانا پسند ہے اور نہ ہی تمہیں "ڈائیلاگز" بھاتے ہیں۔ تم تو بہت پاکیزہ شے ہو۔ میں تو بگڑا ہوا شخص ہوں۔" وہ اسی کڑوے اور اٹل انداز میں کہہ رہا تھا۔ پارس کا جی چاہا کہ اُٹھے۔ اس نے بڑی دقت سے اپنی اس خواہش پر قابو پایا تھا۔

"وہ سب میں نے منگنی کے پیریڈ کے لئے کہا تھا۔ اب بات دوسری ہے۔" وہ بہت ضبط سے بولی۔

"کہا تو مجھ سے ہی تھا نا، میں تو وہی ہوں نا۔" اس نے تلخی سے جتاتے ہوئے میگزین بند کر کے پرے پھینک دیا۔

"حدید! مجھے اچھا نہیں لگتا تھا، منگنی کے دوران اتنا فری ہونا۔"

اُسے حدید کی ہٹ دھرمی اور بے جذباتیت پر رونا آنے لگا۔ کتنے فضول جواز گھڑ لئے تھے اس نے ناراضگی کے لئے۔

"اب اچانک پھر اچھا کیوں لگنے لگا یہ سب؟ اور تم کیا سمجھتی تھیں کہ میں تم سے صرف گفتگو ہی کرنا چاہتا تھا؟ بیاہ کر کیا مجھے کسی اور کو لانا تھا؟" وہ تو آتش فشاں کو چھیڑ بیٹھی تھی۔ وہ بھڑک اٹھا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا۔ لیکن۔۔۔۔۔۔" اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ کبھی کسی کا ایسا انداز دیکھا ہی کب تھا۔ جب سے شادی ہوئی تھی، وہ مسلسل آزمائشوں کے گھیرے میں تھی۔

"اِٹس اوور ناؤ۔" وہ اکتاہٹ بھرے انداز میں کہتا پارس کی بات کاٹ گیا۔ "یہ سب تمہاری خواہش، تمہاری پسند تھی۔ تمہیں اگر تب وہ کچھ پسند نہیں تھا تو مجھے اب وہ کچھ پسند نہیں ہے۔" اس کا انداز بہت جتانے والا تھا۔ پارس کے لئے تو اتنی تلخی آخری حد تھی۔ وہ رونے لگی۔

چند لمحوں تک وہ اسے یہ شغل کرتے دیکھتا رہا اور حیرت اسے اس بات پر ہوئی کہ اسے پارس کے رونے سے تکلیف ہو رہی تھی۔ اپنے تئیں وہ پارس کو اس کے کہے کی سزا دے رہا تھا۔ اس کے الفاظ نے حدید کو بہت ہرٹ کیا تھا۔ مگر اب پارس کا رونا بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"اگر تم نے رونا ہی ہے تو کسی اور جگہ جا کر یہ شغل پورا کر لو۔" وہ سختی سے بولا۔ امید یہی تھی کہ وہ خاموش ہو جائے گی۔ مگر وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ کر بڑی تلخی سے بولی۔

"میں کیوں کہیں اور جاؤں؟ یہ میرا بھی بیڈروم ہے۔ میں یہاں جو جی چاہے گا، کروں گی۔" اس کے انداز نے حدید

کو بہت لطف دیا۔ آج تک اس نے دوبدو جواب دیئے ہی کب تھے۔ وہ بے اختیار مسکراتا ہوا بستر سے اُتر کر اُس کی طرف آیا تھا۔

"یعنی جس کا بیڈروم ہو، وہ جو جی چاہے کر سکتا ہے۔ پھر تو یہ چوائس میرے لئے بھی ہے۔" حدید نے آرام سے کہتے ہوئے اس کا بازو تھام کر اسے اٹھانے کی سعی کی تو وہ بھڑک اُٹھی۔

"بات مت کریں، میرے ساتھ۔"

"وہ تو میں کر بھی نہیں رہا۔ فرسٹ نائٹ سے اب تک تو تمہیں کافی تجربہ ہو چکا ہو گا۔" وہ جتانے والے انداز میں بولا۔ پارس ٹھنڈی پڑ گئی۔

"بہت اچھا کر رہے ہیں ناں، آپ میرے ساتھ۔" اُس کی آواز رندھ گئی۔ حدید نے شانوں سے تھام کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا اور آرام سے بولا۔

"میں تو بہت اچھا کرتا ہوں۔ اگر کوئی کمی ہے تو بتا دو۔"

اس کے لب و لہجے کی ذو معنویت کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے پارس اپنے شانوں پر سے اس کے ہاتھوں کو جھٹکتی بستر پر چلی گئی۔ حدید کے ہونٹوں پر پُر تسکین مسکراہٹ نے ڈیرہ ڈال لیا۔

☆☆☆...

صبح وہ ناشتے کی میز پر نہیں پہنچی تھی۔ اور اس کی وجہ وہ سر کا درد تھا، جو رات روتے رہنے کی وجہ سے اب تک ہوتا رہا تھا۔ اور وہ اتنا سنگ دل تھا کہ اس کے یوں لیٹے رہنے کی وجہ پوچھے بغیر اکیلا ناشتے کے لئے چلا گیا تھا۔ چکراتے سر کے ساتھ بہ مشکل وہ باتھ روم تک گئی تھی۔ تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے وہ باہر جانے کا سوچ رہی تھی، جب دروازہ ناک کر کے ثوما اور بھابی چلی آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے دیکھ کر وہ

شرمندہ ہوگئی۔

"بھابی! میں بس آرہی تھی۔ ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی، میری۔"

"بتایا تھا، حدید نے۔" وہ لاپرائی سے کہہ کر اس کے بستر پر چڑھ کے بیٹھ گئیں اور ان کے لئے چائے کپ میں ڈالنے لگیں۔ وہ بھی ان کے سامنے آبیٹھی۔

"خیریت تو ہے نا، پارس؟ اتنی اُداس کیوں ہو رہی ہو؟" ثوما اس کے بجھے بجھے سے چہرے کو دیکھتے ہوئے تشویش سے بولی تو اُس کا دل بھر آیا۔ ماں، بہن، باپ، کوئی بھی تو

اس نہیں تھا، جس کی موجودگی دل کی تسلی کا باعث بنتی۔

"کچھ نہیں۔" اس کی آنکھوں کی سرخی اور سوجن زارا بھابی کو کھٹک گئی تھی۔

"پارس! جھگڑا تو نہیں کیا تم دونوں نے؟"

اس نے بہ مشکل نفی میں سر ہلایا تھا۔

"پلیز پارس! ہم سے تو کچھ مت چھپاؤ۔ اگر کچھ ایسی بات ہے تو کہہ دو، میں اچھی طرح کلاس لوں گی، حدید کی۔ مجھے بڑی بہن سمجھو۔" زارا بھابی کی اپنائیت بھری تسلی اسے چھلکا گئی۔

وہ ان سے کچھ بھی چھپا نہیں پائی تھی۔

...☆☆☆...

ماموں اور ممانی جان اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ سمن خالہ بھی سو گئی تھیں۔ صارم، حدید اور نوید بھائی خبر نامہ سننے میں محو تھے۔ پارس ان سب کے لئے چائے بنا کر لائی، تب بھابی نے نوید بھائی کو متوجہ کیا تھا۔

"کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"گھر میں کیا ہے؟" انہوں نے زارا بھابی کو گھورا تھا۔

"بوریت ہو رہی ہے۔ چلیں ناں، لبرٹی چلتے ہیں، رونق میلہ دیکھیں گے۔"

"پہلے تو جیسے تم کبھی لبرٹی گئی ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔رونق میلہ۔" انہوں نے تیوریاں چڑھا کر پارس سے چائے کا کپ تھامتے ہوئے کہا تھا۔ زارا بھابی ان کے اس قدر غیر متوقع انداز پر خفیف سی ہو گئیں مگر اپنے فطری پُراعتماد انداز میں بولیں۔

"پہلے کے جانے اور شادی کے بعد جانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہو گا۔ مجھے تو نہیں لگتا۔" وہ لاپروائی سے کہہ کر دوبارہ ٹی وی میں مگن ہو گئے۔

"بس جی، آپ کے تو پرانی شادی والے دن آگئے ہیں۔" صارم کے چھیڑنے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی، مگر زارا بھابی ایک جھٹکے سے اُٹھیں اور چلی گئیں

"انہیں کیا ہو گیا؟" حدید بھی پریشان ہوا تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔" ان کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ "اس کو میں شادی سے پہلے پچاسوں بار لبرٹی لے جا چکا ہوں۔ اب وہاں ایسا نیا کیا ہے؟"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ شادی سے پہلے گئے تھے تو اب لے جانے میں کیا مضائقہ ہے؟ حدید کو بھی اختلاف ہوا تھا۔

"یار! فرصت میں گھر رہنے کو جی چاہتا ہے۔" نوید بھائی اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

"بہت لکی ہو تم پارس! تم نے شادی سے پہلے سیر تفریح نہ کر کے بعد کی تفریح بچالی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ورنہ اب تک حدید بھائی بھی اُکتا چکے ہوتے۔" ثوما صاف گوئی سے کہتے ہوئے تائیدی انداز میں حدید کو دیکھنے لگی۔ حدید کچھ کہے بغیر چائے کے گھونٹ بھرنے لگا۔

اور پھر بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ زارا بھابی اور نوید بھائی کی یہ چپقلش دن بہ دن بڑھنے لگی تھی۔

حدید سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ وہ اس کا صبح آفس کے لئے ڈریس استری کر کے ہینگ کر رہی تھی، جب دروازہ ناک کیا گیا۔ وہ کپڑے الماری میں لٹکا کر دروازے کی

طرف بڑھی۔

زارا بھابی کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آیئے بھابی"!

وہ اندر چلی آئیں۔ وہ سمجھیں، حدید شاید سو چکا تھا۔ لیکن وہ یونہی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔

"کیا بات ہے بھابی؟" وہ پریشان ہو کر بولی تو وہ پھٹ پڑیں۔

"حد ہوتی ہے، بے اعتنائی کی بھی پارس! نوید کا روّیہ تو مجھے مار ڈالے گا۔"

"کیا ہو گیا بھابی؟" پارس کو خفقان ہونے لگا۔ حدید نے چونک کر آہستہ سے بازو ہٹایا تھا۔ وہ صوفے پر ان کے پاس بیٹھی تھی۔

"ابھی تو شادی کو بس دو ماہ ہی ہوئے ہیں اور وہ اکتائے ہوئے رہنے لگے ہیں۔" وہ رو رہی تھیں۔

"وہ تو آپ کا اتنا خیال رکھتے ہیں بھابی"!

"خاک خیال رکھتے ہیں۔" وہ غصے سے بولیں۔ "پہلے سے بالکل بدل گئے ہیں۔ پہلے تو وہ ایسے نہیں تھے۔ جہاں پاؤں رکھتی تھی، وہاں پھول بچھانے کو بے تاب رہتے تھے۔ اب تو انہیں اپنے آفس اور بزنس کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پارس نے قدرے جھجک کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ شادی سے پہلے والے روّیے کے پیشِ نظر آپ نے ہی ان سے زیادہ توقعات وابستہ کر لی

ہوں۔"

"میں نے توقعات وابستہ نہیں کیں۔ ان کی نیچر ہی ایسی تھی۔ اتنے وعدے کئے تھے انہوں نے میرے ساتھ۔ اور اب یوں لگتا ہے، دس بیس سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے وہ۔" زارا بھابی روتے ہوئے صورتِ حال بیان کر رہی تھیں۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو گی بھابی! ابھی تو بہ مشکل دو ماہ ہوئے ہیں شادی کو۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔" پارس نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی، مگر وہ سخت برگشتہ ہو رہی تھیں۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی پارس! میں نے اتنے شوق سے کہا کہ مجھے ڈنر کے لئے لے جائیں تو صاف کہنے لگے کہ پھر کبھی سہی۔ میں نے زیادہ اصرار کیا تو کہنے لگے کہ شادی سے پہلے کتنی ہی دفعہ تو ہم جا چکے ہیں۔ اتنا بھی نہیں خیال کرتے کہ اب میں ان کی بیوی ہوں۔ اور یونہی میں نے کہہ دیا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے اظہارِ محبت کرتے رہنا چاہئے۔ تو اتنی بے زاری دکھا کر کہتے ہیں، شادی سے پہلے سب فیلنگز بتا تو دی تھیں۔ اور پھر تم سے محبت تھی، تبھی تو بیاہ کے لایا ہوں تمہیں۔ اتنا نہیں جانتے کہ محبت تو ساری زندگی کا ناٹک ہے۔ یہ اتنی جلدی ایک ہی پیریڈ میں کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ اور اس کے بغیر کیسے جیا جا سکتا ہے؟" وہ بھیگے ہوئے لہجے میں شکوہ و شکایات کا دفتر کھولے بیٹھی تھیں۔ چند لمحوں تک وہ ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لئے سوچتی رہی، پھر اپنے مخصوص سنجیدہ اور نرم لہجے میں کہنے لگی۔

"بات صرف یہ ہے زارا بھابی! کہ آپ نے اپنی تمام فیلنگز ایک صحیح بندے کے ساتھ بہت غلط ٹائم پر شیئر کر لی تھیں۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کے مرد میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آپ کی غلطی یہ ہے کہ آپ نے لفظوں ہی کا نہیں، بلکہ زندگی کا حُسن بھی ان دنوں میں ضائع کر دیا۔ شادی کے بعد کے لئے کچھ چھوڑا ہی نہیں، سوائے توقعات کے۔ حالانکہ اگر آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے انجان ہوتے تو ابھی تک ایک

دوسرے کو جاننے اور پرکھنے کے عمل سے گزر رہے ہوتے۔ مگر آپ دونوں تو پہلے ہی خالی ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اسی لئے تو کسی بات میں آپ لوگوں کو کوئی حُسن دکھائی نہیں دیتا۔ اتنی باتیں کر چکے ہیں، منگنی کے پیریڈ میں کہ اب آپ کو اور نوید بھائی کو سب باتیں پرائی اور سنی ہوئی محسوس ہوتیہیں۔ آپ خود کہتی ہیں کہ منگنی کے دوران آپ اور نوید بھائی ایک دوسرے سے اپنے تمام جذبات واحساسات شیئر کرتے تھے تو پھر اس کے بعد نئی کہانی کیا سنائیں وہ آپ کو؟ بات تو بہت تلخ ہے بھابی! مگر ہے بالکل ٹھیک کہ اب تو بس روٹین لائف ہی چلے گی۔ پہلی پہلی ملاقاتیں، پہلی پہلی تفریح اور نئی نئی رومانی گفتگو تو جبھی اچھی لگتی ہے، جب کہ آپ نے اپنے تمام جذبات واحساسات کو سمیٹ کر دل کے نہاں خانوں میں رکھا ہوتا۔ شادی کے بعد کے حسین دنوں کے لئے۔"

زارا بھابی خاموشی سے اس کے دل میں اُترنے والی باتیں سن رہی تھیں۔ کس قدر صحیح کہہ رہی تھیں وہ۔ واقعی کتنی جلدی ان کی زندگی روٹین کے مطابق چلنے لگی تھی۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئیں۔ پارس نے انہیں روکا نہیں تھا۔

حدید نے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا اور ہر لفظ میں اس کے دل ودماغ کی گرہوں کو کھولتا چلا گیا تھا۔ پارس کا شادی سے پہلے کا گریز، اس کی سنجیدگی اور لئے دیئے رہنے والا انداز اسے کتنا خوب صورت بناتا تھا مگر وہ کبھی سمجھا ہی نہیں تھا۔ اور اب تک وہ اس کی نیچر سے بالکل لاعلم تھا۔ تو کیا یہ خوب صورت دن اس لئے نہیں تھے کہ ایک دوسرے پر خود کو آشکار کیا جاتا؟ ایک دوسرے کو جاننے کے حسین عمل سے گزارا جاتا؟ کیا غلط کہتی تھی پارس کہ شادی سے پہلے نہیں ملنا چاہئے، لڑکے لڑکی کو؟ کتنے حسین الفاظ اور کتنے خوب صورت جذبات ہیں میرے پاس، ایک خزانہ جمع ہے جو اس کے حوالے کرنا ہے مجھے۔

اس کے دل میں بہت دنوں کے بعد سرمستی کی ایک لہر اُٹھی تھی۔ زارا بھابی کا مسئلہ اگرچہ بے حد اہم تھا، مگر

یہ بھی سچ تھا کہ اس کے منظر عام پر آنے سے حدید کی عقل پر پڑے پردے ہٹ گئے تھے۔ پارس کے تمام ڈر اور وسوسے اب اس کے سامنے آئے تھے۔

وہ اپنے بستر سے اُتر آیا اور پارس کے پاس صوفے پر جا بیٹھا۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ حدید کی مسکراہٹ میں محسوس کن دوستانہ پن تھا، جو کم از کم پارس کے لئے توانجانا ہی تھا۔ وہ کترا کر اُٹھنے لگی تھی کہ حدید نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا۔

"سنا ہے، پارس ہو۔ جسے چھولو، سونا کر دیتی ہو؟" بہت دل فریب انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حد درجہ معنی خیزی۔

پارس دنگ رہ گئی۔ خفیف سی سرخی نے اس کا چہرہ رنگین کر دیا تھا۔ حدید کا انداز بہت اچانک اور بے یقین کر دینے والا تھا۔ کہاں وہ طنز واستہزاء سے بھرپور انداز اور کہاں یہ ذومعنویت اور رومانویت۔

"اب اگر میں کندن بننا چاہوں تو؟" وہ بہت شرارت بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"وجہ پوچھ سکتی ہوں، اس مہربانی کی؟" وہ بہت ضبط سے پوچھ رہی تھی۔

حدید نے بھی بے ایمانی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

"میں نے سنی ہیں تمہاری اور زارا بھابی کی باتیں۔ آئی ایم رئیلی سوری۔ میں واقعی غلطی پر تھا۔"

اس کے آرام سے کہہ دینے پر پارس کو غصہ آنے لگا۔ وہ کتنے مزے سے گزرے دو ماہ کی زیادتیوں کے اعتراف سے پہلو تہی کر رہا تھا۔

"تو یہ سب آپ کو پہلے کیوں نہیں سمجھ آیا؟" اس کے تیکھے انداز کو حدید نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

"پہلے اتنی خوب صورت اور عقل مند بیوی جو نہیں تھی میری۔ اور پھر پارس! میں یہ نہیں کہوں گا کہ تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں نے تم سے معذرت کر لی ہے۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اتنی فراخ دلی کوئی

کوئی مرد ہی دکھاتا ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اگر میں تنگ دل اور تنگ نظر ہوتا تو زندگی یونہی گزرتی رہتی۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مجھے تو ہر سہولت حاصل ہے۔ مگر میں تمہیں ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہوں، تمہارے ساتھ جینا چاہتا ہوں، تنہا نہیں۔ تم بھی فراخ دلی دکھاؤ۔"

وہ بہت صاف گوئی سے کہہ رہا تھا اور یوں بھی اتنے روز ہو گئے تھے، اپنی طبیعت کے خلاف ری ایکٹ کرتے ہوئے۔ وہ اُکتا گیا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ پارس کے ساتھ خوب صورت باتیں کرے اور پھر اُس کے چہرے پر پھیلتی شرمگیں سی مسکراہٹ کو آنکھوں میں جذب کرتا رہے۔ مگر یہ انا اور بے جا ضد ہی تھی، جو اُسے اکڑنے پر مجبور کئے ہوئے تھی۔ لیکن اب اُسے سمجھ آگئی تھی۔ وہ راہِ راست پر آگیا تھا۔ پارس کی روح تک ہلکی پھلکی ہو گئی۔ آنکھوں میں چمکتی نمی کے باوجود وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ حدید کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میری ایک بہت اچھی دوست تھی، کالج میں۔ ابھی ہم لوگ ایف اے کے فائنل میں تھے، اب اس کی منگنی اس کے کزن کے ساتھ ہو گئی۔ وہ اُس کا سگا چچازاد تھا اور اب منگیتر بھی۔ تو ان دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی۔ منگنی ہو چکی تھی، دو سال کے بعد شادی ہو جانی تھی۔ کوئی رکاوٹ، کوئی پردہ نہیں تھا اس لئے ان دونوں نے اپنے جذبات و احساسات کو کنٹرول کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے تمام حدود کراس نہیں کیں، مگر کبھی حدود کا زیادہ خیال بھی نہیں کیا۔ ایک دوسرے کو بڑی گرم جوشی سے ہر موقع پر وِش کیا جاتا اور ابھی ان کی شادی میں چھ سات ماہ باقی تھے کہ دونوں گھرانوں کے مابین فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بزنس کا معاملہ تھا۔ بات بڑھتے بڑھتے تعلقات کے خاتمے پر آگئی۔ ان دونوں کی منگنی بھی ختم ہو گئی۔ اگلے ہی ماہ میری دوست کی شادی کہیں اور کر دی گئی۔ وہ اب خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاتی ہے۔ اپنے شوہر کی، اپنے ضمیر کی اور سب سے بڑھ کر اپنے خدا کی عدالت میں وہ خود کو مجرم محسوس کرتی ہے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ شادی تو ہونی ہے، پھر خوامخواہ کی شرم و جھجک کا کیا فائدہ؟ مگر اسے بعد میں احساس ہوا کہ منگنی کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہوتی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

منگیتر نامحرم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی مذہبی تعلق نہیں ہوتا۔"

وہ اپنے تمام تر اوہام، تمام تر وسوسے حدید کے سامنے عیاں کر چکی تھی۔ بہت ضبط کرتے کرتے بھی اُس کی آواز رندھ گئی۔

"پتہ ہے، حدید! میں خود کو بہت خوش قسمت تصور کرتی تھی کہ بِنا تجربے کے ہی مجھے فہم و شعور حاصل ہو گیا ہے۔ مگر مجھے علم نہیں تھا کہ میں معاشرے سے الگ کوئی کام کر رہی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ جس کے لئے میں اپنے جذبات و احساسات کو سینت سینت کر رکھ رہی ہوں، وہی مجھے مجرم ٹھہرائے گا، میری عزتِ نفس کو یوں روندے گا۔"

اس کے لہجے میں مخفی شکوہ، حدید کو بہت شدت سے محسوس ہوا تھا۔ اس نے آہستہ سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

"بندہ بشر ہوں یار! مان رہا ہوں کہ غلطی ہو گئی۔" اس کے حد درجہ معصومیت سے بات ختم کرنے پر پارس کو ہنسی آ گئی۔

"تو پھر کر دو نا۔" وہ اس کی مسکراہٹ پر ہلکا پھلکا ہو کر بصد اصرار بولا اور اس کی شوخی کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے پارس کنفیوژ ہونے لگی۔

"کیا؟"

"چھو لو اور کندن کر دو۔"

اس کی فرمائش پر پارس کو اپنی پیشانی تپتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور اُس کے اس قدر سٹپٹائے ہوئے انداز پر حدید خوش گوار سا قہقہہ لگا بیٹھا۔

اور اب وہ تمام خوب صورت باتیں اسے ابھی سنانے پر بضد تھا۔ اور وہ اس کی محبتوں کے حصار میں گھری، دھڑکنوں پر

قابو پاتی سوچ رہی تھی کہ صبح اسے سب سے پہلے ثوما اور زارا بھابی کا شکریہ ادا کرنا تھا، جن کی ڈرامے بازی کی وجہ سے وہ حدید کو اس کی غلطی کا احساس دلا پائی تھی اور وہ بھی مان گیا تھا کہ خدا کے احکامات کی خلاف ورزی کا مطلب فقط بربادی ہے اور ان کی تعمیل سے زندگی گل و گلزار ہے۔

...☆☆☆...

چلو کہ جشنِ بہاراں دیکھیں

وہ سوکھے کپڑوں کا ڈھیر چھت پر سے اُتار کے لائی اور آتے ہی نورین سے تہہ کرنے کو کہا اور خود پلنگ پر دراز ہو گئی۔

"ہائیں۔۔۔۔۔۔۔یہ کہاں سے آگئی؟" نورین کی حیران کن آواز پر اس نے مندی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ پیرٹ گرین شرٹ ہاتھ میں تھامے حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔

"ہو گی کسی کی۔۔۔۔۔۔۔" اُس نے بے پروائی سے کہتے ہوئے دوبارہ آنکھیں موندی تھیں۔

"لیکن مجھے معلوم ہے، اس کلر کی شرٹ ہمارے گھر کے کسی لڑکے نے کبھی نہیں پہنی۔" نورین بہ ضد تھی کہ یہ شرٹ گھر کے لڑکوں میں سے کسی کی نہیں۔

"لیکن میں نے خود دھوئی تھی۔" وہ جھنجلا کر بولی تو نورین نے پوچھا۔

"پکی بات ہے؟"

"اب اسٹامپ پہ لکھ کے دوں کیا؟" وہ بڑے تحمل سے بولی تو نورین نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"اگر یہ وہی وائٹ شرٹ ہے، جو نبیل صبح دھونے کو کہہ رہا تھا تو اس کی ہیئت کذائی پر وہ تمہیں کبھی نہیں بخشے گا۔"

نورین کی بات پر وہ دھک سے رہ گئی۔ پھر ہڑبڑا کر اُٹھی۔

"اوہ گاڈ۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔یہ تو وائٹ تھی۔"

"ہاں میری جان! کبھی ہوتی تھی یہ وائٹ۔ مگر اب تم اس پر بڑی کامیابی سے نوشی کے سوٹ کا رنگ چڑھا چکی ہو۔" نورین مسکرائی۔

"اب کیا ہو گا؟۔۔۔۔۔۔۔اُس کا تو غصہ اتنا برا ہے۔" وہ بے ساختہ بولی تو نورین نے استعجاب سے اسے دیکھا۔

"تم اور نبیل سے ڈر جاؤ۔ ناممکن۔" وہ یوں ہنسی جیسے شہزینہ کا مذاق اُڑا رہی ہو۔

"ڈر نہیں رہی۔ بس ویسے ہی، وہ پھر سے لڑنے بیٹھ جائے گا۔ اس لئے کہہ رہی ہوں۔" وہ فوراً سنبھلی تھی لہجے میں بے پروائی سموئی۔ حالانکہ وہ اندر ہی اندر متوقع صورتِ حال سے خائف ہو رہی تھی۔

"تمہیں تو بہت مزہ آتا ہے، اُسے تنگ کر کے۔ اب کیا ہو گا؟" نورین کی حیرت فطری تھی۔

اس دو پورشنز والے گھر میں اگر کسی کی آپس میں کبھی بھی بن نہیں پائی تھی تو وہ نبیل اور شہزینہ ہی تھے۔

شہزینہ کی ہٹ دھرمی اور ضدی طبیعت، نبیل کو سختی اور بیزار کن روّیے پر اُکساتی تھی۔

رات کو وہ فوں فوں کرتا شرٹ ہاتھوں میں لئے اُس کے کمرے میں چلا آیا۔

"یہ کیا، کیا ہے تم نے؟۔۔۔۔۔۔۔میری نئی شرٹ تھی بالکل۔" اُس کا غصہ دیکھ کر وہ خوف زدہ سی ہو گئی۔ مگر جو حیثیت اُس کی تھی، اس کے مطابق اُسے سہمنا یا ڈرنا نہیں چاہئے تھا۔

"میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیسے لاعلمی میں۔۔۔۔۔۔۔" اُس نے اپنی صفائی پیش کرنی چاہی، مگر وہ عادی ہی کہاں تھا۔

"آخر تم اتنی لاعلم کیوں رہتی ہو؟ یہ چھٹی مرتبہ کیا ہے تم نے ایسا۔" وہ شرٹ گول مول کر کے اس پر اچھالتے ہوئے تلملا کر بولا تو اس کے اندر بے بسی کی ایک لہر سی اُٹھی۔ بھلا میرا کیا قصور؟ اب ناکردہ گناہوں کی سزا بھی میں بھگتوں؟

"سوری نبیل!" وہ اُس کا سرخ چہرہ دیکھ کر بہ مشکل بول پائی۔

"شٹ اپ۔۔۔۔۔۔۔آئندہ کبھی ایسی حرکت کی تو۔۔۔۔۔۔۔" وہ اُسے دھمکاتا جیسے آیا تھا، ویسے ہی چلا گیا۔

"اوہ گاڈ!" اُس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔"یہ کہاں پھنسا دیا تم نے؟ ہر روز ایک نیا قصہ سامنے آجاتا ہے۔ پتہ نہیں، میں یہ سب سنبھال بھی پاؤں گی یا حقیقت سب پر آشکار ہو جائے گی۔ جو کچھ میں نے نہیں کیا، اس کا بھی الزام مجھ ہی پر آرہا ہے۔ صف بڑے ریلیکس موڈ میں فلور کُشن پر کہنی ٹکائے میگزین میں غرق تھا۔ وہ دبے پاؤں کئی مرتبہ اس کے پاس گئی، مگر کافی ہمت مجتمع کرنے کے بعد بھی وہ بات نہیں کر پائی۔ چھٹی بار وہ جھنجلا کر اپنی کم ہمتی کو کوستی واپس پلٹنے لگی تو آصف کو خود ہی شاید اس پر ترس آگیا۔

"یوں کیوں بلیوں کی طرح پھر رہی ہو؟' اس نے میگزین سے نظر اٹھائے بغیر پوچھا تھا۔ وہ آہستگی سے صوفے پر ٹِک گئی۔ اُف۔۔۔۔۔۔۔کتنا مشکل ہے یہ سب۔ پتہ نہیں وہ کیسے کر لیتی تھی۔ مجھے تو پل پل اپنی طبیعت کو کچلنا پڑتا ہے۔

"مجھے ایک کام تھا تم سے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ آصف نے پہلے حیرت سے اُسے دیکھا، پھر ہنس دیا۔

"کمال ہے، شینا!۔۔۔۔۔۔۔۔لگ تو نہیں رہا کہ تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے۔ تمہارے تو تیور ہی کام کروانے والے نہیں۔" وہ صاف اُس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ وہ اندر سے جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی۔ کیوں نہیں میں وہ انداز اپنا پاتی۔

"تمہیں پتہ ہے کہ نبیل اپنے کپڑے کون سی شاپ سے لیتا ہے؟" وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ میں دراصل۔۔۔۔۔۔۔اُس کے لئے ایک شرٹ لینا چاہ رہی تھی۔ بالکل ایسی۔" اُس نے پیرٹ گرین شرٹ آگے کر دی۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔۔۔۔۔یہ رنگ پہنے گا وہ؟ اس کے ساتھ یہ مذاق مت کرنا۔ خوامخواہ لڑائی مول لو گی۔"

"پلیز آصف!۔۔۔۔۔۔۔اس کلر میں نہیں لینی۔ اس کی وائٹ شرٹ کا کلر کل مجھ سے خراب ہو گیا ہے۔"

اُس کی مسمسی صورت دیکھ کر آصف نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"کمال شے ہو شینا! تم۔ اتنا تنگ نہ کرو اُسے۔ کسی دن ضائع ہو جاؤ گی، اس کے ہاتھوں۔" آصف نے داد دینے والے انداز میں کہتے ہوئے اسے وارننگ دی تھی۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔ یاخدا! کیسے بتاؤں کہ میں تنگ نہیں کر رہی۔ حد ہو گئی ہے، بے بسی کی۔ کتنا کچھ ہے کہنے کو۔ مگر کچھ کہنا قیامت لانے کے مترادف ہے۔

"اچھا، اب تم لادو گے یا بس یونہی بحث کئے جاؤ گے؟" اندر کی بے بسی کھولن بن کے ظاہر ہوئی تو آصف نے گہری سانس لی۔

"لادوں گا یار"!

"تھینک یو برادر! اور بالکل یہی چیز ہونی چاہئے، وائٹ کلر میں۔ یہ پیسے رکھ لو۔" اس نے روپے آصف کے ہاتھ میں تھمادیئے۔

"کمال ہے۔ تم تو پرانی شینا لگتی ہی نہیں۔"

وہ بے تحاشا ٹھٹکی تھی۔ تیزی سے مڑ کر آصف کو دیکھا۔ وہ پھر سے میگزین کھول چکا تھا۔ وہ چھپاک سے باہر نکل گئی اور اگران لوگوں کو پتہ چل جائے کہ میں واقعی "وہ" شینا نہیں ہوں تو۔۔۔۔۔۔۔؟ اُس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

آصف نے مہربانی کی کہ اسے شام تک شرٹ لادی۔

"ویسے آپس کی بات ہے۔ یہ مہربانیاں کس سلسلے میں ہیں؟ مجھے ہی بتادو۔" اس کے معنی خیز لہجے پر وہ بوکھلا

گئی۔

"آصف !۔۔۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔۔" اُسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ کیا کہے اور وہ ہنستا ہوا، کی چین ہوا میں اُچھال کر کیچ کرتا چلا گیا۔ وہ پیر پٹخ کر رہ گئی۔ شرٹ والا شاپر اس نے پھینک دیا۔

"یہاں تو ہر قدم پر مصیبت ہی ہے۔ اب جو نہیں ہے وہ کیسے ظاہر کروں؟ میں نے اسے منع بھی کیا تھا، مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا۔ مگر وہ ہے ہی ایسی۔ ٹھیک کہتے ہیں سب۔ ضدی، خود سر اور بد تمیز۔" اُس کی جھنجلاہٹ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ اگر نوشی جان جاتی تو شاید وہ یونہی ٹینس ہوتی رہتی۔ "یہ آصف کیا کہہ رہا ہے شینا؟" شینا نے غیر یقینی کیفیت میں نوشی کو دیکھا۔

"تم نبیل کو گفٹ دے رہی ہو؟"

وہ سر تھام کے بیٹھ گئی۔

"بتاؤ نا۔" نوشی حیران تھی۔ اُس نے سر اُٹھا کر اسے گھورا۔

"کس نے کہا کہ میں نبیل کو گفٹ دے رہی ہوں؟"

"آصف نے۔" گھڑا گھڑایا جواب آیا۔

"اب میرے پاس فضول روپے نہیں، جو ضائع کرتی پھروں۔ اس کی شرٹ مجھ سے خراب ہوگئی تھی، اس کے بدلے دے رہی ہوں۔ اگر گفٹ دینا ہوتا تو آصف سے منگوانے کے بجائے خود جا کر لاتی۔"

"اس سے پہلے تم کئی مرتبہ یہی حرکت کر چکی ہو۔ تب تو تم نے ایسی نیکی نہیں کی۔" نوشی نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"خدا کے لئے نوشی !۔۔۔۔۔۔۔ میری جان چھوڑ دو اور یہ شرٹ تم اپنی طرف سے اسے دے دو۔ میں تو پھنس گئی نیکی کر کے۔" اس نے جھلّا کر کہتے ہوئے شاپر اٹھا کر زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ میں بھی کہوں، شینا اتنا کیسے بدل سکتی ہے؟" نوشی طمانیت اور سکون سے کہتی پلٹ گئی۔

وہ روہانسی ہو کر بستر پر گر گئی۔ یہاں تو کسی سے ہمدردی کرنا بھی جرم ہے اور کسی کے لئے نہیں، بس شینا کے لئے۔۔۔۔۔۔۔ ہنہ۔"

...☆☆☆...

وہ فون پر مسلسل اس سے جھگڑ رہی تھی۔

"کتنی بگڑی ہوئی ہو تم، مجھے تو اب احساس ہو رہا ہے۔ پتہ نہیں، کب تک مجھے یونہی۔۔۔۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔۔۔۔ "

وہ بات کر رہی تھی کہ اچانک لائن کٹ گئی۔ اس نے جھلّا کر نظر اٹھائی۔ نبیل بڑے سکون سے کریڈل پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس کے کھلے لب آپس میں مضبوطی سے جڑ گئے۔

"مجھے فون کرنا ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تھا۔ اُمید واثق تھی کہ اب وہ کٹ کھنی بلی کی طرح اس پر جھپٹ پڑے گی۔ مگر وہ حیران رہ گیا۔ اس نے خاموشی سے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"کبھی کچھ اور کام بھی کر لیا کرو۔" وہ نشتر چبھونے سے باز نہ آیا۔ وہ چپ چاپ پلٹی تھی۔ نبیل نمبر پش کرتے ہوئے پُر سوچ انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

"شینا! کیا سوچا پھر سدرہ کی برتھ ڈے میں جانے کے لئے؟" نوشی نے اسے دیکھتے ہی ہانک لگائی تھی۔ مگر وہ صاف نظر انداز کرتے ہوئے ماما کے پاس آگئی۔ وہ بڑی ممانی سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ ان سے لپٹ کے بیٹھ گئی۔

"تم بالکل بچی بنتی جا رہی ہو، شینا!" ماما نے فہمائشی انداز میں کہا۔ مگر اس پر قطعی اثر نہیں ہوا۔

"ماما! میں آپ کی گود میں سر رکھ کے لیٹ جائوں؟" اس نے معصومیت سے فرمائش کی تھی۔

"کیا بات ہے شینا؟آر یو آل رائٹ بیٹا؟" ماما متفکر سی اس کو ساتھ لگاتے ہوئے بولیں تو اس نے کچھ کہے بغیر ان کے سینے میں چہرہ چھپالیا۔ایک ٹھنڈک سی اس کے دل میں اُترنے لگی۔

"میرے خیال میں بور ہو رہی ہے۔پہلے تو کالج کی روٹین تھی،اب تو یہ بالکل فارغ ہے۔" بڑی ممانی نے مسکرا کر کہا تھا۔

"تو پھر تم کمپیوٹر کا کورس کر لو۔ تمہیں تو شوق بھی تھا۔" ماما نے اُس کے بالوں میں اُنگلیاں چلائیں تو وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"پہلے تھا۔اب بالکل بھی نہیں ہے۔اب تو میں بس آپ کے ساتھ ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" وہ بڑی محبت سے بولی تو انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔اس نے آزردگی سے آنکھیں موندی تھیں۔

"ماما!آپ مجھے اپنے پاس کیوں نہیں سلاتیں؟میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ سے لپٹ کے سوئوں۔" وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ماما نے استعجاب سے بڑی ممانی کو دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے شینا گڑیا؟۔۔۔۔۔۔۔پریشان ہو؟" انہوں نے متفکرانہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھا۔پتہ نہیں،کچھ دنوں سے وہ انہیں بدلی بدلی اور نئی نئی سی کیوں لگ رہی تھی۔ایسی باتیں کرتی کہ اس پر پیار آنے لگتا۔ساری ضد اور اکڑ جیسے اس نے ایک دم سے ختم کر دی تھی۔

"نہیں ماما! بالکل نہیں۔ بھلا آپ کے پاس رہ کے میں پریشان ہو سکتی ہوں؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ مطمئن ہو گئیں۔

"سدرہ کی طرف نہیں جانا؟دو بار اس کا فون آچکا ہے۔ تمہیں تو ٹائم سے پہلے جانا چاہئے۔" بڑی ممانی نے اسے یاد دلایا۔یہ وہ ٹاپک تھا،جو پچھلے دو دنوں سے گھر میں بار بار چل رہا تھا اور وہ اس سے جان بچا رہی تھی۔

"ماما! بالکل بھی دل نہیں کر رہا جانے کو۔" اس نے منہ بسورا تھا۔

"ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔یہ میں کیا سن رہی ہوں؟سدرہ کی طرف جانے کو دل نہیں کر رہا؟اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ماما نے اسے گھور کے دیکھا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"چلو اُٹھو۔۔۔۔۔۔۔۔جا کے تیار ہو جائو۔اتنی چاہت سے اس نے بلایا ہے تمہیں اور تم ہو کہ نخرے دکھا رہی ہو۔ناراض ہو جائے گی وہ۔"

بڑی ممانی کے انداز سے اسے اندازہ ہوا کہ سدرہ اس کی بہت اچھی سہیلی ہے اور اس کا جانا کسی صورت بھی ٹل نہیں سکتا۔یااللہ!۔۔۔۔۔۔۔۔کیا کروں؟اچھا بھلا طبیعت خراب ہونے کا موقع مل رہا تھا۔

"مگر ماما! جائوں گی کیسے؟" اس نے کاہلی سے پوچھا تو وہ اطمینان سے بولیں۔

"نبیل ہے نا۔اسی کے ساتھ جانا۔"

"اوہ نو ماما!" وہ کراہی۔

"دیکھو،اتنی لڑائی اچھی نہیں ہوتی۔" بڑی ممانی مسکرائیں۔نبیل اُنہی کا بیٹا تھا۔

"اچھا جلدی سے تیار ہو جائو۔میں ابھی نبیل سے کہتی ہوں۔" ماما نے اب کی بار قطعی انداز اپنایا تو وہ اُکتائے ہوئے انداز میں ان کے پاس سے اُٹھی۔

الماری کھولے ہینگرز کو اِدھر اُدھر کرتے وہ مسلسل عذاب میں مبتلا تھی۔اب کیا ہو گا؟کا نیون سائن پوری آب وتاب کے ساتھ اس کی ذہن کی اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔کیسے پہچانوں گی،سدرہ کو؟اور اگر کوئی اور دوست مل گئی تو؟میں تو کسی کو جانتی تک نہیں۔اور پتہ نہیں،کیسی ہے وہ۔اگر اُسے پتہ چل گیا تو۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن ماما کو بھی تو پتہ نہیں چلانا۔۔۔۔۔۔۔۔اُس نے خود کو تسلی دی تھی۔کیونکہ جانا تو بہر حال تھا۔ماما کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اس کا جانا ضروری ہے اور وہ زیادہ انکار کر کے ماما کو خود سے مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی۔"اللہ میاں!

"تُو ہی بچانا مجھے۔ اتنی بڑی غلطی اور دھوکا تو نہیں ہے یہ۔" وہ پرفیوم اسپرے کر رہی تھی، جب نورین نے اندر جھانکا۔

"باہر تمہارا دشمنِ اوّل غصے سے بے حال ہو رہا ہے۔ جلدی کرو۔"

اس خبر نے اس پر گھبراہٹ طاری کر دی۔ وہ جلدی جلدی دوپٹہ شانوں پر ڈالتی باہر آئی تھی۔ بڑی ممانی نے بڑی ستائش سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ ماما نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چومی تھی۔

"ماشاءاللہ۔۔۔۔۔۔۔۔ کتنی پیاری ہو گئی ہے میری بیٹی۔"

اُن کی برملا تعریف اور بڑی ممانی کے ہاں میں ہاں ملانے پر وہ بھی نبیل کے سامنے جھینپ گئی۔ نبیل نے اچٹتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تو وہاں کھلنے والی سرخی نے نگاہ کو لمحہ بھر کے لئے جکڑ لیا۔ یہ منظر اس کے لئے نامانوس تھا۔ وہ سحر انگیز تاثر کو توڑنے کے لئے اکتاہٹ آمیز لہجے میں بولتا باہر نکل گیا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے بڑھی تھی۔

"گفٹ لے لیا ہے یا لینا ہے ابھی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ ہراساں سی اسے دیکھنے لگی۔ اس کے ہونق پن پر وہ چڑ گیا۔

"فرنچ میں بات نہیں کر رہا میں۔ گفٹ لینا ہے یا لے لیا؟" اس کے حد درجہ سخت لہجے پر اُسے ذلت کا احساس ہوا۔

"میں اس انداز اور لہجے کی عادی نہیں ہوں۔" اس کی بھرّائی آواز میں سخت ناراضگی تھی۔ وہ ہکّا بکّا تھا۔

"یہ شینا ہے؟"

"میرے خیال میں میرا لہجہ تمہارے لئے قطعی نیا یا غیر متوقع نہیں ہے۔ البتہ تمہارے رویے میں بہت تبدیلی دیکھ رہا ہوں میں۔ خیر تو ہے نا؟ اب کیا چال چلنا چاہتی ہو تم؟"

وہ کڑوے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ ہونق بن کر رہ گئی۔ ایک اور آزمائش۔ ایک اور امتحان۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ گفٹ ماما نے دے دیا تھا مجھے۔" اس نے فواً ہی لہجے میں رکھائی سمو کر اپنا بیگ ٹٹولا تھا، جہاں ماما کی دی ہوئی گولڈ کی رِنگ کی ڈبیہ موجود تھی۔

"ہنہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایکٹریس ہو۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ "کدھر جانا ہے اب؟"

اس نے جھٹکے سے سر اُٹھا کر نبیل کو دیکھا تھا۔ وہ بالکل ہلکی اسپیڈ پر گاڑی ڈرائیو کرتا اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"تمہیں نہیں معلوم۔۔۔۔۔۔۔۔؟" لہجے میں حتی الامکان بے نیازی سموئی تو وہ اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"وہ تمہاری سہیلی ہے، میری نہیں۔ اور یہ کسوٹی میرے ساتھ کھیلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کدھر جانا ہے؟" اُس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنا چاہا۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں؟" وہ دانت پیس کر بولا تو وہ جو اس غیر متوقع سچویشن پر بہت ضبط کئے بیٹھی تھی، ایک دم رو دی۔ نبیل کا پیر بے اختیار بریک پر پڑا تھا۔

"یہ کیا ڈرامہ بازی شروع کر دی ہے تم نے؟" وہ دبے دبے لہجے میں دھاڑا تھا۔ اس کے انداز پر وہ سہم کر گاڑی کے دروازے سے جا لگی۔

"کدھر ہے سدرہ کا گھر؟" وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب بھی یہ فضول ڈرامہ بند نہ کیا تو سیدھا گھر لے جاؤں گا۔ پھر چاہے منتیں کرتی رہو، کبھی نہیں لاؤں گا۔" وہ دھمکانے لگا۔ مگر اسے کچھ پتہ ہوتا تو بتاتی نا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرا سر چکرا رہا ہے۔ مجھے گھر لے چلو، پلیز۔" اس نے بھیگی آنکھوں میں التجا سمو کر کہا تو اس نے لب بھینچ کر جیسے خود کو کچھ کہنے سے روکا اور پھر ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

اُسے پانچ منٹ میں واپس آتے دیکھ کر سب حیران رہ گئے تھے۔ مگر کسی کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی وہ ماما سے لپٹ کر رونے لگی۔ اب سب کی مشکوک نظریں نبیل پر تھیں۔

وہ، جو اصل صورتِ حال بتانے والا تھا، جھنجلا کر واپس پلٹ گیا۔ بڑی ممانی نے صورتِ حال کو بھانپ کر فوراً نبیل کو آواز دی۔ وہ مسلسل ماما سے چمٹی تھی اور وہ پریشان ہو رہی تھی۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ کیا تماشا ہے؟'' اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ دل پہ جبر کر کے واپس لوٹا ہے۔ ممانی کے سخت لہجے پر وہ ذرا دیر کو دنگ رہ گیا۔

''یہ میرا نہیں، اس کا نیا تماشا ہے۔'' وہ غصے سے ماں کو جواب دیتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''محترمہ کو اپنی دوست کے گھر کا ایڈریس ہی نہیں معلوم۔ اب میں نجومی تو نہیں کہ خود بخود مجھے پتہ چل جائے۔ پھر بولی کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں، گھر چلو۔'' وہ سخت غصے میں تھا۔

''شینا۔۔۔۔۔۔!'' ماما کا دل گھبرانے لگا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ سدرہ کے گھر کا پتہ اسے نہ ہو۔ وہ اس کی بچپن کی دوست تھی۔

''یہ کیا مذاق ہے۔۔۔۔۔۔؟'' ماما نے اسے پیچھے جھٹکا مگر اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ واقعی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہ بس اپنے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں؟'' ان کے لہجے میں سختی آگئی۔ نبیل بھی تماشا دیکھنے کے لئے عین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ماما کے لہجے پر وہ خائف سی ہو گئی۔

''سچی ماما! کوئی بات نہیں۔ اور نہ ہی میں نے مذاق کیا ہے۔ میری طبیعت خراب ہونے لگی تھی۔ سر چکرا رہا تھا۔'' وہ اپنی صفائی پیش کرتی بہت عجیب سی لگ رہی تھی۔ اس سے پہلے تو وہ بندے کو بولنے ہی نہیں دیتی تھی۔ بات ماننا تو اس کی سرشت میں شامل ہی نہ تھا۔ البتہ بات منوانا اور حالات کو اپنے حق میں کرنا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ نبیل نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''پھپھو! آپ کی صاحبزادی کی یادداشت شاید کھو گئی ہے، اسلام آباد ہی میں کہیں۔'' اُس کا لہجہ طنز سے پُر تھا۔

شینا کے دل کو جیسے کسی نے شکنجے میں کس لیا۔ اس نے بے اختیار نبیل کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں کیا نہیں تھا۔ تمسخر، طنز اور استہزائی۔ اس نے فوراً ہی نظریں موڑی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔

''چلو، چل کے آرام کرو اب۔ سدرہ سے فون پر سوری کر لینا۔ ویسے ناراض تو وہ بہت ہو گی۔'' بڑی ممانی نے پیار سے اس کا رخسار تھپکا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''ماما! آپ خود اس سے بات کر لیجئے گا۔ مجھ سے تو وہ واقعی نہیں بولے گی۔'' اس نے بھرّائے ہوئے لہجے میں کہا اور اُٹھ کر تھکے تھکے انداز میں اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''نجمہ آئے تو اس کا چیک اپ کرواؤں گی۔ آج کل بہت سست سی لگ رہی ہے۔'' ماما نے پُرسوچ انداز میں کہا تو بڑی ممانی نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ چھوٹی ممانی، نجمہ اور چھوٹے ماموں دونوں ڈاکٹر تھے۔ وہ ابھی کپڑے بدل کے بستر پر لیٹی ہی تھی کہ نوشی اور نورین آگئیں۔

''کیا ہو گیا تمہیں؟ اچھی بھلی تو گئی تھیں۔'' نوشی اس کے پاس نیم دراز ہوتے ہوئے حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''پتہ نہیں۔ بس ایک دم سے سر چکرانے لگا۔'' اس نے پھر سے وہی بہانہ بنایا تھا۔ اب کیا کہتی کہ اپنی دوست کے گھر کا ایڈریس ہی معلوم نہ تھا۔

''لگتا ہے، نبیل بھائی کی نظر لگ گئی ہے۔'' نورین شوخ ہوئی۔

''کیوں۔۔۔۔۔۔اس کی کیوں؟'' اس نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ جواب میں وہ دونوں ہنسنے لگیں۔ انداز ایسا ہی تھا، جیسے کہہ رہی ہوں کہ اب ہمیں تو بے وقوف نہ بناؤ۔

''میرے خیال میں جب لڑکی اتنی پیاری لگ رہی ہو تو نظر لگانے کا جواز تو ہوتا ہی ہے۔۔۔۔۔۔۔ خصوصاً ایک منگیتر کے پاس۔'' نوشی نے بات کی تھی یا دھماکا۔ اس کا دماغ جھنجنا کر رہ گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے سر

اٹھاکراس کی طرف دیکھا تھا۔

"منگیتر۔۔۔۔۔۔۔۔میرا۔۔۔۔۔۔۔نبیل۔۔۔۔۔۔۔۔؟" اُس کے ذہن میں اسپارکنگ ہونے لگی۔ "اے۔۔۔۔۔۔۔مانتی ہوناں؟" نوشی نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تھا۔وہ جواب دینے کی پوزیشن میں تھی ہی کہاں۔

"پلیز،اب تم دونوں جائو۔میں آرام کروں گی۔" اس نے اپنے لہجے کو بہ مشکل قابو میں رکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں کہا۔ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ اس پزل پر رونے لگے، جس میں ہر لمحہ ایک نئی گیم سامنے آرہی تھی۔

"ہاں،ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔رنگت پیلی پڑرہی ہے تمہاری۔آرام کرواب۔" نورین نے فوراً کہا تھااور ساتھ ہی نوشی کو بھی اشارہ کیا۔وہ سبھی شینا کے موڈ سے ڈرتے تھے۔وہ پل میں تولہ ہوتی اور پل میں ماشہ۔

ان کے جانے کے بعد اس نے خالی خالی نظروں سے بائیں ہاتھ کی تیسری اُنگلی میں پڑی ڈائمنڈرِنگ کو دیکھا۔ اس کا مصرف آج اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

اُف۔۔۔۔۔۔۔یہ کس گرداب میں پھنس گئی ہوں میں۔اُس کی آنکھیں فوراً پانی سے بھرنے لگیں۔ذہن چٹخنے لگا تھا،اس قدر غیر متوقع صورتِ حال پر۔

جو بات ہنسی مذاق اور انجوائے منٹ سے شروع ہوئی تھی،وہ اس قدر اُلجھی ہوئی اور عجیب صورت اختیار کر لے گی،یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔وہ تکیے میں منہ چھپاکے لیٹ گئی۔ذہن اس صورتِ حال پر غور کر کر کے تھک گیا تھا۔یاخدا!میری مدد کرنا۔وہ مسلسل سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی۔جب اس نے یہ انگوٹھی پہنی تھی تواسے قطعی علم نہ تھا کہ اس خوب صورت اور چھوٹی سی چیز کے پیچھے اتنی بڑی کہانی چھپی ہو گی۔

"یہ اس ڈرامے کی سب سے خاص شے ہے۔" ذہن کے پردے پر ہنستا ہوا فریش جملہ لہرایا تھا۔اُس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اس سارے معاملے کو یہیں ختم ہو جانا چاہئے، مگر کیسے؟

آدھی رات کو وہ لائونج میں گئی اور فون اُٹھاکر دبے پائوں کوریڈور میں لے آئی۔نائٹ بلب کی روشنی میں اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر پش کئے اور فون کی بیل سننے لگی۔ایک ایک لمحہ اس کے اعصاب پر بوجھ بن کے گزر رہا تھا۔کتنی ہی دیر کے بعد فون ریسیو کیا گیا۔

"ہیلو،جی۔۔۔۔۔۔" وہ فوراً پہچان گئی۔یہ شمیم کی آواز تھی۔وہ کھنکاری۔

"تمہاری چھوٹی بی بی سے بات ہو سکتی ہے کیا؟" اس نے تعارف کرائے بغیر بات کی تھی۔لہجے میں ذرا سا بھاری پن پیدا کیا۔وہ جانتی تھی کہ شمیم کس قدر بے وقوف سی لڑکی ہے۔وہ کیا اور کیوں کے چکروں میں نہیں پڑتی تھی۔

"وہ تو جی،صاحب جی کے ساتھ گئی ہوئی ہیں۔" شمیم کی نیند زدہ آواز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

اس نے حیرت سے ٹائم دیکھا۔

"اس وقت رات کے ڈیڑھ بجے وہ کہاں گئی ہے؟"

"وہ جی سیر پر گئی ہیں۔۔۔۔۔۔۔کاغان اور سوات۔آج صبح ہی نکلے ہیں وہ لوگ۔"

اس کے کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں آنے لگیں۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔۔۔ہیلو جی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ پتہ نئیں کون تھی؟" دوسری طرف سے جھلاہٹ بھرے انداز میں کہتے ہوئے شمیم نے فون رکھا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر یونہی بیٹھی رہی۔

"تمہاری چھٹیاں ہو لیں پکی والی تو پھر ڈیڑھ دو مہینوں کے لئے چلیں گے سوات اور کاغان۔" شفقت سے بھرپور لہجہ اس کی سماعتوں کو جیسے توانائی بخش گیا۔وہ جھر جھری لے کر بیدار ہوئی تھی۔تھکے ہوئے انداز میں اس نے ابھی تک کان سے لگا ریسیور ہٹا کر کریڈل پر رکھ دیا۔تنہا تنہا ہو گئی تھی وہ،اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔

ابھی فقط ایک ہفتہ گزرا تھا اور اس کا دل سہا ہوا تھا۔ اب تو گویا پکی مہر لگ گئی تھی کہ یہ معاملہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ اسے رہ رہ کے اپنی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا۔ کیوں کر بیٹھی میں ایسی فضول حرکت؟ اُس دن ایکسائٹڈ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوف زدہ بھی تھی۔ مدِ مقابل کی آنکھوں کی جو شیلی چمک اور خوشی نے اسے گہری سوچ میں پڑنے ہی نہیں دیا تھا اور اسے بھی بہت تمنا تھی، محبتوں بھرے اس گھر میں آنے کی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اصلیت معلوم ہونے کے بعد صورتِ حال کا سامنا کرنا اس جیسی بزدل اور سہمی ہوئی لڑکی کے بس کا روگ نہیں۔ مگر تب وہ بھی جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو رہی تھی۔

گہری سانس لے کر وہ اُٹھی اور ٹیلی فون کو اس کی جگہ پر رکھا۔ کچن میں سے نکلتے نبیل نے قدرے آنکھیں میچ کر اسے پہچانا تھا۔ وہ اسی انداز میں دبے پائوں اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ نبیل پر پہلی نظر پڑتے ہی دل لرز کر رہ گیا۔ اس ایک نظر میں وہ اسے قطعی پہچان نہیں پائی تھی۔

’’ہو گیا فون۔۔۔۔۔۔۔؟‘‘ اس کا لہجہ تلخی سے بھرپور تھا۔ وہ سُن کھڑی رہ گئی۔ یوں لگا جیسے بدن میں جان ہی نہ رہی ہو۔ کیا اس نے سن لیا ہے؟

وہ اب قدرے قریب آ کر اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔

’’کیا کہا، ذیشان حیدر نے؟۔۔۔۔۔۔۔ کہیں خدانخواستہ جواب تو نہیں دے دیا؟‘‘ وہ تمسخرانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ ذیشان حیدر؟ اب یہ کون ہے؟ وہ ششدر رہ گئی۔

’’تمہیں شرم نہیں آتی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے؟۔۔۔۔۔۔۔ اور ابھی تو تم اپنے کمرے میں جائو، صبح بات کروں گا میں تم سے۔‘‘ اس کا لہجہ تپا ہوا تھا۔

وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں متوحش سی اسے دیکھ رہی تھی، جس کا اندازِ بیان کچھ اور ہی کہانی بیان کر رہا تھا۔

وہ صورتِ حال کو کنٹرول کر سکتی تھی، اگر اس کی آخری آس بھی نہ ٹوٹ جاتی تو۔ خوف کی آخری حد بے خوفی ہوتی ہے۔ یعنی انسان نفع و نقصان سے عاری ہو جاتا ہے۔ اس کی بھی کچھ ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ سمندر میں ڈوبتا انسان تیراکی نہ بھی جانتا ہو تو بھی ڈوبنے سے پہلے ہاتھ پیر ضرور مارتا ہے۔ وہ اب تک سوچ رہی تھی۔ پھر بوجھل قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

...☆☆☆...

وہ کچن میں تھی۔ اس نے بڑے عام سے انداز میں کہا تھا۔

’’ماما! میں آج بریانی بنائوں گی، دوپہر کے کھانے کے لئے۔‘‘

اس کے بعد باری باری سب حیرت سے اسے آ کر دیکھ کر رہ گئے تھے۔ اس نے گہری سانس لی۔ تو یہاں بھی تمہارے جھنڈے سرنگوں گڑے ہیں، شینا بی بی! نوشی اور نورین بھی اس کے ساتھ تھیں۔

’’مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم بنائو گی کیا؟‘‘ نوشی نے کیک کا آمیزہ سانچے میں ڈال کر اوون میں رکھتے ہوئے فکرمندانہ انداز میں کہا تھا۔

’’بتایا تو ہے کہ بریانی بنائوں گی۔‘‘ اس نے مرغی کا گوشت بھونتے ہوئے ہنس کر کہا تو وہ سادگی سے بولی۔

’’وہ تو تم کہہ رہی ہو گا۔ اب جو بنے گا وہ کون بتائے گا کہ کیا ہے۔‘‘ شینا نے اسے گھور کر دیکھا۔

’’اگر تمہاری کھوپڑی میں کوئی شے ہے تو وہ تمہیں بتائے گی اور اتنے مشکوک انداز اپنانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ترکیب پڑھ لی ہے۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لی ہے۔‘‘

’’یعنی محض یادداشت کے سہارے تم یہ کارنامہ سرانجام دو گی؟‘‘ نوشی نے اسے ستانے والے انداز میں آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔

’’دیکھ لینا۔‘‘ اس نے بڑے انداز سے شانے اچکائے۔

"پھپھو کو تو فکر لگی ہوئی ہے کہ جانے، دوپہر کے کھانے میں کیا کھانے کو ملے۔" نورین نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "شکر ہے کہ امی اور ابو دونوں ڈاکٹر ہیں۔"

نوشی اسے تنگ کرنے سے باز نہیں آرہی تھیں۔ اب کی بار اس نے چاولوں کا چمچہ اس کی طرف تانا۔

کھانے کی میز پر سبھی کے تاثرات بے حد خوش گوار تھے۔

"زبردست بھئی۔۔۔۔۔۔۔آئندہ بریانی شینا ہی بنائے گی۔" چھوٹے ماموں نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

بڑے ماموں نے اسے انعام کے طور پر پانچ سو روپے دیئے تو وہ اٹھ کر ان کے گلے لگی۔ نبیل نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"تھینک یو ماموں جان!" اس کی رنگت تمتما اُٹھی تھی۔

"میری بیٹی بہت ذہین ہے۔" ماما کو واقعی اس کی تعریفیں سن کر بہت خوشی ہو رہی تھی۔

"پہلی بار ہی میں اتنی زبردست کوکنگ کی ہے۔"

"کمال کرتے ہیں ابو! آپ۔ پانچ سو روپے میں اس سے بہتر اور زیادہ بریانی آجاتی ہے۔" آصف اسے چھیڑتے ہوئے سر جھٹک کر بڑے ماموں سے مخاطب ہوا تھا۔

"مگر اس میں اتنا پیار اور صفائی نہیں ملتی۔" بڑی ممانی نے فوراً شینا کی حمایت کی تھی۔ وہ چڑانے والی نظروں سے آصف کو دیکھنے لگی۔

"یہ پیار تو ٹھیک ہے، مگر یہ صفائی کا کیا معاملہ ہے؟" نورین نے نکتہ اٹھانا اپنا فرض سمجھا اور آصف نے کسی کے بولنے سے پہلے بات اچکی تھی۔

"میں بتاتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ہر شے میں سے صابن اور سرف کا ٹیسٹ آرہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ

محترمہ شہزینہ صاحبہ کتنی صفائی پسند ہیں۔ کیا پتہ، گوشت کو صابن سے اور چاولوں کو سرف سے دھو کر حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق پکایا ہو۔ کیوں چچی جان؟"

وہ بڑی شرارت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے چھوٹی ممانی سے مخاطب ہوا تو سب ہنس دیئے۔

"اب تو پانچ سو روپے مل گئے ہیں۔ تم جو چاہے کہو۔" شینا نے اُسے چِڑایا۔ ان سب میں نبیل ہی تھا، جو بس دلجمعی سے کھانا کھانے میں ہی مگن تھا۔ یوں جیسے موجودہ حالات سے اسے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔

"بھائی! یہ خطرناک بات نہیں، چاولوں کی فقط ایک پلیٹ تمہیں پانچ سو روپے میں پڑے گی؟"

وہ نبیل کی طرف جھک کر بولا۔ آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ جواباً وہ اسے گھور کر پانی پینے لگا۔

"بھلا بوجھیں تو، میں نے کیا بنایا ہے؟" نوشی نے سسپنس بھرے انداز میں کہا تو آصف برجستہ بولا۔

"تم نے پانچ سو روپے حاصل کرنے والی کوئی شے بنائی ہو گی۔" نوشی نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"جی نہیں۔"

"تو پھر ایسی چیز بنائی ہی کیوں ہے جس کے متعلق دوسروں سے پوچھنا پڑے کہ تم نے کیا بنایا ہے۔" آصف کا انداز ہنوز برقرار تھا۔

"تم سے تو بات کرنے میں چالیس کا گھاٹا ہے۔" وہ چِڑ گئی۔ اُس کا انداز پیچھا چھڑانے والا تھا۔ مگر آصف پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"چلو، ساٹھ کا فائدہ بھی تو ہے نا۔" وہ فوراً بولا تو چھوٹے ماموں نے اس کی پیٹھ تھپک کر اس کی برجستگی کی داد دی۔ نوشی نے خفگی سے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

"اچھالائو، میں دیکھ کر بتاتا ہوں، میری بیٹی نے کیا بنایا ہے۔" انہوں نے اسے منانے والے انداز میں کہا تو آصف نے سب سے اونچا قہقہہ لگایا۔

"چاچو! اس ڈش کو لیبارٹری میں لے جانا پڑے گا آپ کو۔"

"بس کرو، آصف! کیوں بچی کو تنگ کر رہے ہو؟" بڑی ممانی نے نوشی کی روہانسی شکل دیکھ کر آصف کو گھرکا۔ وہ ہنسا۔

"نہیں کرتا تنگ۔ اب خوش؟ اور تم اڑھائی سو روپے شینا سے لے لینا۔ سمجھ لو کہ ہم ہار گئے۔ کیونکہ جس ڈش کو بنانے کے بعد تم خود نہیں جانتی کہ وہ کیا ہے، اس کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟" وہ بظاہر بڑی سنجیدہ سی شکل بنائے نوشی کو تسلی دے رہا تھا۔ مگر اس کی شرارت، نوشی کو دانت پیسنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"آصف! اب بس بھی کرو۔ کیوں تنگ کر رہے ہو بہن کو؟" شینا نے بڑے مدبرانہ انداز میں اپنی طرف سے لڑائی ختم کرنے کو کہا تھا۔ مگر سب کے تاثرات دیکھ کر اسے محسوس ہوا کہ اس سے کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ نبیل کو پانی پیتے ہوئے اچھو لگ گیا۔ نوشی خجل سی دکھائی دے رہی تھی۔ باقی سب کے چہرے پر بھی دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ جبکہ آصف کی خونخوار نظروں نے اسے گڑبڑانے پر مجبور کر دیا۔

اور سب کے اٹھنے کے بعد وہ اس سے اُلجھنے لگا۔

"یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ یہ میری بہن کہاں سے ہو گئی؟"

"وہ۔۔۔۔۔۔۔دیکھو نا، تم خوامخواہ اس کو تنگ کر رہے تھے۔ اور پھر چچا کی بیٹی بہن ہی ہوتی ہے نا۔" وہ ہراساں ہو کر بولی تو نوشی خفا خفا سی کچن میں چلی گئی۔

"تم زیادہ سخی نہ بنو۔ جب اللہ میاں نے مجھے بہن نہیں دی تو تمہاری سخاوت کیوں جوش میں آ رہی ہے؟" وہ دانت کچکچا کر کہہ رہا تھا۔ نبیل کو ہنسی آ گئی۔ نورین بھی مزے سے یہ "پروگرام" دیکھ رہی تھی۔ اس کی

رنگت تپ اٹھی۔ خجالت سے الگ برا حال تھا۔

"تو اس میں اتنا غصہ دکھانے کی کون سی بات ہے؟"

"اس میں بھی وہی بات ہے، جو تمہارے اور بھائی کے بہن بھائی ہونے میں ہے۔" وہ بہت جل کر بولا تو اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ تو آصف اور نوشی۔۔۔۔۔۔اوہ گاڈ!

اُس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو نبیل نے بڑے غور سے دیکھا تھا۔

"اچھی بھلی منگنی میں لکیر ڈال دی۔" وہ منہ پھُلائے ہوئے اُٹھ گیا۔

"آصف! میں تو۔۔۔۔۔۔۔۔مذاق کر رہی تھی۔" اس نے کمزور سے انداز میں کہنا چاہا، مگر وہ دھپ دھپ کرتا اپنے کمرے میں اور اگلے ہی لمحے باہر چلا گیا۔

"یہ ناراض ہو گیا ہے کیا؟" وہ پریشان سی، نورین سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔دن میں پندرہ بار انہیں ناراضگی کا ایسا دورہ پڑتا ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتی اُٹھ کے چلی گئی۔

ایک تو پتہ نہیں، میری زبان کیوں قابو میں نہیں رہتی؟۔۔۔۔۔۔۔وہ وہیں بیٹھی خود سے اُلجھنے لگی۔ اُس نے نظر اٹھائی تو سامنے بیٹھے نبیل کی نگاہ خود پر پا کر بوکھلا گئی۔

"مجھے واقعی نہیں پتہ تھا کہ میں غلط کہہ رہی ہوں۔" اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا تو نبیل کی آنکھوں میں حیرانگی اُمڈ آئی۔

"یہ تمہاری عادت ہے۔۔۔۔۔۔۔بہت سی باتوں کا تمہیں پتہ نہیں چلتا کہ تم غلط کر رہی ہو۔"

"جانے اس نے طنز کیا تھا، یا عام سی بات کی تھی۔ وہ اس کے لہجے پر غور کرنے لگی۔ پھر معاندانہ انداز میں بولی۔

”میرا مطلب ہے کہ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ ان دونوں کی منگنی ہو چکی ہے۔“ اس کا یوں صفائی پیش کرنا اور اُلجھی اُلجھی باتیں کرنا در حقیقت نبیل کو اُلجھا رہا تھا۔ جب سے وہ اسلام آباد سے آئی تھی، بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ نبیل نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ایک بار غور سے دیکھا۔ ہر وقت نخوت سے تنے رہنے والے چہرے پر اتنی ملائمت اور بھولپن تھا کہ وہ کہیں سے بھی پرانی شینا نہیں لگتی تھی۔ اسے کئی بار اس کی حرکتوں سے یوں لگتا، جیسے کسی حادثے میں وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے۔ اسے یاد تھا، جب وہ اسلام آباد سے لوٹی تھی تو پہلی بار اپنی الماری کھولنے کے بعد وہ پورے کمرے میں چلاتی پھر رہی تھی۔

”میری الماری میں کس نے اپنے کپڑے لٹکائے ہیں؟“

تب پھپھو نے اُسے ڈانٹا تھا اور اسے یاد دلایا تھا کہ یہ تمام جینز، شرٹس اور ٹی شرٹس وہ اپنی مرضی و پسند سے خرید کر لائی تھی کہ یہ ”فیشن“ ہے۔۔ اور یہ سب سن کر وہ کیسے ششدر سی رہ گئی تھی، جیسے اسے اپنے متعلق یہ بات اسی وقت پتہ چلی ہو۔ اس دن کے بعد کسی نے اسے جینز پہنے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بعد خود نبیل کی شرٹ خراب کرنے کے بعد اسے نئی شرٹ منگوا کر دینا، سدرہ جیسی بیسٹ فرینڈ کا ایڈریس بھول جانا اور اب آصف اور نوشی کی منگنی سے لاعلمی کا اظہار کرنا، سب نبیل کو پریشان کر رہا تھا۔

”تم نے خضر سے کچھ منگوایا تھا، وہ تو یاد ہے نا؟“

وہ وہاں سے اُٹھنے کا سوچ رہی تھی، جب وہ ایک دم ہی اس سے مخاطب ہوا۔ وہ کراہ کر رہ گئی۔

”میں نے۔۔۔۔۔۔۔؟“ اس نے کج ادائی سے کام لیا جبکہ ذہن کو دی گئی انفارمیشن کے مطابق دوڑانا جاری رکھا۔ مگر افسوس کہ اس نام کے کسی شخص کے متعلق اسے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔

”وہ تو یہی کہہ رہا تھا۔“ وہ بڑے عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مگر نظریں شینا کے چہرے پر تھیں۔ اس کے لہجے سے شینا کو ذرا بات کرنے کا حوصلہ ہوا۔ اس نے نوٹ نہیں کیا کہ وہ اس کے تاثرات جانچ رہا ہے۔

”پتہ نہیں، کب کی بات کر رہے ہو تم۔“ وہ بے چارگی سے بولی۔ نبیل کو اس قدر بے تکلفی سے ”تم“ کہنا بھی اس کے لئے بہت دقت طلب مرحلہ ثابت ہوا تھا۔ اسلام آباد سے واپسی پر جب اس نے نبیل اور آصف کو ”آپ“ کہہ کر مخاطب کیا تو سب کو حیرت کا دورہ پڑ گیا۔ آصف تو باقاعدہ اس سے لڑ پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ طنز کر رہی ہے۔ جبکہ نبیل نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اس قدر ڈرامے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب جو تمہارا امپریشن شروع سے پڑ چکا ہے، اسے ہم بدل نہیں سکتے۔ تب سے وہ بہ مشکل ان دونوں کو ”تم“ کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی۔

”آئی تھنک، اسلام آباد جانے سے پہلے تم نے اس سے فرمائش کی تھی۔“ وہ سابقہ انداز میں بے پروائی سمیٹے کہہ رہا تھا۔ اسے اپنا دل کانوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ اب وہ بڑے دھیان سے بولا تھا۔ ”اب تو جو ہو، سو ہو۔ یہ تو طے ہے کہ اس آزمائش سے گزرنا ہی ہے تو کیوں نہ تھوڑی ہمت کا مظاہرہ کر ہی ڈالا جائے۔

”ڈونٹ یو تھنک کہ تم میرے پرسنل افیئر میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“ اس نے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ تیز لہجہ اختیار کیا تو کئی لمحوں تک وہ اسے دیکھے گیا۔

”ویسے تمہیں یاد تو ہو گا کہ خضر کون ہے یا وہ بھی بھول گئی ہو؟“ وہ بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

شینا نے فوراً خود کو سنبھالا۔

”میں نے کہا نا کہ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔“ وہ سختی سے بولی تو اس کی گھبرائی ہوئی شکل دیکھتے رہنے کے بعد قدرے توقف سے بولا۔

”میرا خیال ہے کہ تم یہ بھی بھول گئی ہو کہ یہ فرمائش تم نے میرے ذریعے ہی کی تھی۔“

وہ جوں کی توں بیٹھی رہ گئی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر چند لمحے اس نے مزید اس شخص کے سامنے گزارے تو اس کا پول کھل جائے گا۔ وہ اگلے ہی لمحے جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

”پھر کیا کہوں اس سے؟“ وہ اس کے تاثرات جانچتے ہوئے بھنویں اچکا کر پوچھ رہا تھا۔ وہ جھنجلا گئی۔

"اسے کہہ دینا، میں نے خود لے لی ہے وہ چیز۔" اس کے تیز لہجے پر نبیل کی آنکھوں میں حیرت کی چمک لہرائی۔

"آر یو شیور؟" اس کے انداز ہی نہیں، آواز میں بھی بے یقینی تھی۔

"ہاں تو ہے کہاں۔ اب کیا دکھانا ضروری ہے؟" اس نے بہت تپے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔ دل مطمئن تھا کہ بات سنبھال لی ہے۔

"یہ تو میں نے نہیں کہا۔ ویسے رکھا کہاں ہے اسے؟ پرس میں یا الماری میں؟" اس نے اب کی بار بڑے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔ اس کی خوامخواہ کی بحث اور غیر معمولی دلچسپی پر وہ چیخ کر رہ گئی۔

"الماری میں رکھا ہے۔ کیوں، ڈاکہ ڈالو گے کیا؟" وہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی تھی۔ نبیل کی نگاہوں نے حدِ نظر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں اور چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

☆☆☆...

"نوشی! خدا کے لئے اب بس کرو۔ کتنی دیر سے اپنے ساتھ مجھے بھی خوار کر رہی ہو، اور کتنی دکانوں کی خاک چھانو گی؟"

وہ گھنٹہ بھر سے نوشی کے ہمراہ شاپ ٹو شاپ پھر رہی تھی۔ نوشی کو آصف کے لئے برتھ ڈے گفٹ لینا تھا، مگر اس کی پسند پتہ نہیں کتنی اعلیٰ تھی کہ کوئی شے اسے پسند نہیں آ رہی تھی۔ شینا جھنجلا اُٹھی۔

"کوئی شے پسند ہی نہیں آ رہی ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی تو شینا نے گہری سانس لی۔

"تمہیں گھر سے سوچ کے نکلنا چاہئے تھا۔ ایسے بھی کبھی شاپنگ ہوئی ہے؟" اسے یوں بے مقصد

پھرنے سے اکتاہٹ ہو رہی تھی۔

نوشی رک کر اسے گھورنے لگی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟ حالانکہ یہ عادت تمہاری ہی ڈالی ہوئی ہے کہ مارکیٹ چلے چلو۔ جو پسند آئے، خرید لو۔ خوامخواہ پہلے سے دماغ کو تھکانے سے کیا فائدہ؟"

وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔ اندر غضب کی لہر اُٹھی تھی۔ بھاڑ میں جائے شینا اور اس کی عادتیں۔ وہ جلتی کلستی اس کے پیچھے اگلی دکان میں داخل ہوئی تھی۔

"تم ہی کوئی مشورہ دے دو۔ روبوٹ کی طرح چلتی جا رہی ہو۔" نوشی نے اسے گھرکا تھا۔

"میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتی۔ میرے پاؤں تھک گئے ہیں، چل چل کے۔"

"لو۔۔۔۔۔۔۔ ہم اتنا عرصہ دھوکے میں رہے کہ تم دماغ سے سوچتی ہو۔"

"کیا مطلب؟" اس نے گھورا۔

"مطلب یہ کہ ہمارا دماغ تھک جائے تو ہم یہ جواب دیتے ہیں جو تم پاؤں تھک جانے پر دے رہی ہو۔ یوں لگ رہا ہے، جیسے پاؤں سے سوچتی ہو۔" وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا فضول مت بولو۔" وہ جھینپ گئی۔ "اتنا غور و خوض اگر گفٹ کی خریداری میں کرو تو مزید پھرنے کی ضرورت نہ پڑے۔" اس نے فوراً سنجیدہ انداز اپنایا تھا۔

"چلو، پھر ایسا کرتے ہیں کہ تم چوائس کرو۔" اس نے فوراً ہی شینا پر بات ڈال دی۔ وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔ پھر اسے وہیں سے واپس گھسیٹا۔

"یہ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ احتجاجاً چلائی۔

"خاموشی سے چلو۔" اس نے سختی سے کہا تھا۔ اس کے بعد اس نے احمد فراز کی "جاناں جاناں"

خریدی، خوب صورت سے ریپر میں پیک کروائی اور اسی طرح اسے لئے باہر نکل آئی۔

"شینا! یہ کیا لے لیا تم نے؟" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"پہلے کبھی لی ہے تم نے؟" اس نے بڑے اطمینان سے پیک شدہ بُک اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔ نوشی کا جواب حسب توقع نفی میں تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پھر اب اس کے تاثرات دیکھنا۔" وہ بڑے سکون سے بولی تو نوشی اسے دیکھ کے رہ گئی۔

نوشی اس کے ساتھ منہ پھُلائے گھر میں داخل ہوئی تو پہلا سامنا ماما سے ہوا تھا۔

"تم لوگوں سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ شام کے وقت بازار مت جایا کرو۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح سرزنش کی۔

"سوری ماما!" وہ نوشی کے بولنے سے پہلے ہی معذرت خواہانہ انداز میں بول اٹھی۔ ماما کا ارادہ مزید ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا تھا، مگر اس کے انداز پر چپ ہو گئیں۔

"اِٹ اِز اے گڈ چینج۔۔۔۔۔۔۔۔" نوشی نے گویا ان سے تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے بھی طمانیت سے سر ہلا دیا۔ "ورنہ پہلے تو محترمہ شہزادی صاحبہ کو کوئی ٹوک کے جاتا کہاں؟"

"ماما! کیا میں اتنی بری ہوں؟" وہ چلاّ اُٹھی۔ نوشی اُس کے انداز پر شرارت سے ہنسی تھی۔

"لو۔۔۔۔۔۔۔ اتنی؟" نوشی کا انداز چِڑانے والا تھا۔ ویسے بھی وہ اندر سے خاصی تلملا رہی تھی، شینا کی چوائس پر۔

"آئندہ کبھی تمہارے ساتھ کہیں گئی تو پھر کہنا۔" وہ اسے دھمکاتے ہوئے صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ ماما سر ہلاتی کچن میں چلی گئیں۔

"ہاں بھئی، میں ایسی ہی مُنی ہوں ناں، کہ مجھے اکیلے جاتے ڈر لگے گا۔" نوشی نے مضحکہ اُڑایا تھا۔

"ہیلو ڈیئرز!" وہ شاید کچھ دیر اُلجھتیں مگر آصف کی آمد پر یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ نوشی نے فوراً گفٹ اپنے بیگ میں گھسیڑا تھا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو، آوارہ گردی کر کے؟" نوشی نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"ہر جگہ منگیتروں کو بتانے والی نہیں ہوتی۔ کیوں شینا ڈیئر؟" وہ شرارت سے جگمگاتی نگاہوں سے نوشی کو دیکھتے ہوئے شینا سے تائید چاہ رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی، فوراً اس کے ساتھ مل گئی۔

"ہاں، ہاں۔۔۔۔۔۔۔ بالکل۔"

"آصف! اگر کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو تمہاری خیر نہیں۔" نوشی نے اسے دھمکایا۔

"یہ نیا قانون پاس ہوا ہے کیا؟" وہ مصنوعی حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ شینا نے لاعلمی کے اظہار کے طور پر شانے اُچکائے۔

"میں تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔" نوشی نے دانت کچکچائے۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔ تم میں جان ہی کتنی ہے؟" وہ تمسخر اُڑانے والے انداز میں بولا۔ شینا کی ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"بروٹس۔۔۔۔۔۔۔" اس نے شینا کو گھورا تھا۔

"اچھا جولیس سیزر صاحبہ!۔۔۔۔۔۔۔ مجھے معاف فرمائیں۔" شینا نے اس کی ناراضگی بھانپ کر فوراً صلح کا جھنڈا لہرایا۔

"اچھا، اب جلدی سے بتائو کہ میرے لئے کیا گفٹ لے کر آئی ہو؟" وہ بڑی بے تابی سے پوچھ رہا تھا، جیسے پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ نوشی بھی سب کچھ بھول بھال کر اسے تانے لگی۔

”اُف، آصف! کیا بتاؤں۔ تمھیں تو پتہ ہے کہ میں کس قدر چوزی ہوں۔ اتنی شاپس دیکھیں، مگر کچھ بھی پسند نہیں آیا۔ بہت مشکل سے تمہارے لئے گفٹ خریدا ہے میں نے۔“

آصف یک ٹک اس کی چلتی زبان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شریر سی چمک اُمڈ آئی۔ پھر وہ سکون سے بولا تھا۔

”اچھا تو چوزی! اب میرا گفٹ بھی دکھا دو۔“

نوشی کی زبان کو ایک دم سے بریکس لگیں۔ وہ آصف کو گھورتے ہوئے بولی۔

”یہ چوزی کس کو کہا تم نے؟“

”ابھی تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ تم چوزی ہو۔“ وہ رعب میں آئے بغیر مزے سے بولا۔ شینا محظوظ ہو کر ہنسی۔

”نالائق شخص! یہ انگلش والا چوزی ہے۔ یعنی بہت سلیکٹو ہوں۔“ نوشی نے دانت پیستے ہوئے تصحیح کی تھی۔ وہ ہنستا ہوا اُٹھ گیا۔

”اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں سمجھا، شاید مرغی کی بچی۔“

”ہنہ۔۔۔۔۔۔۔۔ بدتمیز۔۔۔۔۔۔۔۔ دل جلانے کا ماہر۔“ نوشی کلس کر جاتے ہوئے آصف کو گھور رہی تھی۔

...☆☆☆...

رات کو سب کے جمع ہونے پر کھانا شروع کرنے سے پہلے آصف نے کیک کاٹا تھا۔

”ہیپی برتھ ڈے۔۔۔۔۔۔۔۔“

نبیل نے اسے گلے سے لگا کر خوش دلی سے کہا تھا۔ سب نے اسے گفٹس دیئے تھے۔ شینا نے اسے پرفیوم گفٹ کی تھی۔

”لیڈیز اینڈ جنٹلمین! یہ میری ڈیئرسٹ کزن کی طرف سے زندگی میں پہلا تحفہ ہے۔ اس لئے گو ہرائے بِگ ہینڈ۔“

آصف نے بڑی شرارت سے کہا تو سب نے تالیاں بجائیں۔

”کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کبھی تحفہ نہیں دیا میں نے؟“ وہ احتجاج کرنے لگی۔

”ان کی سادگی و تیور تو دیکھئے۔“ وہ برجستگی سے گویا ہوا۔ سب کے ہنسنے پر وہ خجل سی ہو گئی۔

”یہ انجام ہے اس کا ساتھ دینے کا۔“ نوشی نے فوراً اُسے جتایا تھا۔

”چلو بھئی، فٹافٹ کھانا کھاؤ۔“ بڑی ممانی نے آواز لگائی تھی۔

”چل یار! گفٹ بعد میں دیکھ لینا۔“ چھوٹے چاچو نے آصف کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے بھی ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔

”کیا خوشبوئیں ہیں۔ میرے تو منہ میں پانی آنا شروع ہو گیا ہے۔“ آصف نے ڈائننگ ٹیبل پر پہنچتے ہی اپنی قوتِ شامہ کا مظاہرہ کیا۔

”تمہارا منہ ہے یا سرکاری نل؟“ نوشی کے ہاتھ تو نادر موقع لگا تھا، وہ برجستگی سے بولی۔ وہ پہلی مرتبہ لاجواب ہوا تھا۔ سب کے ہنسنے پر وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر گویا نوشی کو دھمکی دیتے ہوئے بیٹھ گیا۔ شینا اور نوشی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیں۔

”اب اتنا بھی تنگ نہ کرو کہ بعد میں تم دونوں کو پچھتانا پڑے۔“ نورین کافی سمجھدار تھی۔

”پھپھو! آج حضر کا فون آیا تھا، آفس میں۔“ کھانے کے دوران نبیل اچانک ماما سے مخاطب ہوا تھا۔

”خیریت تو ہے نا؟“ وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”جی، بالکل۔ ایکچوئیلی آپ نے جس لڑکی کی بات کی تھی، اس کی امی اس لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ کس دن اس کی امی ہماری طرف آئیں۔“ وہ بتا رہا تھا۔ ماما مسکرا دیں۔

”جب دل چاہے، آجائیں۔ کیوں شینا؟“ انہوں نے اجازت دیتے ہوئے شینا سے تائید چاہی۔ نورین سے باتیں کرتی وہ چونک گئی۔

"جی ماما!۔۔۔۔۔۔۔ کیا کہا آپ نے؟"

"بھئی تم نے اپنی دوست کا ذکر کیا تھا نا، خضر کی امی سے۔" ماما نے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا تو وہ کنفیوز ہونے لگی۔

"جی ماما"!

"اب وہ لڑکی کو دیکھنا چاہ رہی ہیں۔" انہوں نے اسے انفارم کیا۔

"وہ کیوں؟" وہ گھبراہٹ کے زیرِ اثر تھی۔ ماما نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"فلزا کی بات کر رہی ہوں میں۔ خضر کے لئے تم نے کہا تھا۔

"اوہ۔۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔۔ اُس کی تو۔۔۔۔۔۔۔ شش۔۔۔۔۔۔۔ شادی ہو گئی۔"

نبیل اس کی بوکھلاہٹ و ہکلاہٹ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"اتنی جلدی؟۔۔۔۔۔۔۔ ابھی پچھلے دنوں تو کہا تھا تم نے مجھ سے۔" ماما تحیر سے کہہ رہی تھیں۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔ ایکچوئیلی ان لوگوں کو جلدی تھی۔ تو ہو سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔" وہ جھوٹ بولتے بولتے بار بار لڑکھڑا رہی تھی۔

"مفروضوں پر بات مت کرو۔ کل وہ لوگ آئیں گے، ان کے ساتھ چلی جانا۔" نبیل نے بڑی سنجیدگی سے گویا بات ختم کی تھی۔

"میں۔۔۔۔۔۔۔؟" وہ اپنی طرف اشارہ کر کے اس قدر حیرت سے بولی کہ ماما کو غصہ آنے لگا۔

"بات بھی تو تم ہی نے کی تھی۔ اچھا بھلا وہ لوگ رشتہ کر رہے تھے، تم نے اپنی دوست کی تعریفیں کر کر کے اُدھر سے اُن کا دل اُچاٹ کر دیا۔ اب وہ تمہارا تعاون چاہ رہے ہیں تو تم نخرے دکھا رہی ہو۔"

"اونہوں، عابدہ!۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہے بھئی، ڈانٹ کیوں رہی ہو؟ وہ انکار تو نہیں کر رہی جانے سے۔ کل چلی

جائے گی۔" بڑے ماموں نے ماما کو ٹوک کر نرمی سے کہا تھا تو وہ پلکیں جھپک کر آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ مسلسل جھوٹ بول بول کر، اصلیت کو چھپا چھپا کے وہ تھک گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ماما کی مشفق بانہوں میں سمٹ کر انہیں ایک ایک لفظ بتا دے۔

"ایک بات یاد رکھنا، جب تک وہاں رہو گی، کسی پر بھی اعتبار کر کے اصلیت مت بتانا۔ ورنہ حالات ایسے بگڑیں گے کہ تم ان پر قابو نہیں پا سکو گی۔" اس کے ذہن میں کھلکھلاتی ہوئی آواز لہرائی تھی۔

"تو میں پھر کل کا ٹائم دے دوں؟" نبیل اس سے مخاطب تھا۔ وہ بری طرح چونکی۔

"نن۔۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ پہلے میں۔۔۔۔۔۔۔ میں فون کر کے اس سے پوچھ لوں۔۔۔۔۔۔۔ یوں ایک دم سے جانا ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ گھر ہی نہ ملیں۔" اس کے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ نبیل کی طرف دیکھے بغیر بظاہر بڑی بے پروائی سے کہہ رہی تھی، مگر یہ کام جس قدر دقت طلب تھا، یہ وہی جانتی تھی۔ ماما کے کہنے کے بعد فلزا کے گھر کا صرف اسے پتہ تھا۔ یہ بات جان نکالنے والی تھی۔

"ہاں بھئی۔۔۔۔۔۔۔ بات تو ٹھیک ہے۔" چھوٹی ممانی نے اس کی تائید کی تھی۔

"بِن بتائے جاؤ تو ہو سکتا ہے کہ وہ نہ ہی ملیں۔ سو کام ہوتے ہیں، آدمی کو۔"

"اچھا تو پھر آج ہی فون کر لینا اُسے۔" ماما نے اُسے تلقین کی تو وہ مرے مرے انداز میں "اچھا" کہہ کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ اب اس سے نوالہ نگلنا مشکل ہو رہا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ ساتھ آصف کی برتھ ڈے کا کیک کھایا گیا تھا۔

آہستہ آہستہ سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔ آخر میں نورین، نوشی، آصف، نبیل اور شینا ہی رہ گئے۔ ٹی وی پر لانگ پلے آ رہا تھا۔ نورین گیارہ بجے اُٹھ گئی۔ اُسے اگلے دن کالج بھی جانا تھا۔

"اتنا اچھا تو نہیں کہ اس کے لئے اپنی نیند برباد کی جائے۔" وہ جمائیاں لیتی چلی گئی۔اس کے بعد آصف اور نوشی اکٹھے ہی اٹھے تھے۔

"ہاں سچ، تم نے تو فلزا کو فون کرنا تھا۔" نوشی نے جاتے جاتے اُسے یاددہانی کرائی تھی۔

"بس، کرنے ہی لگی ہوں۔" اس نے ٹالا تھا۔

نشریات کا اختتام ہو گیا تھا اور وہ ابھی تک بیٹھی تھی۔اس نے دل میں شدتِ سے دعا کی تھی، یااللہ! یہ شخص اُٹھ کے چلا کیوں نہیں جاتا؟ ابھی اس نے دعا مانگی ہی تھی کہ وہ اُٹھا اور ٹی وی آف کر کے چلا گیا۔

"تھینک گاڈ۔۔۔۔۔۔۔۔"!

وہ جلدی سے اُٹھ کر ٹیلی فون کی طرف بڑھی۔اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ڈائری دبی تھی، جس میں فلزا کا فون نمبر بھی موجود تھا۔اس نے ریسیور اٹھایا اور تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر پش کرنے لگی۔دوسری طرف سے کافی دیر کے بعد ریسیور اُٹھایا گیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔۔۔جی وہ۔۔۔۔۔۔۔۔فلزا سے بات کرنی ہے۔" اس نے رکے رکے سے انداز میں کہا تھا۔

تبھی نبیل آکر دوبارہ اس کے عین سامنے بیٹھ گیا۔اُس کا دل جیسے اُچھل کر حلق میں آن اٹکا۔وہ صوفے کے ہتھوں پر ہاتھ جمائے، ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا۔وہ بڑے اطمینان سے بولتا ہوا اس کا اطمینان غارت کرنے لگا۔

"تم بات کر لو۔اس کے بعد مجھے خضر کو جواب دینا ہے۔"

دوسری طرف فلزا آچکی تھی۔اس نے بڑی ہمت کے ساتھ بات شروع کی تھی۔

"میں شینا بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے بہت ایکسائیٹڈ رسپانس ملا تھا۔

"اتنے دنوں بعد تمہیں میری یاد آئی ہے۔مجھے بہت غصہ تھا، تم پر۔اسی لئے میں نے بھی فون نہیں کیا۔" وہ اب خفا ہو رہی تھی۔

"ایکچوئیلی میں مصروف تھی۔چند روز ہوئے، اسلام آباد سے لوٹی ہوں۔تم لوگ تو گئی نہیں، صوما کی شادی میں۔مجھے تنہا جانا پڑا۔" وہ کھنکارتے ہوئے ذرا کانفیڈنس سے بولی۔"صوما نے فون کیا تھا مجھے۔بڑی لعنتیں پڑی ہیں مجھے۔اور یہ تم نے اتنی لیٹ فون کیوں کیا ہے؟" وہ کافی باتونی لڑکی تھی۔

شینا نے طویل سانس لی۔

"میں نے شاید تم سے ایک رشتے کے متعلق بات کی تھی۔" وہ اندھی چال چل رہی تھی۔اب اُس کی قسمت کہ تیر نشانے پر جا لگا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔کہا تو تھا۔۔۔۔۔۔۔۔پھر؟" وہ پوچھنے لگی۔

"پھر یہ کہ کل وہ لوگ تمہارے ہاں آنا چاہ رہے ہیں۔" شینا نے اپنی آواز مدھم کر لی۔"میں چاہ رہی ہوں کہ تم مجھے اپنا ایڈریس لکھوا دو۔"

"ایڈریس کیوں؟۔۔۔۔۔۔۔۔کیا تم نہیں آرہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

شینا نے کن انکھیوں سے وال کلاک پر نظریں جمائے بیٹھے نبیل کو دیکھا۔

"مجھے کہیں جانا ہے۔اور پھر ویسے بھی میرے علاوہ کسی اور کو تمہارے گھر کا پتہ نہیں۔" اس نے اپنی مجبوری بیان کی تھی۔

"اوکے۔۔۔۔۔۔۔۔لکھ لو۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"ایک سیکنڈ۔میں ذرا پین لے آئوں۔" وہ اسے ہولڈ کرنے کا کہہ کر اُٹھنے لگی تو نبیل نے بال پوائنٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے چپ چاپ بال پوائنٹ پکڑا اور ایڈریس ڈائری پر نوٹ کرنے لگی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ نبیل جس قدر بے خبر نظر آتا ہے، اس قدر ہے نہیں۔

"اوکے فلزا!۔۔۔۔۔۔۔ بیسٹ آف لک۔ جلد تم سے ملاقات ہو گی۔" اس نے فٹافٹ فون بند کیا۔

"کیا کہا اس نے؟" نبیل نے فون اپنی طرف گھسیٹا تھا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔ کہہ رہی تھی کہ آجائیں بے شک۔" وہ احتیاطاً اس سے نظریں ملائے بغیر کہہ رہی تھی۔

"تم تو اس کے گھر جا چکی ہو، دو تین مرتبہ۔ ایڈریس لینے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ بوکھلا جاتی اگر اس نے جواب پہلے سے نہ سوچ رکھے ہوتے تو۔

"دراصل، میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جا رہی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ فلزا سے ایڈریس لے لوں۔ علاقے اور گھر کا تو مجھے پتہ ہے، مگر راستوں سے میں بالکل انجان ہوں۔"

"اور وہ جو آصف کی بائیک پر تم نے پورا لاہور گھوما تھا، وہ کیا نقشہ لے کر نکلتی تھیں؟" وہ طنزاً بولا۔ اس کی مشکوک نگاہیں شینا کو اپنا وجود چھیدتی محسوس ہو رہی تھیں۔ مگر اس نے فوراً ہی اپنی کم ہمتی پر غصے کا پردہ ڈالا۔

"تمہیں اس سے کیا؟۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں ایڈریس چاہئے تھا، یہ لو۔۔۔۔۔۔۔" اُس نے ڈائری نبیل کی گود میں پھینکی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی، جب نبیل کی پُرسکون آواز نے اُس کے قدم ٹھٹکا دیئے۔

"انٹرسٹنگ۔۔۔۔۔۔۔ تمہاری رائٹنگ کو شاید اسلام آباد کی ہوا راس آگئی تھی۔ محض پندرہ دنوں میں ہی تمہاری رائٹنگ کافی خوب صورت ہو گئی ہے۔"

اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ مگر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

دروازہ لاک کر کے وہ بستر پر گر سی گئی۔ اسے شدید گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ میری طرف

سے شکوک میں مبتلا ہے۔ پتہ نہیں، کیا مصیبت پڑ گئی ہے میرے پیچھے۔ اب کیا کروں گی میں؟ کس مصیبت میں ڈال گئی ہو تم مجھے شہزینہ! وہ تکیے میں منہ چھپا کے رو دی۔ اپنی حماقت اور جذباتیت کا ایک ایک لمحہ فلم کی طرح پردۂ ذہن سے گزرنے

"آج پھر لیٹ آئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

وہ منہ بسورتی ہوئی انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر ان سے لپٹی تھی۔

"افوہ بیٹا! صرف پندرہ منٹ ہی تو اوپر ہوئے ہیں۔" وہ اس کا سر تھپک کر مسکرائے۔

"اگر آپ کو یوں اکیلے گھر میں رہنا پڑے، تب آپ کو پتہ چلے کہ دو منٹس بھی اوپر ہو جائیں تو کتنے عجیب عجیب خیالات ذہن میں آنے لگتے ہیں۔"

وہ اُن کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے آزردگی سے بولی تو انہوں نے اس کے لہجے کی افسردگی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اسے بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا۔

"لگتا ہے، ہمارا فینا بیٹا بہت خفا ہے ہم سے؟" انہوں نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔ وہ زور دے کر بولی۔

"بالکل خفا ہوں۔ آپ کے پاس میرے لئے بالکل بھی ٹائم نہیں ہے۔"

انہوں نے ہنستے ہوئے اس کا سر اپنے شانے سے لگایا تھا۔

"کم آن، فینا! تمہارے لئے ٹائم نہیں ہو گا تو اور کس کے لئے ہو گا؟ اب دیکھو نا، میں لنچ ٹائم میں فارغ ہوتا ہوں۔ مگر گھر صرف اس لئے نہیں آتا کہ تم کالج ہوتی ہو اور رات کو تمہیں پڑھنا ہوتا ہے۔"

انہوں نے بڑی کامیابی سے اپنا بچاؤ کیا تھا۔

"کالج سے تو میں ڈیڑھ بجے تک آجاتی ہوں۔اس کے بعد مجھے کتنے گھنٹوں تک یونہی اکیلے بیٹھنا پڑتا ہے۔" اُس نے احتجاج کیا تھا۔

"اکیلے کیوں، شمیم بھی تو ہے۔" انہوں نے فوراً کہا تھا۔

"وہ تو اپنے کوارٹر میں چلی جاتی ہے۔اب ہر وقت تو اسے سر پر سوار کرنے سے رہی۔" وہ جھنجلائی تھی۔

انہوں نے مسکراہٹ دبا کر بظاہر تاسف سے اسے دیکھا۔

"تم تو کہتی ہو کہ وہ تمہاری سہیلی ہے۔"

"ابو! پلیز، مذاق میں مت ٹالیں۔آج اگر ماما ہمارے ساتھ ہوتیں تو میں بالکل بھی اکیلی نہ ہوتی۔" وہ ایک دم ہی بات کو دوسری سائیڈ پر لے گئی تھی۔ان کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔

"کتنا مزہ آتا ہے نا۔۔۔۔۔۔۔میں اور شہزینہ کالج سے آتیں تو ماما ہمارے لئے کھانا بنا کے رکھتیں، ہم لوگ خوب باتیں کرتے، شرارتیں کرتے اور پھر ہم تینوں مل کر آپ کا انتظار کرتے۔"

وہ خیالوں میں گم سپنے بُن رہی تھی۔ان کے پہلو میں ایک لہر سی اُٹھی۔یہ آج کی بات نہیں تھی کہ فنزینہ نے اپنی ماں اور بہن کو یاد کیا تھا۔وہ یونہی کبھی ان کے دیر سے لوٹنے، کبھی ان کے ڈانٹنے اور کبھی کبھی ناراضگی پر وہ بہانے سے ان کا ذکر کرنے لگتی تھی اور اس وقت اس کے لہجے میں اس قدر حسرت اور تشنگی سی ہوتی کہ وہ اسے ٹوک نہیں پاتے تھے۔

"ابو! ماما کو میں یاد ہوں گی نا؟" وہ بڑی حسرت سے پوچھ رہی تھی۔انہوں نے اس کے بالوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔

"ہاں میری جان! بھلا ماں اپنی بیٹی کو بھول سکتی ہے کبھی؟" ان کا لہجہ اس کی امید کو سہارا دے گیا۔

"اور شوہر کو؟" اس نے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔اُس کے اس سوال پر ان کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا تھا۔یہ وہ سوال تھا، جس کا جواب اٹھارہ سال سے وہ خود کو بھی نہیں دے پائے تھے، اسے کیسے مطمئن کرتے۔

"ابو! شہزینہ مجھے یاد تو کرتی ہو گی نا۔۔۔۔۔۔۔آپ کے پاس جو تصویریں ہیں، ان میں تو وہ بالکل مجھ جیسی ہے۔اب پتہ نہیں، شاید بدل گئی ہو۔" وہ بڑے متفکرانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم دونوں ٹوئنز ہو۔بچپن میں بھی تم دونوں کو پہچاننا بے حد مشکل تھا۔تمہاری ماما ہمیشہ تم لوگوں کے کپڑوں کی نشانی رکھتی تھیں۔تمہیں اگر پنک فراک پہناتی تو شینا کو بلیو۔"

"ابو! آپ کیوں یوں تنہا ہو گئے اور مجھے بھی تنہا کر دیا؟" وہ بڑی خفگی سے پوچھ رہی تھی۔حالانکہ ہزاروں دفعہ وہ انہیں کٹہرے میں کھڑا کر چکی تھی، پھر بھی اسے تسلی نہیں ہو پاتی تھی۔

"تنہا تو اس نے مجھے کر دیا تھا۔بہت انا تھی ہم دونوں میں۔۔۔۔۔۔۔اور فینا! ایک بہت گہری بات، جو مجھے اس طویل سفر کے بعد سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ جہاں انا ہو، وہاں اگر محبت ہو بھی تو مر جاتی ہے۔انا کا زہر محبت کے پودے کو پنپنے ہی نہیں دیتا۔میں روشن مستقبل کے لئے بیرونِ ملک جانا چاہتا تھا۔بہترین چانس ملا، مگر عابدہ نے صاف منع کر دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے باہر جانے کی۔میں غربت میں بھی گزارہ کر لوں گی۔اور پھر سینکڑوں سے اچھے ہیں ہم لوگ۔"

"اب ہم دو نہیں ہیں، عابدہ! ہمیں اپنی بچیوں کے مستقبل کے متعلق بھی سوچنا ہے۔اور یہاں رہ کے میں وہ کچھ نہیں کر سکتا ان کے لئے جو کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے سمجھایا تھا۔

میں نے چاہتا تھا کہ وہ غصے میں آئے۔کیونکہ اس کی اور میری طبیعت میں ایک یہی چیز میچ کرتی تھی۔اگر وہ غصے میں آجاتی تو میرا ابھڑکنا لازمی بات تھی۔یہ بحث ایک بار نہیں ہوئی، ہر روز ہوتی تھی۔پھر میں نے اس کی

خواہش کا احترام کرتے ہوئے پوری ایمانداری سے پاکستان ہی میں ترقی کی راہیں تلاشنا شروع کر دیں۔ تب تم دونوں دو سال کی تھیں۔

انہی دنوں میرا بزنس تباہ ہو گیا۔ میرا پارٹنر دھوکے باز نکلا۔ میں بہت شکستہ دل تھا۔ ان ہوائوں سے میرا دل اچاٹ ہونے لگا۔ میں نے عابدہ سے پھر بات کی۔ اب میں کسی بھی صورت یہاں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بہت محب وطن تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ملک کی روکھی سوکھی کو باہر کی چپڑی ہوئی روٹی سے بہتر سمجھتی ہے۔ وطن سے نفرت مجھے بھی نہیں تھی، مگر ان دنوں میں اس قدر منتشر ہو رہا تھا کہ اس کی ہر دلیل مجھے بودی لگ رہی تھی۔ وہ مجھے ہر ممکن طریقے سے رام کر رہی تھی۔

"علیم! ہم لوگ یہاں بھی خوش رہ سکتے ہیں۔ بلکہ یہاں ہم زیادہ خوش رہیں گے۔ یہاں سب لوگ ہیں۔ تمہارے ابو ہیں، میرے بھائی بھابیاں ہیں۔ غیر ملک میں کوئی ساتھی نہیں ہو گا ہمارا۔"

وہ بڑی نرمی سے بات کر رہی تھی، مگر میں اس کے لہجے کو خود پر حاوی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ پہلے بھی اس کے اسی انداز نے مجھے ہرا دیا تھا۔

"ہمیں کسی اور کی ضرورت نہیں ہو گی، عابدہ! ہم دونوں ہیں، ہماری بیٹیاں ہیں۔ ہمیں کسی اور ساتھ کی کیا ضرورت ہے؟" میں اپنی بات پر سختی سے اڑا ہوا تھا۔

"علیم۔۔۔۔۔۔۔!" وہ جیسے سناٹے میں آ گئی۔

"اور ابو جان۔۔۔۔۔۔۔ اُن کا کیا ہو گا؟"

میں ذرا سا شرمندہ ہوا۔ میرے باپ کی فکر اسے مجھ سے زیادہ تھی۔ مگر میں نے جلد ہی اس شرمندگی کو ذہن سے جھٹک دیا۔

"اُنہیں وہاں جاتے ہی بلوا لوں گا میں۔ فی الحال تو فیملی ویزہ ہے۔" میں نے سرسری انداز میں اسے تسلی دی

تھی۔ مگر وہ کسی قیمت پر میرے ساتھ جانے کو تیار نہیں تھی۔ "عابدہ! پلیز۔۔۔۔۔۔۔ اس بار میرے ساتھ بحث مت کرنا۔ میں کسی صورت بھی یہ چانس کھونا نہیں چاہتا۔ اگر تم نے اس مرتبہ بھی انکار کیا تو میں سمجھ لوں گا کہ تمہیں میرا ساتھ گوارا نہیں۔" میں نے سنگ دلی کی انتہا کر دی۔ صرف اس کے تسخیر کر لینے والے الفاظ کے اثر سے بچنے کے لئے میں یکلخت انتہائی اقدام پر اُتر آیا تھا۔ اور وہ۔۔۔۔۔۔۔ وہ کس قدر بے یقینی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"یہ ہے، تمہاری محبت علیم؟۔۔۔۔۔۔۔ مجھ سے، اپنے بچوں سے، اپنے باپ سے اور اس وطن سے؟"

میں سمجھ گیا تھا کہ اس پر میری کوئی دلیل، کوئی توجیہہ اثر نہیں کرے گی۔ تب میں نے انتہا کر دی۔ میں تمہیں اس سے لے آیا۔ اس نے ایک بار بھی انکار نہیں کیا۔ بس خاموشی سے مجھے دیکھتی رہ گئی۔ اسے صرف اس بات نے سرد کر دیا تھا کہ میں اس کی محبت کی زنجیر توڑ کر جا رہا تھا۔ اس ایک بات نے اس کی انا کی فصیل کو بہت بلند کر دیا۔ وہ میرے سامنے روئی نہیں، گڑگڑائی نہیں۔ حتیٰ کہ اس نے ایک بار بھی مجھے تمہیں لے جانے سے نہیں روکا۔ یہ اس کی مجھ سے محبت کی انتہا تھی۔ مگر میں نہیں سمجھا۔ مجھے اس بات کی تسلی تھی کہ وہ یہاں میرے نام پر بیٹھی رہے گی۔ یہ میری خود غرضی کی انتہا تھی۔

میں تمہیں لے کر کویت چلا گیا اور اس کے بعد امریکہ۔۔۔۔۔۔۔ محض آٹھ سالوں میں، میں نے بے انتہا کامیابی حاصل کر لی تھی اور یہ آٹھ سال کیسے گزرے، مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔ بس اس دوران دو دفعہ عابدہ نے مجھے فون کیا۔ ایک مرتبہ تب، جب ابو جان اس دنیا سے چل بسے۔ اور ایک یہ اطلاع دینے کے لئے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔ کہاں؟۔۔۔۔۔۔۔ یہ اس نے نہیں بتایا۔

تب میں نے واپس لوٹنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ تمہیں ساتھ لئے، آٹھ سال بعد میں لوٹا تو یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بس اس گھر کی دیواریں تھیں، جن میں اس کی آواز رچ بس گئی تھی۔

راتوں کو جب تم سو جاتیں، ہر طرف چپ کا راج ہوتا تو اس کی آواز دیواروں سے نکل کر مجھ سے باتیں کیا کرتی۔۔۔۔۔۔۔ میں نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ شاید مجھ سے بہت خفا تھی۔ اس لئے ہی تو مجھے اس قدر تکلیف دہ سزا دے گئی تھی۔ ایسی سزا کہ میں اس سے معافی بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ میں نے تو صرف بات کی تھی، اس نے تو انتہا کر دی۔ وہ مجھے بتانا چاہتی تھی کہ اپنوں سے بڑھ کر اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ بزنس اور نہ دولت۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ مجھے ضرور معاف کر دے گی۔

لوگ اکثر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اس قدر دولت کے باوجود میں اس تین بیڈروم کے گھر میں کیوں رہتا ہوں؟۔۔۔۔۔۔ اور میں انہیں بتا نہیں پاتا کہ مجھے اس گھر سے کتنی محبت ہے، جسے اس نے اپنی محبتوں سے سجایا تھا۔ جتنا سکون مجھے اس چھوٹے سے گھر میں ملتا ہے، وہ بنگلوں اور کوٹھیوں میں نہیں مل سکتا۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر کیا پتہ کہ جب اسے میرے پچھتاوؤں کا احساس ہو جائے اور وہ لوٹ آئے۔"

انہیں پتہ بھی نہیں چلا اور ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان کے لہجے میں اٹھارہ برسوں کی تھکن، پچھتاوا اور خلش تھی۔

فزینہ ان کے شانے پر سر ٹکائے بے آواز رو رہی تھی۔ کس قدر بے بس تھی وہ کہ باپ کو اس کی غلطیوں کا طعنہ بھی نہیں دے سکتی تھی۔ دونوں اپنی اپنی تکلیف دہ سوچوں میں غلطاں تھے اور دونوں کی سوچوں کا محور ایک ہی ہستی تھی۔

...☆☆☆...

"آج کالج نہیں جا رہا، ہمارا بیٹا؟" انہوں نے بریف کیس بند کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں پوچھا تو وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"کالج ختم ہو چکا ہے میرا۔۔۔۔۔۔ اب تو رزلٹ کا انتظار ہے۔"

وہ خفیف سے ہو گئے۔

"چلو، تمہاری پکی والی چھٹیاں ہوں گی تو چلیں گے کاغان اور سوات۔" انہوں نے اس کو تسلی دی تو اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دور رہنے سے محبتیں مر نہیں جاتیں۔ ماما کی محبتوں کو شاید غلط فہمیوں کی دھول نے دھندلا دیا ہے۔ اب جب وہ تمہیں دیکھیں گی تو وہ ساری گرد صاف ہو جائے گی۔" اُس نے فزینہ کی دل شکنی نہیں کی تھی۔ فزینہ نے محسوس کیا کہ وہ اس سے زیادہ بولڈ، سمجھدار اور حوصلہ مند ہے۔

"پتہ ہے، میں یہاں کس قدر تنہا ہوں؟ ابو تو شام کو آتے ہیں اور میں کبھی شمیم کے ساتھ اور کبھی اکیلی گھر میں ہوتی ہوں۔" وہ بہت آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

تب شہزینہ نے اسے بڑے ماموں، بڑی ممانی، چھوٹے ماموں، چھوٹی ممانی اور ان کے بچوں کے متعلق بتایا تھا۔

"کتنا مزہ آتا ہو گا نا، تم لوگوں کو؟" فزینہ کی آنکھیں تجسّس و اشتیاق سے چمک رہی تھیں۔ شہزینہ نے منہ بنایا۔

"ہنہ۔۔۔۔۔۔۔ خاک مزہ آتا ہے۔ ہر ایک تو رعب جماتا رہتا ہے۔ تم تو اچھی ہو، دن بھر دوستوں کی طرف یا آؤٹنگ پر نکل جاؤ، کوئی بھی پوچھنے والا نہیں۔ اور وہاں۔۔۔۔ شینا! یہ کیا کر رہی ہو؟ ایسے کیوں کر رہی ہو؟ ویسے کیوں نہیں کیا؟ یہاں کیوں گئی؟ وہاں کیوں نہ گئی؟۔۔۔۔۔۔ اُف، بس میری تو ہر وقت جان عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔"

اس کے اکتاہٹ و بے زاری سے لبریز انداز کو فزینہ نے بے حد حیرت سے دیکھا تھا۔ تب خود شہزینہ نے ٹاپک بدل دیا۔ اتنی باتیں تھیں دونوں کے پاس کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔ فزینہ

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد حیرت کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھ رہی تھی۔

"سچی، مجھے یوں لگ رہا ہے کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ میں کتنی خوش ہوں کہ تم مجھے مل گئی ہو۔"

اور خوش تو شہزینہ بھی کم نہیں تھی۔ شاید فنزینہ کی معصوم اور سادہ طبیعت دیکھ کر اس وقت اس نے اپنی کسی مشکل کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔ مگر اس نے فنزینہ کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔

"ابو بس آنے والے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر تو اتنے خوش ہوں گے کہ حد نہیں۔ پھر ہم ماما کو بھی اسلام آباد لے آئیں گے۔ ابو تو ان سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ ابھی تک اسی گھر میں رہ رہے ہیں۔" فنزینہ نے اس پر ابو کی محبت کی شدت کو ظاہر کرنا چاہا، مگر اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اپنی ہی باتوں میں مگن رہی۔ پھر ابو کے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اپنی دوست صوما کی شادی کے لئے آئی ہوں، ہفتہ بھر کے لئے۔ مگر اب لگتا ہے کہ زیادہ دنوں کے لئے رُکنا پڑے گا۔"

"رُکو نا۔۔۔۔۔۔۔ ابو سے نہیں ملو گی؟" فنزینہ نے بے تابی سے کہا۔

"فی الحال تو ان کی تصویریں دیکھ لیں۔ تمہیں دیکھ لیا، بہت ہے۔ اب تو روز آؤں گی۔"

"شینا! اتنے سالوں کے بعد آئی ہو۔ ابو سے تو مل لو۔" اس نے پُر زور اصرار کیا تھا اور وہ بہت سنجیدگی سے بولی تھی۔

"پلیز فینا! ضد مت کرنا اور مائنڈ مت کرنا۔ تمہارے ذہن میں ابو کا جو امیج ہے، میرا امیج اس سے بہت مختلف ہے۔ اس لئے میں پہلے خود کو تیار کرنا چاہتی ہوں، ان سے ملنے کے لئے۔ پلیز تم ان سے میرا ذکر مت کرنا، ورنہ میں تم سے بھی نہیں ملوں گی۔" وہ اٹل اور ضدی لہجے میں بولی تو شینا کو بے اختیار ماما یاد آگئیں۔ شاید وہ بھی یونہی اٹل انداز میں فیصلہ کرتی ہوں گی۔

"تم پلیز کل ضرور آنا۔" فنزینہ نے بے حد محبت سے بہن کے گلے میں بازو ڈالے تھے۔

"اور کون ہوتا ہے دن میں تمہارے ساتھ؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"بس، شمیم ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن میں اسے واپس بھیج دوں گی۔ تم پلیز ضرور آنا۔ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" بے چینی سے کہتے ہوئے آخر میں اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔ شہزینہ نے اس کا رخسار چوم لیا۔

دونوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس قدر ڈرامائی انداز میں ان کا ملاپ ہو سکتا ہے اور شہزینہ کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر سرشاری میں ڈوبی اسے یاد کرتی رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"اوں۔۔۔۔۔۔۔ بس اگر میں اپنے بال اسٹیپس میں کٹوالوں اور شینا جتنی کانفیڈنٹ ہو جاؤں تو کون پہچان سکتا ہے ہمیں؟"

وہ تنقیدی انداز سے خود کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس قدر خوش تھی کہ ابو کے آنے کے بعد اس کا جی چاہتا رہا کہ وہ انہیں بھی بتا دے۔ ہر بار الفاظ اس کی زبان کی نوک تک آکر لوٹ جاتے تھے۔ اسے شہزینہ کا تنبیہی اور سنجیدہ انداز یاد آنے لگتا تھا۔

'کل آئے گی تو اسے مجبور کروں گی، ساری باتیں بتاؤں گی اسے۔ تب وہ ابو کے متعلق اپنی رائے بدل لے گی۔'

اس نے فیصلہ کر کے خود کو مطمئن کیا تھا اور اس کے اگلے روز اس نے شمیم کو واپس بھجوا دیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ مجھے اپنی دوست کے گھر جانا ہے۔ ان دونوں نے بہت سی باتیں کیں۔ فنزینہ باتیں کرتے کرتے رو پڑتی تھی، جبکہ شہزینہ اس کی نسبت کافی مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ وہ مسلسل فنزینہ کو ٹوک رہی تھی۔

"اب تو ہم مل گئی ہیں، پھر اتنی اُداسی کیوں؟" فنزینہ نے اسے اپنی اور اس کی بچپن کی تصویریں دکھائیں، جو ابو اپنے ساتھ نشانی کے طور پر لے گئے تھے۔ ان میں ابو اور ماما کی شادی کی تصویریں بھی تھیں۔

"ماما کے پاس بھی یہ تصویریں ہیں۔" شہزینہ نے بتایا تو اسے بہت خوشی ہوئی۔ حالانکہ اس کی دوست کی شادی ہو گئی تھی، مگر پھر بھی شہزینہ یہیں ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ روزانہ فنزینہ کے پاس آجاتی۔ اس کے بعد دونوں کو ٹائم کے گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

"تم ابو سے کب ملو گی؟" فنزینہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"یوں نہیں ملوں گی۔ میں ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی تو وہ فرطِ مسرت سے اُچھل پڑی۔

"سچ۔۔۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔۔۔ مگر ماما نہیں مانیں گی۔" وہ اُداسی سے بولی تو فنزینہ بے چین ہو اُٹھی۔

"کیوں۔۔۔۔۔۔ کیا ماما ابھی بھی۔۔۔۔۔۔؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔ "وہ اس ٹاپک پر بات ہی نہیں کرتیں کسی سے۔ مجھ سے بھی نہیں۔"

"تو پھر۔۔۔۔۔۔؟" فنزینہ کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "پھر تم کیسے رہ سکتی ہو یہاں؟"

"ایک طریقہ ہے تو سہی۔۔۔۔۔۔ مگر تم شاید نہ مانو۔ اس میں تم اور میں، دونوں خوش رہ سکتی ہیں۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی تو فنزینہ کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"وہ کیا۔۔۔۔۔۔؟" اس نے بڑی بے چینی سے پوچھا تھا۔

"وہ یہ کہ۔۔۔۔۔۔ تم ماما کے پاس لاہور چلی جاؤ اور میں یہاں، ابو کے پاس رہ جاؤں گی۔"

فنزینہ چند لمحوں تک بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی، پھر سمجھی تو جیسے ٹھنڈی پڑ گئی۔

"یوں کہو نا، کہ میں کبھی ماما سے نہیں مل سکتی۔"

"یہ کب کہا میں نے؟۔۔۔۔۔۔ ایک آئیڈیا دیا تو ہے میں نے۔" وہ بڑی بے پروائی سے کہہ رہی تھی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے، شینا؟ بالفرض اگر میں امی کے پاس چلی جاؤں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے نہ پہچانیں۔ آخر تم بیس سال سے ان کے ساتھ ہو۔ تمہاری تو وہ رگ رگ

سے واقف ہوں گی۔" وہ بحث کرنے والے انداز میں بولی تو شہزینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

"ماں کے لئے اس کے سارے بچے ایک جیسے ہوتے ہیں۔" وہ متوازن لہجے میں کہہ رہی تھی۔

فنزینہ نے خاموشی سے تھوڑی دیر تک اس کو دیکھا۔

"لیکن شکل کو چھوڑ کے تمہارے اور میرے انداز میں بہت فرق ہے۔" اس کے سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کچھ قائل ہو رہی ہے۔ ماں سے ملنے، اسے قریب سے دیکھنے کا جذبہ زور پکڑ رہا تھا۔

"اِٹس ناٹ اے بِگ پرابلم۔۔۔۔۔۔ بس، تم ایک مرتبہ ہمت کر لو۔ پلیز فینا! کیا تم نہیں چاہتیں کہ ماما سے ملو، انہیں دیکھو، ان کے پیار کو محسوس کرو؟" وہ اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے اس کے قریب کھسک آئی۔

فنزینہ نے پلکیں جھپک کر نمی کو اندر اُتارا تھا۔

"میں بھی ابو کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ وہ دونوں تو اپنی ضد میں ہمیں بھی بھولے ہوئے ہیں۔" وہ منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔

فنزینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"ابو تم لوگوں کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اور وہ تو ماما کو اتنے سالوں سے ڈھونڈ رہے ہیں۔ انہیں تمہارے بارے میں پتہ چلے گا تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ اور پھر ہم دوبارہ سے اکٹھے ہو جائیں گے۔"

"لیکن ماما اس بات کو پسند نہیں کریں گی۔ وہ تو تم لوگوں کا کبھی بھی ذکر نہیں کرتیں۔ اور ابو کو بتانے کی صورت میں شاید تم ماما کی اور میں ہمیشہ ابو کی محبت کو ترستی رہوں گی۔"

"لیکن ہمیں انہیں بتانا تو چاہیئے۔ کیا پتہ وہ۔۔۔۔۔۔۔" فنزینہ نے کہنا چاہا مگر وہ اسے سختی سے ٹوک گئی۔

"یوں کہو کہ تم ماما کے پاس نہیں جانا چاہتی اور نہ ہی مجھے میرے ابو کی محبت میں حصہ دار بنانا چاہتی ہو۔" اس کے لب و لہجے نے فنزینہ کو خائف کر دیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا، شینا!" اس نے بڑی بے قراری سے کہا تھا۔ آنسو فوراً رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"تو پھر مان جاؤ نا۔" وہ جلدی سے بولی۔ پھر اس کو دیکھ کر مفاہمانہ انداز میں بولی۔ "چلو یوں کرو کہ ٹھونک بجا کے اس آئیڈیا کا جائزہ لو۔ اگر مطمئن ہو جاؤ تو پھر۔۔۔۔"

اور وہ کیوں نہ مانتی۔ جب دل و دماغ دونوں ہی بے ایمان ہو رہے تھے۔ وہ جتنا سوچتی، اس کا فیصلہ یہی ہونا تھا۔ اور جب شہزینہ نے کہا۔

"تم وہاں ماما کا، سب کا دل جیت لینا۔ اس طرح ماما اور ابو کو ملوانے میں بے حد آسانی ہو جائے گی۔ تمہاری محبت ماما کے دل میں بڑھ جائے گی۔" تو اس نے بہت آرام سے ہاں کہہ دی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"اُف فینا!۔۔۔۔۔۔۔ تم نہیں جانتیں کہ کس قدر مزہ آئے گا، ایمان سے۔ وہاں سب لوگ اس قدر اچھے ہیں کہ حد نہیں۔ بس تمہیں تھوڑا سا خود کو بدل کر مجھ جیسی عادتیں اپنانا پڑیں گی۔"

"لیکن میں تم جیسی بولڈ نہیں بن سکتی۔" اس نے اپنی مجبوری ظاہر کی تو وہ بے فکرے پن سے ہنس دی۔

"بس، تم جس قدر غصے اور بدتمیزی کا مظاہرہ کر سکتی ہو، کرنا۔ خصوصاً بڑے ماموں کے بیٹے نبیل کے ساتھ۔"

اُس کی باتوں سے فنزینہ کو یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے فنزینہ کو کافی بریفنگ دے دی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے فیصلہ کرنے میں کافی مدد ملی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں یار! تم کچھ بھی کر لو، سب اسے تمہاری عادت سمجھیں گے۔ میں ہوں ہی ایسی اُلٹی۔"

شہزینہ ہنسی تھی۔ "پلیز شینا!۔۔۔۔۔۔۔ ابو کو یوں تنگ مت کرنا۔" اس نے بے اختیار التجا کی تو وہ ہنستی چلی گئی۔

"کم آن، فینا! وہ میرے بھی ابو ہیں۔ اور ایسے بھی انہیں تو میں تنگ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔" اس کے اطمینان دلانے پر اسے تسلی ہوئی تھی۔

"اچھا، اب یاد کر لو اور کوئی ضروری بات۔ یہ نہ ہو کہ جاتے ہی پکڑی جاؤں۔" اس نے ایک مرتبہ پھر تشویش ظاہر کی تو شہزینہ نے اپنے ہاتھ سے ڈائمنڈ کی رِنگ اُتاری اور بہت شوخی سے بولی۔

"یہ اس ڈرامے کی سب سے اہم شے ہے۔"

فنزینہ نے ہاتھ بڑھا کر انگوٹھی تھام لی۔ گولڈ کی انگوٹھی کے درمیان میں ایک بڑا اور سائیڈوں پر چھوٹے چھوٹے بلیو اینڈ وائٹ ڈائمنڈز تھے۔

"کوئی خاص چیز ہے یہ؟" اُس نے پُرستائش نظریں انگوٹھی پر سے ہٹا کر شہزینہ کے مسکراتے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"یہ میری ایک پہچان ہے یار!۔۔۔۔۔۔۔ اور دیکھو، بھولنا مت جو باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں۔" اس نے تنبیہ کی تھی۔ وہ سر ہلا کر انگوٹھی پہننے لگی۔ شہزینہ اس کا ہاتھ تھام کر دیکھنے لگی۔

"یوں لگتا ہے، جیسے تمہارے ہی لئے بنی ہے۔"

"اوں۔۔۔۔۔۔۔ لگتا تو یہی ہے۔" وہ خود بھی ہنسی تھی۔

"بس، اب تمہیں بال کٹوانے ہیں، اسٹیپس میں۔" شہزینہ نے اس کے خوب صورت سیاہ کمر تک آتے بالوں کی چٹیا ہاتھ میں لی تو وہ تڑپ اُٹھی۔

"وہ کیوں؟۔۔۔۔۔۔۔اتنے اچھے بال ہیں میرے۔"

"میری جان! ابھی تک سائنس ایسی کوئی شیمپو یا آئل انٹرڈیوس نہیں کرواسکی، جس کی بدولت محض پندرہ دنوں میں میرے بال شانوں سے کمر تک چلے جائیں۔ اس لئے تمہیں شہزینہ علیم بننے کے لئے ان کی قربانی دینا پڑے گی۔"

"مگر ابو تم پر خفا ہوں گے تمہارے بال دیکھ کر۔" اس نے دل مسوس کر اُسے انفارم کیا تھا۔

"نوپرابلم یار!۔۔۔۔۔۔۔میں ہینڈل کرلوں گی سب کچھ۔" وہ اپنے ریشمی بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے ہنسی تھی۔ فنزینہ نے اس کی لاپروائی کو رشک سے دیکھا۔

اور پھر اس رات فنزینہ نے کافی دیر تک ابو سے باتیں کی تھیں، بلاوجہ اِدھر اُدھر کی۔ آخر رات گئے انہوں نے خود ہی اسے ٹوک دیا تھا۔

"بہت دیر ہوگئی ہے۔ اب سو جاؤ۔ ساری عمر پڑی ہے، باتوں کے لئے۔"

وہ انہیں دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں، وہ اتنے دنوں تک پہلی مرتبہ ان سے دور کیسے رہ پائے گی۔ اور جب انہیں اصل بات کا پتہ چلے گا تو وہ کیسے ری ایکٹ کریں گے۔

اگلے روز فنزینہ اسے لینے آئی تھی۔

"ساڑھے گیارہ بجے تمہاری فلائٹ ہے، اسلام آباد ٹو لاہور۔ ابھی ہم بیوٹی پارلر سے ہو کر سیدھے صوما کی طرف جائیں گے۔ آئی مین، تم جاؤ گی۔ اور پلیز! ذرا کانفیڈنٹ رہنا۔ صوما بھی آئے گی۔ اُس کی اور اُس کے گھر والوں کی تصویریں تو تم دیکھ ہی چکی ہو، اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

وہ ڈرائیونگ کے دوران مسلسل بول رہی تھی اور فنزینہ کا ڈرپوک سا دل مسلسل لرز رہا تھا۔ اتنے دنوں تک وہ دعوے کرتی رہی تھی، اب جب کرنے کا موقع آیا تھا تو اس کے سارے دعوے دم توڑ رہے تھے۔ مگر وہ خود کو

اندر ہی اندر مسلسل حوصلہ دے رہی تھی۔ پھر اس نے ماما کے متعلق سوچنا شروع کردیا۔

"ایئرپورٹ پر تمہیں آصف ریسیو کرے گا۔ تمہیں اسے پہچاننے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ذرا سی بے پروائی کے ساتھ کھڑی رہنا، خود ہی بھاگا چلا آئے گا۔ مجھ سے بڑا ڈرتا ہے وہ۔ اور تو کوئی پرابلم ہے ہی نہیں۔"

بال کٹ گئے تھے اور وہ شہزینہ علیم بن گئی۔ صوما کے گھر پہنچی اور وہاں سے ایئرپورٹ۔ اس نے بڑی حسرت سے اس پُرسکون سے شہر پر نگاہ ڈالی تھی۔

"میں تمہیں روزانہ فون کیا کروں گی۔" شہزینہ نے اس سے وعدہ کیا تھا اور وہ اس کے وعدوں اور اس کی معلومات پر اعتبار کرتے ہوئے لاہور ایئرپورٹ پر اُتری تھی۔ آصف نے اُسے پہچانا۔۔۔۔۔۔۔وہ اُس کے ساتھ گھر پہنچی، ماما سے ملی اور کتنی ہی دیر وہ ان سے لپٹی رہی۔

اس کو روتا دیکھ کر سب پریشان ہوگئے اور وہ سب ہی سے یونہی ملی تھی۔ حالانکہ ماما کے علاوہ وہ کسی اور کو پہچان نہیں پائی تھی، مگر ان کا پیار اُس کو اس قدر التفات پر مجبور کررہا تھا۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس سے غلطیاں اور بے وقوفیاں سرزد ہونے لگیں۔ بعض باتوں میں شینا کی غلط بیانی اُسے پتہ چلی۔ خصوصاً نبیل سے منگنی والی۔ تب اُسے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً شہزینہ سے مزید معلومات چاہیں مگر وہ ابو کے ساتھ تفریح کے لئے جاچکی تھی۔ حالانکہ اسی روز فنزینہ نے اسے فون کیا تھا مگر اس نے فنزینہ کو خبر تک نہیں ہونے دی تھی کہ وہ ابو کے ساتھ کہیں جارہی ہے۔

ابھی اُسے یہاں آئے محض تیسرا ہفتہ تھا اور وہ بوکھلا اُٹھی تھی۔ سب سے بڑا مسئلہ نبیل کا تھا، باقی سب کی طرف سے وہ مطمئن تھی۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ نبیل اس کی ہر حرکت پر نظر رکھتا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ نبیل اس کی طرف سے خاصے شکوک میں مبتلا ہوچکا ہے، اسی لئے اس نے شہزینہ سے بات کرنا چاہی تھی۔ مگر اُدھر سے بھی اب مدد کا کوئی امکان نہیں رہا تھا۔ اور یہ ذیشان حیدر۔۔۔۔۔۔۔سدرہ۔۔۔۔۔۔۔اور اب فلزا۔۔۔۔۔۔۔

کاش!۔۔۔۔۔۔۔ کاش! میں ابو سے بات کر لیتی۔ وہ تو ماما سے نفرت نہیں کرتے۔ مجھے بہتر طور پر گائیڈ کر سکتے تھے، بلکہ وہ تو شاید ماما کو بھی منا کر لے جاتے۔ پتہ نہیں کیوں میں نے اتنی بڑی بے وقوفی کر دی۔ یہ ترکیب اتنی شاندار تو نہیں تھی۔ اب اگر ماما کو پتہ چل جائے کہ میں فرزینہ ہوں تو شاید۔۔۔۔۔۔۔ شاید وہ مجھے دھتکار دیں، مجھے کبھی بھی قبول نہ کریں۔ ان کی نظر میں تو میں ابو کی بیٹی ہوں اور اس دن جب میں نے شہزینہ کے بی ہاف پر ماما سے ابو اور فرزینہ یعنی اپنے متعلق بات کی تو انہوں نے کیسے مجھے ڈانٹ دیا تھا۔ مجھے کتنا رونا آیا۔ ماما شاید واقعی مجھے ابو کی بیٹی ہی سمجھتی ہیں۔ انہوں نے اٹھارہ سال پہلے مجھے ابو کو سونپتے ہوئے شاید مجھ سے بھی ہر رشتہ توڑ لیا تھا۔ واقعی، ماما بہت ضدی اور انا پسند ہیں۔

مگر اب میں کیا کروں؟ گرداب میں پھنس چکی ہوں میں۔ پتہ نہیں، کیا ہو گا اب۔ اللہ میاں! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کرنا۔ میں تو محض یہاں اپنی ماما سے ملنے آئی تھی۔ اور خدا کرے کہ شینا جلدی لوٹ آئے تاکہ میں اس سے اور خصوصاً ابو سے بات کر سکوں۔ تب تک میرے خدا! مجھے ہمت دینا۔ پلیز اللہ میاں!" وہ یونہی افسردہ و آزردہ روتے روتے جانے کب نیند کی گہری وادیوں میں اُتر گئی۔

...☆☆☆...

"پاگل تو نہیں ہو گئیں تم؟۔۔۔۔۔۔۔ اب میں مسز حیات اور ان کی بیٹی کو تنہا ہی فلزا کے گھر بھیج دوں کیا؟"

ماما کو جب علم ہوا کہ وہ خضر کی امی کے ساتھ فلزا کے گھر نہیں جا رہی تو انہیں غصہ آگیا۔

"تو کیا ہو گیا، ماما! سب لوگ یونہی رشتہ دیکھنے جاتے ہیں۔ ساتھ میں محلے داروں کو نہیں لے کر جاتے۔" وہ بظاہر بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ حالانکہ خوف اُسے یہ تھا کہ کہیں فلزا کے گھر جا کے اس کا پول ہی

نہ کھل جائے۔ پتہ نہیں، شینا کی اس سے کتنی اور کیسی دوستی تھی۔

"دیکھو شینا! ان سے لڑکی دکھانے کو تم نے کہا تھا، میں نے نہیں۔ کتنا آکورڈ لگے گا، اب میں ان سے کہوں کہ خود جا کے لڑکی دیکھ آئیں۔ اور پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے، تم کیوں نہیں جا رہیں؟" ماما بہ مشکل اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پائے ہوئے تھیں۔

"ماما! دراصل۔۔۔۔۔۔۔ میری فلزا سے ذرا کھٹ پٹ ہے، اس لئے میں اس کی طرف نہیں جا سکتی۔"

اس نے فوراً بہانہ گھڑتے ہوئے رُکھائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"چہ۔۔۔۔۔۔۔ کسی ایک لڑکی سے بھی تمہاری ڈھنگ کی دوستی نہیں ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو اس معاملے میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" ماما کو اس کی بات پر غصہ آگیا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی۔ بڑی ممانی کو اس کا انداز غیر فطری لگ رہا تھا۔

"ماما! آپ کہتی ہیں تو میں چلی جاؤں گی۔" وہ قدرے توقف سے بولی۔

"وہ تو ظاہر ہے کہ تمہیں جانا ہی پڑے گا۔" ماما بے لچک انداز میں بولیں تو وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ ماما کے اندر جانے کے بعد وہ بڑی ممانی کے پاس بیٹھ گئی۔

"پتہ نہیں، ماما کو اتنا غصہ کیوں آتا ہے؟" وہ زچ ہو کر بولی تھی۔ بڑی ممانی نے پیار سے اس کو بازو کے گھیرے میں لے لیا اور اسے چھیڑنے والے انداز میں بولیں۔

"تو میری جان! تم اُسے غصہ دلانے والی حرکتیں نہ کیا کرو نا۔"

"میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ اب میں فلزا سے ناراض ہوں تو اس کے گھر کیوں جاؤں؟ اب چاہے وہ مجھے گھر سے نکال دے۔" وہ منہ پھُلائے کہہ رہی تھی۔ دل جس قدر مضطرب و بے چین تھا، یہ وہی جانتی تھی۔

"رات فون پر تو بڑی ہنس ہنس کر باتیں ہو رہی تھیں۔" نبیل جانے کس وقت وہاں آگیا تھا۔ اس کا دل دھک

سے رہ گیا۔ جھٹکے سے سر اُٹھا کر نبیل کی طرف دیکھا۔ اُس کا چہرہ مسکراہٹ سے جگمگا رہا تھا۔ فنزینہ نے گڑبڑا کر نظریں پھیری تھیں۔

"وہ تو۔۔۔۔۔۔۔اب کچھ تو کرنا ہی تھانا۔۔۔۔۔۔۔" اُس کے بوکھلاہٹ بھرے انداز پر نبیل ہنسا تھا۔

بڑی ممانی کے لئے دونوں کے انداز حیران کن تھے کہ ان دونوں کی ایک لمحہ کو بھی بن نہیں آتی تھی۔ نبیل تو شینا سے اس قدر خار کھاتا تھا کہ حد نہیں۔ اور اسی قدر بیزاری اور اُکتاہٹ کا اظہار شینا بھی کرتی تھی۔ اب انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ شینا "وہ" شینا نہیں ہے۔

"تو پھر اب جا کے تیار ہو جائو۔ ابھی آنٹی اور سیمی آرہی ہیں، پھر فوراً ہی ہم نکلیں گے۔"

وہ کلائی پر گھڑی باندھتے ہوئے اتنے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا کہ خود فنزینہ کو بھی حیرت ہونے لگی۔ اس نے گھبرا کر نبیل کی صورت دیکھی تھی۔ بلیک جینز اور بلیک ہی ہاف سلیوز ٹی شرٹ میں وہ بہت فریش اور اچھا لگ رہا تھا۔ مگر اس کی یہ "اچھائی" ہی فنزینہ کو خوف زدہ کر رہی تھی۔ کل تک جو بندہ کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا، جس کا بس نہیں چلتا تھا کہ نگاہوں ہی نگاہوں میں اُس کا کام تمام کر دے، آج وہ اس قدر میٹھا کیوں بن رہا تھا؟

"ممانی جان! پلیز۔۔۔۔۔۔۔آپ ماما کو سمجھائیں نا۔ میں نہیں جا رہی۔" اسے گھبراہٹ کے مارے رونا آنے لگا تھا۔ آنسو روکنے کی کوشش میں آواز بھرّا گئی۔ انہوں نے بہت حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"ابھی خود ہی تو تم نے اسے ہاں کہی تھی۔"

"کیا کہا۔۔۔۔۔۔۔شینا نے ہاں کہہ دی؟" نوشی اپنے آپ ہی میں مگن آرہی تھی کہ آدھا جملہ سن کر بے یقینی سے چیخی تھی۔

نبیل نے گھور کے اسے دیکھا۔ وہ بے حد طنز سے بولا تھا۔

"تو اس میں اس قدر خوش ہونے کی کیا بات ہے؟"

"کیوں بھئی۔۔۔۔۔۔۔لڑکی اتنی آسانی سے ہاں کر دے، وہ بھی مولوی صاحب کو مدعو کئے بغیر تو یہ یقینا خوشی کی بات ہوتی ہے، خصوصاً دولہا کے لئے۔" وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بڑی روانی سے بولی تھی۔

بڑی ممانی بے ساختہ ہنس دیں جبکہ اس کی بات کی سمجھ آتے ہی فنزینہ کی رنگت تمتما اُٹھی تھی۔ اُس نے بے اختیار نبیل کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک سے بوکھلا کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مم۔۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔تیار ہو جائوں جا کر۔"

"ہاں، ہاں۔۔۔۔۔۔۔یہ نہ ہو کہ عابدہ ناراض ہونے لگے۔" بڑی ممانی نے مسکرا کر اُسے دیکھا تھا۔

وہ تیزی سے پلٹ گئی۔ نبیل، ماں کے قریب صوفے پر ٹِک گیا۔

"امی! کچھ تبدیلی نوٹ نہیں کی، آپ نے اس میں؟" وہ ماں سے پوچھ رہا تھا اور نوشی تحیر سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟۔۔۔۔۔۔۔کیسی تبدیلی؟" انہوں نے استعجاب سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"آئی مین۔۔۔۔۔۔۔کتنی چینج ہو گئی ہے، شینا۔ جب سے اسلام آباد سے لوٹی ہے، یوں لگ رہا ہے، جیسے اس کی یادداشت کھو گئی ہے۔" وہ پُر سوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔ بڑی ممانی اُسے گھورنے لگیں۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ تمہاری اپنی یادداشت کچھ متاثر ہو گئی ہے۔"

"چہ۔۔۔۔۔۔۔ذرا غور تو کریں۔ کتنی عجیب سی حرکتیں کر رہی ہے، ان دنوں وہ۔" وہ ذرا چِڑ کر بولا تھا۔ ساتھ ہی گھور کر نوشی کو بھی دیکھا، جسے اب اپنی ہنسی پر قابو نہیں رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔کل میں نے اسے درخت سے لٹکتے دیکھا تھا۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی، پھر ہنسنے لگی۔ "کمال کرتے ہو تم بھی۔ وہی شینا ہے جو پہلے تھی۔ اب اسلام آباد والے نیا سیمپل تو بھیجنے سے رہے۔"

اُس کی بات پر نبیل نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"میرے خیال میں تم اب اپنا منہ بند ہی رکھو تو بہتر ہو گا۔ ورنہ آصف کو مجھ سے شکایت ہو گی۔" اس کے تیکھے انداز پر وہ جھینپ گئی۔

"اچھا یہ فضول باتیں چھوڑو۔ شکر نہیں کرتے کہ بچی سدھر گئی ہے۔" بڑی ممانی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ تو اب میں پتہ لگاؤں گا کہ "بچی" کیوں سدھر گئی ہے۔

☆☆☆...

فلزا کے گھر سے واپسی پر صرف وہ اور نبیل گاڑی میں موجود تھے۔ مسز حیات اور سیمی کو انہوں نے راستے میں ڈراپ کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ پورچ میں گاڑی رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر کی طرف بڑھی۔ ٹی وی لائونج میں ماما اور نوشی بیٹھی تھیں۔ اسے مجبوراً رکنا پڑا۔

"کیا رہا۔۔۔۔۔۔۔ بن گئی بات۔۔۔۔۔۔۔؟" نوشی نے بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ وہ بالکل بھی رُکنا نہیں چاہ رہی تھی، مگر اب اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ گہری سانس لے کر نوشی کے پاس صوفے پر ٹِک گئی۔

"اُنہیں فلزا پسند آگئی ہے۔۔۔۔۔۔۔ اب لڑکے کو دیکھ کر ہی وہ بات آگے بڑھائیں گے۔" اس کے تھکے تھکے لہجے پر ماما نے بغور اسے دیکھا۔ تبھی نبیل آیا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ماما، فزرینہ سے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے جواب دینے کو منہ کھولا مگر اس سے پہلے وہ طنزیہ لہجے میں بولتا ماما کے ساتھ آبیٹھا۔

"ایسی حرکتیں یہ محترمہ کرتی ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے کہ واقعی اِن کی طبیعت خراب ہے۔" اسی وقت سے فزرینہ خوف زدہ ہو رہی تھی۔

بات اصل میں یہ ہوئی کہ سیمی اور مسز حیات راستے بھر اس سے فلزا کے متعلق پوچھتی رہیں اور ایک بھی سوال کا جواب وہ تسلی بخش نہیں دے سکی تھی۔ تب نبیل نے انہیں باتوں میں لگا کر ان کی جان چھڑائی تھی۔

اس کے بعد نبیل نے نوٹ کیا کہ وہ فلزا کے گھر والوں میں سے کسی کو بھی نہیں پہچان رہی۔ سب سے پہلے فلزا کی بھابی ان لوگوں کے پاس آکر بیٹھی تھیں۔ وہ انہیں پہچانی ہی نہیں۔ جبکہ وہ بڑے تپاک سے اس سے ملی تھیں۔ اب مسز حیات اس کا منہ دیکھ رہی تھیں کہ شاید وہ تعارف کروائے، مگر وہ تو جیسے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی تھی۔ نبیل کے گھورنے پر وہ گڑبڑا کر بولی۔

"دیکھیں بھئی، اب تعارف تو آپ کو خود ہی کروانا ہے تاکہ ذرا ایک دوسرے سے فرینک نیس بڑھے۔"

تب فلزا کی بھابی نے ہنستے ہوئے اپنا تعارف کروا دیا۔

اس کے بعد فلزا کی امی بھی آگئیں۔ نبیل کی سخت نگاہوں سے گھبرا کر وہ فلزا کا پوچھ بیٹھی تو اس کی امی بولیں۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

تب سیمی اس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈرائنگ روم سے نکلنے کے بعد اُسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ فلزا کو کہاں ڈھونڈے۔ وہ تو شکر تھا کہ وہ خود ہی انہیں دیکھ کر کچن سے برآمد ہو گئی۔ فزرینہ کو اس نے کھینچ کر ساتھ لگایا اور پشت پر دو چار دھموکے بھی جڑ دیئے۔

اس کے بعد تو وہاں پر خیریت ہی رہی، مگر مسز حیات اور سیمی کو ڈراپ کرنے کے بعد نبیل کا غصہ کھل کر سامنے آگیا۔

"یہ کیا طریقہ تھا تمہارا؟۔۔۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہی ہوں گی وہ دونوں؟"

"ایسا کیا کر دیا ہے میں نے؟" اُس کے تیز لہجے پر وہ خائف ہو گئی۔

"کیا کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔؟" وہ دانت پیستے ہوئے اسے گھور کر بولا۔

"انداز تو تمہارا ایسا تھا جیسے تم یہ رشتہ ہونے ہی نہیں دینا چاہتیں۔"

"میں بھلا کیوں ایسا چاہوں گی؟" وہ خفگی سے بولی تھی۔

"یہ تو تمہیں ہی پتہ ہوگا۔ مجال ہے، جو ڈھنگ سے انہیں کوئی بات بتائی ہو۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے تم فلزا کو جانتی ہی نہیں۔" وہ شرربار لہجے میں بول رہا تھا۔ تب دل کڑا کر کے فزینہ نے بھی اپنا لہجہ سخت بنایا۔

"وہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ میں جس کے ساتھ جیسے چاہے بات کروں، تمہیں اس سے کیا؟"

اس کے یکدم بدلتے انداز کو نبیل نے سرعت سے محسوس کیا تھا جبکہ اس سے پہلے وہ بہت ڈرے سہمے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"مجھے بہت کچھ ہے۔ وہ میرے دوست کی والدہ اور بہن تھیں۔" وہ تیز لہجے میں بولا تو وہ جھنجلا گئی۔

"میں تمہارے آگے اپنے کسی عمل کی جواب دہ نہیں ہوں۔ اور پلیز! اب مجھ سے اس ٹاپک پر مزید بات مت کرنا۔"

اس کے جواب نے نبیل کو بہت غصہ دلا دیا تھا۔

"میں سب جانتا ہوں، تمہارے اس لہجے کے پیچھے کیا محرک ہے؟" وہ پھنکارا تھا۔ فزینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ مگر یہ سب کچھ اس کی مجبوری تھی۔

اس کے بعد گھر آنے تک دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اور اب وہ مضطرب سی ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔ 'کیا مطلب؟۔۔۔۔۔۔۔ کیا، کیا ہے میں نے؟" ماما نے فوراً تیوریاں چڑھائیں تو وہ بے ساختہ نبیل کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ فزینہ کی آنکھوں میں اس وقت التجا سی تھی۔ وہ لب بھینچ

کر رہ گیا، پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ سب کچھ ٹھیک ہی ہو گیا۔ اب دعا کریں کہ کام بن جائے۔ آنٹی تو بالکل مطمئن ہیں۔"

وہ ماما کو بتانے لگا۔ وہ تشکر بھرے انداز میں اسے دیکھتی نوشی کے ساتھ اندر آگئی۔ الماری سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے وہ نوشی کی باتیں سنتی اور ان کا جواب دیتی جا رہی تھی۔

"پھپھو پوچھ رہی تھیں، مجھ سے کمپیوٹر کلاسز جوائن کرنے کا۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" نوشی اس کے بستر پر نیم دراز پوچھ رہی تھی۔ ہینگر پر لٹکے کپڑے نکالتی وہ پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"میں کمپیوٹر کلاسز جوائن نہیں کر رہی۔"

"تو پہلے اتنا کھٹ راگ پالنے کی کیا ضرورت تھی؟۔۔۔۔۔۔۔ اسلام آباد جانے سے پہلے تو تمہارا موڈ بڑا خراب ہو رہا تھا۔" نوشی نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ چند سیکنڈ تک اسے دیکھتی رہی، پھر طویل سانس لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔ پتہ نہیں، کب تک شینا کا کیا مجھے بھگتنا پڑے گا۔ میں ماما کے سامنے اپنا امیج جتنا اچھا بنانے کی کوشش کر رہی ہوں، حالات و واقعات اتنے ہی اُلجھتے جاتے ہیں۔

وہ باتھ روم سے باہر نکلی اور بالوں کو کلپ میں جکڑتی نوشی کے پاس بیٹھ گئی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے بولنا شروع کیا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ میں خود اپنی متلون مزاجی سے تنگ آگئی ہوں۔ یہ بات شاید تم لوگوں کے لئے ہنسی کا باعث ہو، مگر میں خود کو بدلنا چاہتی ہوں۔ میں اب ماما کو مزید تنگ نہیں کرنا چاہتی۔ انہوں نے آج تک میری ہر بدتمیزی اور بدتہذیبی کو نظرانداز کیا ہے۔ اب میں وہی سب دہرانا نہیں چاہتی۔ جو ماما چاہتی ہیں، اب وہ ہو گا۔" اس کے نرم لہجے اور غیر یقینی انداز پر نوشی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"آئی ڈونٹ بلیو دی۔۔۔۔۔۔۔یہ تم ہو، شینا؟" نوشی اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر رہ نہیں سکی تھی۔

"کیا میں ایسے اچھی نہیں لگتی، تم لوگوں کو؟" فزرینہ نے بڑی آس سے پوچھا۔ جواباً نوشی نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"اتنی اچھی تو تم مجھے پہلے کبھی نہیں لگیں، جتنی اب لگنے لگی ہو۔ تمہارا یہ انداز کسی نے دیکھا ہی کب ہے، شینا! اتنا ٹھنڈا اور میٹھا۔"

نوشی کے پیار بھرے لہجے پر اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر اُٹھی تھی۔ 'میں ان سب کے دل جیت سکتی ہوں۔ پھر اس کے بعد ہم سب اکٹھے رہیں گے۔'

کھانے کی ٹیبل پر اس نے ماما سے کمپیوٹر کلاسز نہ جوائن کرنے کے سلسلے میں بات کرلی تھی۔

"اوکے۔۔۔۔۔۔۔ایز یو وِش۔" ماما نے جیسے اطمینان کی سانس لی تھی۔ اور ساتھ ہی فزرینہ نے بھی کہ ایک بوجھ تو سر سے اُترا۔ اُسے کمپیوٹرز سے رتی بھر بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"پہلے تو تمہیں بڑی محبت تھی، کمپیوٹرز سے۔" نورین نے اسے چھیڑا تھا۔ وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"مائی ڈیئر! ضروری تو نہیں کہ کسی چیز سے متعلق ہم ماضی، حال اور مستقبل میں ایک سا رویہ رکھ سکیں۔"

"یہ تو پھر غیر مستقل مزاجی کی حد ہوگئی۔" وہ بحث کرنے والے انداز میں بولی۔ فزرینہ نے شانے اچکائے اور بے پروائی سے بولی۔

"کہہ سکتی ہو۔ اینی وے، اب تو یہ ٹاپک کلوز ہی کردو۔" اس نے ماما کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب جو ماما کہیں گی، میں وہی کروں گی۔" سب خوش گوار سی حیرت کے حصار میں گھرے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ جبکہ نبیل اپنی ٹیبل پر جھکا، پُرسوچ انداز میں کھانا کھاتے ہوئے اس قدر بڑی اور واضح تبدیلی کے بارے میں غور کررہا تھا۔ سب سے پہلے آصف کو ہوش آیا تھا۔

"انقلاب۔۔۔۔۔۔۔؟"

"زندہ باد!" نوشی اور نورین نے اُس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ پھر بڑی ممانی کی خشمگیں نگاہوں نے سب کو تہذیب کے دائرے میں رہنے کا سگنل دیا۔ فزرینہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیلی تھی۔

...☆☆☆...

"ماما!۔۔۔۔۔۔۔آپ خفا نہ ہوں تو ایک بات پوچھوں آپ سے؟" وہ ان کے پاس لیٹی ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرادیں۔

"کم آن شینا!۔۔۔۔۔۔۔اب خود میں اس قدر چینج بھی نہ لائو کہ مجھے بھی حیرت ہونے لگے۔"

"ماما!۔۔۔۔۔۔۔کیا کبھی آپ کو۔۔۔۔۔۔۔احساس نہیں ہوا کہ ہماری زندگی کس قدر پھیکی اور اُداس سی ہے؟" وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔ لحظہ بھر کو عابدہ سناٹے میں آگئیں، پھر فوراً ہی سرسری انداز میں بولیں۔

"زندگی اُداس اور پھیکی نہیں ہے، بلکہ تم ہی ڈل اور اَن ایکٹو ہوگئی ہو۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھیں، ماما!" وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔

"دیکھو شینا! اگر میرے پاس سونا ہے تو یہ وحشت ناک سی باتیں مت کرو۔" انہیں شک سا تھا کہ وہ کس موضوع پر بات کرنا چاہ رہی ہے، اس لئے انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اسے پہلے ہی بیزاری سے ٹوک دیا اور کچھ اُنہیں اُلجھن بھی ہورہی تھی کہ اس سے پہلے کبھی بھی شینا نے اس لب و لہجے میں بات نہیں کی تھی اور نہ ہی وہ کبھی ان کے ساتھ سونے اور رات دیر تک جاگ کر باتیں کرنے کی ضد کرتی تھی۔ بلکہ اس کے انداز میں اس قدر ہٹ دھرمی اور ضد ہوتی کہ عابدہ کو متواتر غصہ آتا رہتا تھا۔ اور اب اس کا یہ "فدویانہ" انداز عابدہ کو کھٹک رہا تھا۔

"ماما! پلیز۔ کبھی تو میرے ساتھ میرے دُکھ شیئر کرلیجئے، پلیز۔" وہ یکبارگی منت پر اُتر آئی۔ "میں بہت

لونلی فیل کرتی ہوں۔ سب کے ماں باپ، بھائی بہن اکٹھے رہتے ہیں، پھر ہم کیوں نہیں رہ سکتے؟ ہم اپنے گھر میں کیوں نہیں جا سکتے ماما؟"

عابدہ گنگ بیٹھی اسے بے حد تحیر سے دیکھ رہی تھیں اور فنزینہ کو کب خود پر اختیار تھا۔ وہ رونے لگی۔

"میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں ابو کو دیکھوں، ان سے باتیں کروں، ان کے ساتھ رہوں۔ میری تمام فرینڈز اپنے والدین کا ذکر کرتی ہیں اور۔۔۔۔۔۔۔۔ اور باپ کے ذکر پر ان کی آنکھوں میں کتنا پیار اور چمک اُتر آتی ہے۔ اور میں۔۔۔۔۔۔۔۔" اُس کی آواز بھرّا گئی۔ اس کی کیفیت پر جیسے عابدہ اپنی ذات کے کٹہرے میں آن کھڑی ہوئی تھیں۔

"ماما! میرے ابو ہیں نا؟ تو پھر ہم ان کے پاس کیوں نہیں رہتے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ہی کا انتظار کر رہے ہوں، اسی گھر میں جسے آپ کبھی بہت جذباتی ہو کر چھوڑ آئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں آپ کی تلاش ہو، مگر وہ آپ کا پتہ نہ جانتے ہوں۔ ہو سکتا ہے، ماما! فنزینہ میرے لئے، آپ کے لئے روتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ کتنی اکیلی ہو گی، ماما! اپنی ماں کو یاد کر کے وہ کتنا روتی ہو گی۔" وہ مسلسل روتے ہوئے بول رہی تھی۔

عابدہ کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔ انہوں نے کبھی جذباتیت کو قریب پھٹکنے بھی نہیں دیا تھا۔ یہ اٹھارہ سال انہوں نے محض اپنی انا کی حکمرانی کے تسلط میں گزارے تھے۔ مگر اب ان کی بیٹی جو کہ آج سے پہلے انہیں نادان اور کم فہم لگتی تھی، یکلخت ہی انہیں تپتے صحرا میں کھڑا کر گئی تھی۔ ان کی خاموشی پر فنزینہ کے اندر دُکھ اُترنے لگا۔

"ماما! آپ نے ایک چھوٹی سی بات کو ایشو بنا کر اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا، جو کہ بالکل غلط تھا۔ آپ نے صرف اپنے بارے میں سوچا، میرے اور فنزینہ کے بارے میں نہیں۔ آپ کو صرف یہ دکھ تھا کہ ابو آپ کی محبت پر باہر جانے کو فوقیت دے

رہے تھے۔ وہ تو تنہا ہو ہی رہے تھے، آپ نے تو انہیں بالکل ہی اکیلا کر دیا۔ آپ تو اتنے چاہنے والے بھائی اور بھابیوں کے درمیان رہیں۔ وہ تو بالکل تنہا تھے۔ کیسے پالا ہو گا، انہوں نے اپنی بیٹی کو؟ کس کس موقع پر آپ کو یاد نہیں کیا ہو گا، انہوں نے؟ کیا خبر آپ کو اپنانے کے فیصلے پر پچھتائے بھی ہوں۔ یہ سب آپ کی غلطی تھی، ماما! آپ چاہتیں تو معاملات کو پراپر طریقے سے ہینڈل کر سکتی تھیں۔ وہ ساری عمر کے لئے نہیں جا رہے تھے، ایک نہ ایک دن اُنہیں لوٹ کے آنا ہی تھا۔ مگر آپ ہمیشہ سے بہت ضدی اور انا پسند رہی ہیں۔ آپ نے محض اپنی ضد اور انا کا علم بلند رکھنے کے لئے ابو کو ان کی خواہش کی سزا دینے کے لئے ایسا فیصلہ کیا جس نے میری شخصیت کو بھی توڑ پھوڑ ڈالا۔ مجھ سے آپ کو ہمیشہ بدتمیزی اور بدتہذیبی کا گلہ رہا ہے، مگر کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر میں اپنے باپ کے متعلق پوچھتی نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے کبھی ان کی محبت، ان کی شفقت کی طلب ہی نہیں ہوتی۔ قدم قدم پر میں نے ان کی کمی کو محسوس کیا ہے، ماما! دوستوں کے ابو کے متعلق پوچھنے پر میں انہیں ٹھیک طرح سے کچھ بتا ہی نہیں پاتی۔ کیا کہوں، ان سے۔۔۔۔۔۔۔۔ کہاں ہیں وہ؟ آپ نے بہت غلط کیا، ماما!۔۔۔۔۔۔۔۔ بروکن فیملی کے بچے کبھی بھی نارمل طریقے سے نشوونما نہیں پا سکتے۔ آپ نے میرے ساتھ، فنزینہ کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ کیا مجھے ابو کی اور فنزینہ کو آپ کی ضرورت نہیں تھی؟ کیوں آپ لوگوں نے ہم سے ہماری محبتیں، ہمارا حق چھین لیا؟۔۔۔۔۔۔۔۔ فنزینہ کیا سوچتی ہو گی، آپ کے بارے میں؟۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے، وہی سوچتی ہو، جو چھوڑ کے جانے والی مائوں کے متعلق بچے سوچتے ہیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی شخصیت بھی میری طرح نامکمل ہو، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو۔ ماما! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں آپ نے ہمیں اور ہمارے جذبات واحساسات کو نظر انداز کر دیا؟۔۔۔۔۔۔۔۔ کیوں ماما!۔۔۔۔۔۔۔۔ کیوں؟"

وہ بے حد منتشر ہو رہی تھی۔ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ برسوں بعد عابدہ کا دل جیسے پگھلنے لگا تھا۔ اس کی باتیں انہیں اندر تک جھنجوڑ گئی تھیں۔ پہلے کبھی انہیں اپنی جلد بازی کا ضد کا احساس ہونے لگتا تو وہ اس احساس کو جھٹک کر

زندگی کے ہنگاموں میں پناہ لے لیتی تھیں۔ جب تک وہ چپ رہی، انہیں کبھی احساسِ زیاں نہیں ہوا، مگر آج جیسے وہ پھٹ پڑی تھی۔ برسوں کا لاوا ایسے نکلا کہ ان کی ضد، انا اور ہٹ دھرمی جلا گیا۔

ان کے پاس بولنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ ان کی بیٹی انہیں گناہگار ٹھہرا گئی تھی۔ وہ انہیں غلط کہہ رہی تھی، تو پھر جو بیٹی باپ کے پاس تھی، وہ انہیں کیا کہہ رہی ہو گی؟۔۔۔۔۔اُن کا ہاتھ فنرینہ کے بالوں میں رینگ رہا تھا اور سوچ ٹھہر سی گئی تھی۔

...☆☆☆...

ماما بالکل چپ سی ہو گئی تھیں۔ نہ انہوں نے فنرینہ کی باتوں کا کوئی جواب دیا اور نہ ہی تردید کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ فنرینہ ان کے رویے سے بہت دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ انہوں نے صرف اس معاملے میں چپ سادھی تھی، ورنہ عام روٹین کے انداز میں در آنے والی خفیف سی سختی فنرینہ سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

اب بھی انہوں نے حکم صادر فرمایا تھا کہ وہ نبیل کے ساتھ جا کر جیولر سے وہ سیٹ لے آئے جو وہ پسند کر کے آئی تھیں۔

"آپ نے پسند کر لیا، پھر میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ منمنائی تھی۔

"ضرورت ہے۔ اگر تمہیں پسند نہ آیا تو تم کوئی دوسرا سیٹ دیکھ لینا۔ آفٹر آل، تمہارے لئے خرید رہی ہوں میں۔" وہ چیک بُک اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے سرد لہجے میں بولیں تو اس کی ہمت پست ہو گئی۔

"نوشی! تم بھی چلو۔" وہ تنہا نبیل کے ساتھ جانے سے خوف زدہ تھی۔ کیا خبر راستے میں ہی احتساب رجسٹر کھول لیتا۔

"دیکھ نہیں رہیں، میں اتنا ضروری کام کر رہی ہوں۔" بیڈ شیٹ پر پینٹ کرتی نوشی نے صفاچٹ جواب دیا تھا۔ وہ

سلگ کر رہ گئی۔ کاش یہاں میری جگہ شینا ہوتی۔ "بینک سے پیسے نکلوا لینا۔" ماما نے نکلتے وقت تنبیہ کی تھی۔

"پھپھو سے کچھ کہا ہے تم نے؟۔۔۔۔۔۔۔چند دنوں سے وہ بہت اُلجھی ہوئی ہیں۔"

گاڑی مین روڈ پر دوڑاتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ کوفت و بیزاری کی لہر اس کے دل و دماغ میں دوڑ گئی۔ ایک تو اس شخص کو جرح کرنے کا بہت شوق ہے۔

"ضروری تو نہیں کہ ہر اُلجھن کا باعث میری ذات ہی ہو۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ وہ ذرا سا ہنسا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔ضروری تو نہیں۔" اس نے بینک کے سامنے گاڑی روکی تھی۔

"لائو چیک۔" اس نے ہاتھ فنرینہ کے آگے پھیلایا۔

"چیک تو نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ماما نے یہ چیک بُک دی تھی۔" وہ بیگ پر جھکتے ہوئے بولی اور چیک بُک نکال کر نبیل کی طرف بڑھا دی۔

"تو چیک بنا کر دو نا۔ میرے خیال میں تو یہ تمہاری ہی چیک بُک ہے۔" وہ اُس کا نام چیک بُک پر لکھا دیکھ کر طنزیہ لہجے میں بولا تو اس کے وجود میں جیسے سنسنی دوڑ اُٹھی۔ اُس نے مرے مرے انداز میں چیک بُک پکڑ کر دیکھی۔

"شہزینہ علیم۔"

"اوہ گاڈ!۔۔۔۔۔۔۔واٹ دا ہیل؟" وہ ہونٹ کاٹتی گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اب جو بھی تھا، شہزینہ کے سائن تو وہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی جگہ لینا تو اور بات تھی۔

"میں کیا نوکر لگا ہوں تمہارا، جو انتظار میں کھڑا ہوں؟۔۔۔۔۔۔۔جلدی سے چیک بنائو۔" نبیل کا لہجہ برہم تھا۔ اُسے رونا آنے لگا۔ اتنی سختی اور غصہ اس نے دیکھا ہی کب تھا؟ بس جب سے اس گھر میں آئی تھی، مسلسل زیرِ عتاب تھی۔ شہزینہ کے بوئے کا پھل اُسے مل رہا تھا۔

"میں نہیں بنا رہی، کوئی چیک۔" اس نے چیک بک بیگ میں ٹھونسی۔ انداز ایسا ہی تھا، جیسے اس نے آر یا پار کا فیصلہ کر لیا ہو۔

"تمہارا دماغ صحیح ہے؟۔۔۔۔۔۔یو نو، واٹ یو آر ڈوئنگ؟" نبیل کا پارہ ہائی ہونے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ارد گرد کا دھیان کئے بغیر زور سے بولا تھا۔ وہ جو، دل کو مضبوط کئے بیٹھی تھی، خائف سی دروازے کے ساتھ لگ گئی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ تیزی سے پلکیں جھپک کر نمی کو روکنے لگی۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔۔۔۔ایکچوئیلی میں یہ جیولری ماما کے روپوں سے لینا چاہتی ہوں۔ گھر سے نکلتے ہوئے مجھے یاد نہیں رہا کہ ان سے بات کر لوں۔۔۔۔۔۔آئی ایم سوری، تمہیں میری وجہ سے ٹینشن ہوئی۔" وہ جلدی جلدی جو سوجھ رہا تھا، بولے جا رہی تھی۔ اور نبیل یک ٹک اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تم یوں کیوں نہیں کرتیں کہ فی الحال یہی روپے استعمال کر لو اور بعد میں ماما سے لے لینا۔" اب کی بار اس کے لہجے میں سختی کم تھی۔ مگر فنزینہ کے لئے اس کی یہ ترکیب بھی ناقابلِ قبول تھی اور سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس کے مسئلے کو نہیں سمجھتا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔۔" اُس نے نفی میں سر ہلایا تو اس کی فضول ضد پر نبیل نے ہونٹ بھینچ کر بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھائی۔ جس طرح جھٹکوں سے وہ گیئر بدل رہا تھا، فنزینہ کو اس کے غصے کا اندازہ کرنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

'صرف یہ بندہ سیٹ ہو جائے تو میرا سارا ڈر اور خوف دُور ہو جائے۔' اُس نے بے اختیار سوچا تھا۔

شینا تو جانے کب لوٹتی۔ اتنی دیر تک تو اسے کچھ بھی ہو جاتا، اپنی اصلیت چھپانا ہی تھی۔ "نبیل!" اس نے

بہت ڈرتے ڈرتے اسے پکارا تھا۔

"کیا ہے؟" وہ ونڈ اسکرین پر سے نظریں ہٹائے بغیر بیزار کن لہجے میں بولا تو فنزینہ کو اپنی ہمت ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"وہ۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔۔ناراض ہو مجھ سے؟" وہ بیگ کا اسٹریپ مسلتی بہت جھجک کر پوچھ رہی تھی۔ نبیل جیسے منوں حیرت میں ڈوبنے لگا۔

"خیریت تو ہے؟۔۔۔۔۔۔آج تمہیں میری ناراضگی کا خیال کیسے آگیا؟" وہ طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

فنزینہ نے اس کے بولنے کو غنیمت جانا۔

"پلیز نبیل!۔۔۔۔۔۔اب تو میں بہت بدل گئی ہوں۔ سب فضول حرکتیں میں نے چھوڑ دی ہیں۔ ماما کو تنگ کرنا، تم سے جھگڑنا۔ پھر بھی تم مجھ سے اس قدر خفا کیوں رہتے ہو؟" وہ جیسے بہت عاجزی سے پوچھ رہی تھی۔ وہ سلگ کر بولا۔

"یوں پوز مت کرو، شہزینہ علیم!۔۔۔۔۔۔تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے اس روّیے کی وجہ صرف اور صرف تم ہو۔" فنزینہ اس کے الفاظ پر دھک سے رہ گئی۔

"میں۔۔۔۔۔۔؟ میں کیسے۔۔۔۔۔۔؟ میں تو تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں، نبیل! یو آر مائی کزن۔"

نبیل نے ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک کر تھکے تھکے سے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مت دو مجھے لہجے کا فریب۔۔۔۔۔۔اسی انداز سے دھوکا کھایا تھا پہلے بھی میں نے۔" اس کے انداز میں کاٹ تھی۔ فنزینہ دل مسوس کر رہ گئی۔ لگتا ہے کہ اس بندے کا دل بہت بری طرح دُکھایا ہے، شینا نے۔

چلو، جو میں کر سکتی ہوں، وہ تو کر دوں تا کہ جب تک شینا آئے، ماحول خوشگوار ہو چکا ہو۔ اور یہ بندہ بھی اپنی منزل پا لے۔ کیوں نہ میں اس کی منزل تک پہنچنے والا راستہ بتا کر اس کے فیصلہ کرنے کو آسان بنا دوں۔

وہ بہت مضبوط قدموں سے چلتی نبیل کے ہمراہ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔ وہ لوگ قدرے کارنر والی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔

"کیا میں اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟" نبیل نے بے حد سنجیدگی سے وہیں سے بات شروع کی تو وہ جو اسی خطرے کے پیشِ نظر اندر ہی اندر الفاظ ترتیب دے رہی تھی، چونک گئی۔

"میں اپنی متلون مزاجی سے اُکتا چکی ہوں۔ یہ ضد، بے صبری اور ہٹیلا پن مجھے تھکانے لگا ہے۔ میں اپنی طبیعت کی وجہ سے تم سب لوگوں سے دور ہوتی جا رہی ہوں اور میں یہ نہیں چاہتی۔" وہ سوچے سمجھے الفاظ بول رہی تھی۔ انداز میں نرمی اور حلاوت، چہرے پر سادگی اور معصومیت۔ نبیل نے عجیب سے احساس میں گھر کر اسے دیکھا اور پھر آگے جھک کر اس نے بازو میز پر ٹکائے اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اور اگر تمہاری اس تبدیلی کو بھی میں تمہارے مزاج کا حصہ سمجھوں تو؟ "

نبیل کی بات پر وہ بے ساختہ تڑپ اُٹھی۔

"نہیں نبیل!۔۔۔۔۔۔۔ یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ میں ماما سے، تم لوگوں سے دُور نہیں ہو سکتی۔ میں ہر پل تم لوگوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ تم لوگوں کا حصہ بن کے رہنا چاہتی ہوں۔ میں ان محبتوں کو محسوس کرنا چاہتی ہوں، برتنا چاہتی ہوں، جنہیں میں بیس برسوں سے بھُلائے ہوئے ہوں۔ میں تم لوگوں سے الگ نہیں ہونا چاہتی۔۔۔۔۔۔۔ پلیز نبیل!۔۔۔۔۔۔۔ پلیز!" وہ بِنا سوچے سمجھے بول رہی تھی، وہ سب کچھ جو کبھی اس نے صرف خود کلامی کے انداز میں خود سے کہا تھا۔ اور اس کے بے آواز بہنے والے آنسو، نبیل کو جیسے مسمریز کر گئے تھے۔

"میں سب گھر والوں سے شرمندہ ہوں۔ میں نے ان سب کو بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ آج تک میرے فیصلے سے کبھی بھی کوئی خوش ہوا ہو۔۔۔۔۔۔۔ میں نے ہمیشہ وہی فیصلہ کیا ہے، جو ماما کو ناپسند

ہو۔ ماموں لوگ جس کی مخالفت کریں۔ تمہیں غصہ آئے۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔ مگر اب میں وہ سب کچھ بھُلا کر نئی زندگی شروع کرنا چاہتی' وہ سردیوں کی بات تھی، گرمیوں میں انار نہیں ہوتے۔" آصف اطمینان سے جواب دیتے ہوئے بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

"تم بہت بدل گئی ہو شینا! اور تمہاری یہ تبدیلی ہم سب کو بہت پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہی نبیل جو تم سے سیدھے سبھاؤ بات نہیں کرتا تھا، اس نے تائی جان سے شادی کی بات کر لی ہے۔" نوشی نے کھلکھلاتے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ انجان نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"کتنی حیرانگی کی بات ہے کہ میں شینا کی مسندِ عالیہ پر اس قدر بے تکلفی سے براجمان ہوں اور ابھی تک میرا سر سلامت ہے۔" آصف کا انداز پُر تشویش تھا۔

"تو آپ کو غم کس بات کا ہے؟ سر نہ ٹوٹنے کا؟" نورین کو ہنسی آگئی۔

"میں جو ہوں اس کام کے لئے۔ کب تک غیروں سے کہو گے، غیروں سے سنو گے؟" نوشی نے بڑی معصومیت سے پلکیں جھپکائی تھیں۔ وہ اسے گھورنے لگا۔

"اسے کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں، کہیں شادی مرگ ٹائپ کی شے تو اس پر حملہ آور نہیں ہو گئی؟" نورین نے ان کی کج بحثی سے تنگ آ کر ان کی توجہ ساکت بیٹھی فرزینہ کی طرف دلائی۔

"تم کیا جاگتے ہی میں سو گئیں؟" نوشی نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کا منہ اوپر کیا تو کتنے ہی گرم قطرے اس کے ہاتھ کو بھگو گئے۔

"شینا! کیا ہوا؟" وہ گڑبڑا گئی۔ آصف بھی حیرت کے مارے اُٹھ بیٹھا۔

"کم آن شینا! اس قدر اَن ایکسپیکٹڈ تو نہیں یہ بات۔ منگنی ہوئی تھی تو شادی بھی ہونا ہی تھی نا۔" نوشی نے سوچا، شاید وہ دلگرفتہ ہو رہی ہے۔

"سچ کہہ رہی ہو؟" آصف گویا بے یقینی سے چلایا تھا۔

"اوہ میرے خدایا! میں تو سمجھ رہا تھا کہ بس منگنی تک ہی بات رہتی ہے۔ یعنی تم رخصت ہو کر بھی آؤ گی۔"

وہ بات کو اپنے اوپر اپلائی کرنے لگا۔ نوشی بس دانت پیس کر رہ گئی۔

"تم تو خوش قسمت ہو، بس ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں رخصت ہو کر جاؤ گی۔ وہ بھی تو ہیں، جو سات سمندر پار وداع ہو کر جاتی ہیں۔"

نورین بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کر رہی تھی، مگر اسے دلوں کے حال کا کیا پتہ تھا۔ وہ تو کیا، خدا کے بعد کوئی بھی نہیں جان سکتا تھا کہ اس کی دھڑکنیں کیسے تھمتی جا رہی ہیں۔

"ویسے بھائی ہیں بڑے رستم۔۔۔۔۔۔ کہاں تو یوں لگ رہا تھا، جیسے کبھی شادی نہ کرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں اور کہاں یہ کہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے پر تُلے ہیں۔"

"بھائی کس کا ہے آخر۔۔۔۔۔۔۔ میں بھی ایسے ہی کروں گا۔"

"میں شینا نہیں ہوں۔ شوٹ کر دوں گی تمہیں۔" وہ تینوں اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے اور وہ بس سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ ان کے درمیان بیٹھی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ لوگ نوک جھوک کرتے رہے، پھر اس کی بدستور خاموشی کو محسوس کر کے آصف بہت بددلی سے اُٹھا تھا۔

"چلو بھئی۔۔۔۔۔۔ یہاں تو خوشی کا نام ونشان تک نہیں ہے۔" وہ سخت بدمزہ ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہمیشہ کی طرح وہ لڑے گی، جھگڑے گی۔ مگر اس کے سپاٹ چہرے اور سرد خاموشی نے اسے مایوس کر دیا۔ وہ تینوں چلے گئے تھے۔ میرے خدا! چھوٹی سی خواہش کی سزا آخر کب تک؟ اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ آنسوئوں کو نکاسی کا راستہ ملا تو وہ بہتے ہی چلے گئے۔

کتنے قریب ہے میری ماں، مگر میں اس سے اپنے دل کی باتیں نہیں کر سکتی، اپنا غبار نہیں نکال سکتی۔ وہ گھٹنوں

پر سر رکھ کر رونے لگی۔ نبیل اپنی جھونک میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ کھٹکے پر فنزینہ نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا تو وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ فنزینہ نے تیزی سے دوپٹے سے چہرہ رگڑ ڈالا۔

"ایسے کسی کے کمرے میں نہیں آتے۔ پہلے دروازہ ناک کرتے ہیں۔" وہ بے حد ناگواری سے بولی تھی۔

نبیل گہری سانس لے کر آگے بڑھ آیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں خبر مل چکی ہو گی، میرے فیصلے کی۔" وہ پوچھ رہا تھا۔ زینہ کچھ بولی نہیں، بس آزردگی سے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان پر چہرہ رکھ کر کارپٹ کو گھورنے لگی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

نبیل اس کی بہن کا منگیتر تھا۔ شینا یہاں ہوتی تو اس کی شادی ہو رہی ہوتی۔ اب فنزینہ انکار کر دیتی تو شینا کے لئے مسئلہ بن جاتا۔ اس لئے شینا بن کے معاملہ ہینڈل کرنا تھا۔ اُسے شینا اور ذیشان حیدر والے قصے کی خبر نہ تھی ورنہ وہ ابھی اور اسی وقت نبیل کو انکار کر دیتی۔ (جب تک شینا نہیں آ جاتی، تب تک تو اس مسئلے کو سنبھالنا ہی ہے) اُس نے اندر ہی اندر خود کو تسلی دی تھی۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

'آئی ایم سوری شینا! یہ سب تمہارا قصور ہے۔ اگر تم مجھے اس رشتے کے متعلق ایک لفظ بھی بتا دیتیں تو میں کبھی بھی ادھر کا رخ نہیں کرتی۔' وہ سوچ رہی تھی۔

"لیکن۔۔۔۔۔۔۔ میں اتنی جلدی یہ سب کچھ نہیں چاہتی۔" اس نے بے حد مشکل سے یہ ایک جملہ کہا تھا۔

"جو کل ہونا ہے، آج ہی ہو جائے تو کیا برا ہے شینا؟" وہ آہستگی سے کہتے ہوئے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"گزرے سالوں میں تم نے مجھے بہت مایوس کیا تھا، شینا! میری محبت، میرے جذبوں کو تم نے اپنی سرکشی اور خود غرضی سے مٹا ڈالا۔ میں نے تم سے بہت نفرت کی ہے، شینا! بہت۔۔۔۔۔۔۔ مگر اب۔۔۔۔۔۔۔ مگر اب

سب بدل دیا ہے تم نے۔ برسوں کی نفرت، اُکتاہٹ وبیزاری کو چند دنوں میں پانی کے بلبلے کی طرح ختم کر دیا ہے۔ میرا دل تمہاری طلب کر رہا ہے۔ میری محبت کو تمہاری پذیرائی چاہئے، میرے جذبوں کو یقین چاہئے اور مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے تم۔"

وہ بہت بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں فنزینہ کی آنکھوں کے راستے سے گویا دل میں اُترتی جا رہی تھیں۔

اور فنزینہ۔۔۔۔۔۔۔۔اُسے تو اب اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، جو اس نے یہاں آکر کی تھی۔

نبیل کی محبت، اس کے جذبات، لہریں نہیں تھے، جو اُسے بھگو کر واپس لوٹ جاتے۔ وہ تو سمندر تھے۔ وسیع و عریض گہرا سمندر۔۔۔۔۔۔۔۔وہ لاکھ ہاتھ پیر مارتی، مگر سچے اور کھرے جذبوں کا بھنور اسے اندر ہی اندر کھینچے جا رہا تھا۔ اس کی خاموشی پر وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہنے کے بعد لب بھینچے اُٹھ گیا۔ وہ جا چکا تھا اور اس کے جانے کے ساتھ ہی فنزینہ کو اپنے پہلو کے خالی ہونے کا احساس ہوا تو وہ ششدر رہ گئی۔

'یہ کیسی آزمائش ہے میرے خدا؟' وہ وحشت زدہ سی ہو اُٹھی۔ وہ بہت سادہ سی لڑکی تھی۔ اب تک اس نے بہت سیدھی اور سپاٹ سی زندگی گزاری تھی۔ مگر یہ دو ماہ تو اس کے لئے جیسے طوفان بن کر آئے تھے۔

رات اس نے پھر اسلام آباد فون ملایا۔ اسے علم تھا کہ جب تک شہزینہ اور ابو واپس گھر نہیں لوٹ آتے، شمیم اور اس کا شوہر گھر ہی پر ہوں گے۔ مگر شمیم سے بات کر کے دل کا بوجھ اور بڑھ گیا۔

"اُن کا جی فون آیا تھا۔ ابھی چند دن اور وہ سیر کریں گے۔ آپ اپنا نام بتا دیں تو میں انہیں کہہ دوں گی۔" وہ بڑی سادگی سے بتا رہی تھی۔

"ان لوگوں کا فون نمبر نہیں مل سکتا کیا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"نہیں جی۔۔۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں، کس ہوٹل سے فون کیا تھا انہوں نے۔" شمیم کی بات نے اس کی امیدوں پر منوں برف ڈال دی۔

"اچھا تو پھر اب جب تمہاری فنزینہ بی بی کا فون آئے تو انہیں بتا دینا کہ لاہور سے اس کی دوست نے فون کیا تھا اور وہ فوراً مجھ سے بات کریں۔" اس نے بے حد تاکید کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنا پیغام دہرایا تھا۔

"اچھا جی۔۔۔۔۔۔۔۔میں کہہ دوں گی۔" شمیم نے تابعداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں ریسیور رکھ کر ہاتھ میں چہرہ چھپا کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

...☆☆☆...

ہ کچھ کتابیں لینے کے خیال سے اکیلی ہی نکل کھڑی ہوئی تھی۔ نوشی دھڑا دھڑ اپنے کپڑوں کی ڈیزائننگ میں مصروف تھی۔ کیونکہ طے یہ پایا تھا کہ آصف اور نبیل کی شادی اکٹھی ہی کر دی جائے اور تاریخ بھی کوئی زیادہ دور نہیں تھی۔ فقط ایک ماہ کا وقفہ تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ شینا کا رویہ اس کی سمجھ میں بالکل بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو بچپن سے یہاں رہ رہی تھی۔ حالات سے بہ خوبی واقف تھی۔ پھر اس نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی حالت جاننے اور حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی؟ اسے بارہا محسوس ہوا تھا، جیسے شینا نے کچھ سوچ سمجھ کر اسے اس منصوبے میں استعمال کیا ہے۔ مگر پھر وہ اس خیال کو جھٹکنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ شادی کسی صورت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ شہزینہ علیم نہیں تھی۔

اس نے زندگی میں صرف ایک ہی خواہش کی تھی، اپنی ماں سے ملنے اور اس کی محبت کو محسوس کرنے کی۔ مگر اس ایک خواہش نے ایسا خراج وصول کیا تھا کہ وہ اپنی اس خواہش پر پچھتانے لگی اور تبھی وہ اکھڑ اور تند خو شخص کتنی ملائمت اور آسانی سے اس کے جذبوں کو چھیڑ گیا۔ اپنی اس خواہش پر تو وہ ششدر ہی رہ گئی تھی۔ دل ہمک ہمک کر نبیل عباس کو مانگ رہا تھا۔ وہ صرف شینا کا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ خود کو سمجھا سمجھا کر، خود سے لڑ لڑ کر نڈھال ہو گئی تو گھر سے نکل آئی۔

کتنے مطمئن اور آسودہ حال ہیں سب لوگ۔ پھر میرے دل پر ہی پت جھڑ نے ڈیرہ کیوں ڈال رکھا ہے؟ اپنی

مرضی اور پسند کی زندگی پا کر بھی میں خوش کیوں نہیں رہ پا رہی؟ دل کیوں مطمئن نہیں ہو رہا؟ اُس نے اردگرد ہنستے مسکراتے، تیزی سے اپنی اپنی راہ پر گامزن لوگوں پر حسرت بھری نگاہ ڈال کر تھکے ہوئے انداز میں سوچا تھا۔

''شینا!۔۔۔۔۔۔۔شینا!'' وہ خود سے بے گانی چلتی جا رہی تھی، یاد ہی نہیں رہا کہ ''اب'' وہ شینا ہے، فزرینہ نہیں۔ پکارنے والا اس کے سامنے آکھڑا ہوا تو وہ ٹھٹک کر اجنبی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے تمہیں کتنی بار پکارا ہے۔ تم سن کیوں نہیں رہیں؟'' وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ مگر اس کے بدستور انجان انداز پر وہ پریشان ہونے لگا۔

''شینا! آر یو آل رائٹ؟''

''ہوں۔۔۔۔۔۔۔'' وہ بے تحاشا چونکیتھی۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔اِٹس اوکے۔ آئی ایم فائن۔'' نگاہوں پر جمی اجنبیت کی برف پگھلی تو اس نے ذیشان حیدر کو اپنی تمام تر بے تابیوں کے ساتھ سامنے کھڑا پایا۔

''چلو کہیں چل کے بیٹھتے ہیں۔'' وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔ فزرینہ نے حیرت سے دیکھا۔

''لیکن کیوں؟۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کے ساتھ کہیں کیوں چلوں؟'' اُس کی اس حیرانگی پر وہ بڑی خوش دلی سے مسکرایا اور پھر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔

''کیونکہ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کر چکی ہو۔'' الفاظ تھے یا بارود۔۔۔۔۔۔۔اُسے یوں لگا، جیسے زمین آسمان ہل گئے ہوں۔''

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔'' وہ اس کے بازو کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے بڑی پریشانی سے بولا اور اسے سہارا دیتے ہوئے اپنی گاڑی تک لے آیا۔ وہ فرنٹ ڈور اس کے لئے کھول رہا تھا۔

''بیٹھو اندر۔'' وہ گاڑی کی چھت پر بازو سے سہارا لئے کھڑی تھی۔ یکدم جیسے صدیوں کی نقاہت اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔ ایسی ذلت کا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس کی ذات خوامخواہ ملوث ہوئے جا رہی تھی۔

''کم آن شینا! اندر بیٹھو۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے ٹھٹکا تھا۔ فزرینہ کو اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرنے میں بہت دقت کا سامنا کرنا پڑا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے چل نکلنے کا قصد کیا تو وہ آنکھوں میں غصہ لئے تیز لہجے میں بولا۔

''شینا! میں کیا کہہ رہا ہوں؟ گاڑی میں بیٹھو۔ میں چاہتا ہوں کہ آج فیصلہ ہو ہی جائے تو بہتر ہے۔'' وہ بہت سنبھل کر کھڑکی میں جھکی تھی۔ ''میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ بس۔۔۔۔۔۔۔کچھ دنوں تک پلیز۔''

ذیشان حیدر تحیر آمیز بے یقینی سے اس کے لہجے کی لرزش محسوس کر رہا تھا۔ یہ تکلیف آمیز لہجہ۔۔۔۔۔۔۔یہ وہ شہزینہ علیم تو نہیں جس کے دل کو پگھلانے میں اسے بہت کڑے وقت سے گزرنا پڑا تھا۔ جس کا ہلکا سا غرور آمیز انداز اسے پہلی نظر ہی میں گھائل کر گیا تھا۔ جو کیسے بھی حالات ہوں، ڈرنا جھکنا تو جانتی ہی نہیں تھی۔ پھر یہ اس قدر غیر یقینی تبدیلی۔

''کچھ دنوں کے بعد کیا ہوگا شینا؟ یہی تم اور یہی میں ہوں گے۔'' وہ بھی گاڑی سے نکل آیا۔ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

فزرینہ کو اپنی آنکھوں میں پھیلنے والی دُھند کو روکنے کے لئے بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔کہ چند دنوں کے بعد میں وہ نہ ہوں، جواب ہوں۔'' وہ بہ مشکل کہہ کر تیزی سے

پلٹ گئی تھی۔

ذیشان حیدر سُن کھڑا اُس کے لحظہ بہ لحظہ دُور ہوتے قدموں کو دیکھتا رہ گیا۔

...☆☆☆...

"یہ دیکھو شینا! یہ ڈریس کیسا ہے؟" ماما بہت محبت سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں نے تو بھابی سے کہا ہے کہ نوشی کا بھی ایسا ایک سوٹ بنوالیں۔ جدید اسٹائل ہے اور کڑھائی بھی مضبوط ہے۔" وہ فریش سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ پھر اس کی تائید چاہنے لگیں۔

"اچھا ہے نا؟" اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا بات ہے شینا؟۔۔۔۔۔۔۔ پریشان ہو تم؟" وہ خود بھی پریشان ہو گئیں۔ اس نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تو وہ سوٹ تہہ کر کے اس کے پاس آبیٹھیں۔

"اپنی ماما سے بھی شیئر نہیں کرو گی؟" وہ بہت آس بھرے لہجے میں پوچھتی اس کے ضبط کا امتحان لینے لگیں۔

"ابو بہت یاد آرہے ہیں ماما"!

انہوں نے اسے بہت محبت سے بانہوں کے گھیرے میں لیا تو وہ بے اختیار ہونے لگی۔ انہوں نے اس کے بالوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔

"کہاں کمی رہ گئی، میرے پیار میں شینا؟ اتنے برسوں کے بعد تم مجھے کیوں خار زار میں گھسیٹ رہی ہو؟"

ان کی آواز میں نمی کُھلنے لگی تو فزرینہ کا جی چاہنے لگا کہ وہ انہیں ہر بات بتادے۔ اس راز کو اندر چھپاتے چھپاتے وہ اک گھٹن کا شکار ہوتی جارہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ نبیل اس کی منزل نہیں اور نہ ہی وہ نبیل کی۔ پھر بھی دل

اندھا دھند اس راستے پر دوڑتا جا رہا تھا اور نہ ہی اسے یہ سمجھ آرہی تھی کہ وہ ذیشان حیدر کو کیا جواب دے۔ شینا کے اس سے کیسے روابط تھے؟۔۔۔۔۔۔۔ وہ اتنی بے قراری سے کیوں اس کی طرف بڑھتا تھا؟ اگر ذیشان نے اس سے پیمان باندھے تھے تو پھر نبیل۔۔۔۔۔۔۔؟

"ماما! اگر۔۔۔۔۔۔۔ اگر فزرینہ ہمارے پاس آجائے تو۔۔۔۔۔۔۔؟" اُس نے بھرّائے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"شینا! کتنی بار میں نے تم سے کہا ہے کہ یہ ٹاپک کلوز ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔ مت کیا کرو ان دونوں کا ذکر میرے سامنے۔" وہ بہت دلبر داشتہ ہو گئی، ان کے تیز لہجے پر۔ آہستگی سے ان کی بانہوں کا گھیرا توڑ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

کس قدر مشکل ہے اپنی شکست کا اعتراف کرنا۔ کیا بتاؤں تمہیں کہ جب بھی تم یہ ذکر چھیڑتی ہو تو اندر کیا بھونچال اُٹھنے لگتا ہے۔ کس قدر بے مایہ کر گئے تھے تم مجھے علیم!۔۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔۔ میں جس نے تم سے ٹوٹ کر محبت کی، اپنی تمام ترانا اور غرور کو پسِ پشت ڈال کر۔ اور تم نے میری اس قدر بے قدری کی۔ شاندار کیریئر کی

خاطر تم مجھے ٹھکرا گئے۔ کتنا مان تھا مجھے تم پر۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر میں تو ہمیشہ تمہاری منتظر ہی رہی۔ تم خود ہی کبھی نہیں لوٹے۔ کیا بتاؤں میں شینا کو؟۔۔۔۔۔۔۔ کیا اپنی ہار مان لوں؟ ان اٹھارہ سالوں میں کب میں نے تمہیں یاد نہیں کیا؟ کب فزرینہ کی ننھی ننھی بانہوں کو اپنے گلے میں حمائل محسوس نہیں کیا؟۔۔۔۔۔۔۔ مگر آج بھی دل سے یہی ہوک اُٹھتی ہے کہ چھوڑ کے بھی تمہی گئے تھے تو آواز بھی تمہی دو۔ مگر تم تو یوں گئے کہ لوٹ کے آئے ہی نہیں۔ کبھی کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔ اب بھی لوٹ آؤ، علیم!۔۔۔۔۔۔۔ لوٹ آؤ۔" اٹھارہ برسوں کا پچھتاوا جو اُن کی رگوں میں برفاب ہو گیا تھا، پگھل کر آنکھوں کے راستے سیال کی صورت بہنے لگا۔

...☆☆☆...

وہ ٹیرس کی سیڑھیوں میں بیٹھی روشن چاند پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

'تو اب یہ طے ہو گیا کہ مجھے جانا ہے، ہر صورت میں۔ اس گھر میں، یہاں کے مکینوں کے دلوں میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور وہ شخص جو مجھے نئے راستوں کی آشنائی دے گیا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ میرا تھا ہی کب، جو میں اس سے بچھڑنے کا غم کروں؟' اس نے بڑی آزردگی سے سوچا تھا۔

'پتہ نہیں، ہر شے میرے لئے "چاند" کیوں ہوتی ہے کہ پانا چاہوں اور نہ پا سکوں۔ بس دیکھوں اور تمنا کروں۔ پالوں تو خراج دینا پڑے۔'

زرد لباس میں خود سے بے پروا، چاندنی میں نہائی وہ ماورائی سی مخلوق لگ رہی تھی۔ بہت حسین، دلفریب اور انوکھی۔ نبیل بہت آہستگی سے اس کے قریب بیٹھا تو وہ بری طرح ڈر گئی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟" نہایت آہستگی سے اس نے پوچھا۔

فزرینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی دھڑکنیں جانے ابھی تک خوف سے منتشر تھیں یا نبیل کے قرب کا نتیجہ تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں ہوں؟" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تو وہ ذرا سا ہنسا۔

"یہ ذرا سیکرٹ سی بات ہے۔ وہ کیا ہے کہ یہ دل کا معاملہ ہے۔ اب تم جیسے لاکھوں چہرے بھی ہوں تو تمہیں ان میں سے پہچان سکتا ہوں۔" وہ بڑی طمانیت سے کہے جا رہا تھا۔ فزرینہ کا جی چاہا کہ وہ زور زور سے رونے لگے۔ کتنا جھوٹا تھا وہ۔ مگر اس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا۔

"اور اگر۔۔۔۔۔۔۔۔اگر میں اور فزرینہ اکٹھی تمہارے سامنے آئیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔؟"

"فزرینہ کون؟۔۔۔۔۔۔۔۔اوہ، یوں مین تمہاری ٹوئن سسٹر؟" وہ یاد کرتے ہوئے سرسری انداز میں بولا تو ایک ٹیس سی فزرینہ کے پہلو میں اُٹھی تھی۔

"کہانا۔۔۔۔۔۔۔۔لاکھوں چہرے بھی ہوں تم جیسے تو ایک تمہیں پہچان لوں گا۔" وہ بہت گمبھیر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"پلیز! میرا اعتبار کرو۔۔۔۔۔۔۔۔جس بات سے تم خوف زدہ ہو، کہہ ڈالو مجھ سے۔" اُس کے بالکل قریب۔۔۔۔۔۔۔۔بہت قریب جھکا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہیں بہت کچھ کہنا ہے۔ بہت غبار جمع ہے تمہارے اندر۔ اگر تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے تو کہہ ڈالو۔ نکال دو ہر خوف کو دل سے۔ میں تمہیں ہر حال میں پانے کے لئے تیار ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔ چاہنے لگی ہو نا مجھے؟"

چاندنی رات کا سحر جادو جگا رہا تھا۔ وہ بے بس سی اس کے شانے پر سر رکھ کے سسک اُٹھی۔

"کتنا حیران کن ملاپ ہے ہمارا۔۔۔۔۔۔۔۔ کبھی ایک دوسرے سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔۔اور آج جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں سامنے بٹھاؤں اور دیکھتا چلا جاؤں، سنتا چلا جاؤں اور یونہی عمر تمام ہو جائے۔ کیا اسی کو محبت کہتے ہیں؟ کتنی بے بس کر دینے والی کیفیت ہے یہ۔"

وہ اُس کی محبت میں سرشار تھا اور وہ دم سادھے، آنکھیں بند کئے اس کے الفاظ گویا دل میں اُتار رہی تھی۔

"سوچتا ہوں کہ بہت جلد تم میری بن جاؤ گی تو۔۔۔۔۔۔۔۔تو ایک سرشاری سی طاری ہو جاتی ہے۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ بس، ایک وحشت اور ایک بیزاری کا سا احساس اُبھرتا تھا، اس خیال سے۔ کیا جادو کر دیا ہے، تم نے مجھ پر کہ دل ہر پل تمہی کو پکارتا ہے۔ تمہی کو رگِ جان سمجھتا ہے۔"

ایک احساسِ جرم تیزی سے اس کے اندر اُبھرا تھا۔ یہ پل اُس کے تو نہیں تھے، جو وہ چُرا رہی تھی۔ اور یہ شخص، اس کی محبتیں اور اس کا لہجہ اس کے لئے تو نہیں تھا۔ یہ کیا کر رہی ہو فزینہ؟۔۔۔۔۔۔۔ تم ایسی تو نہیں تھیں، یوں پل بھر میں بہک جانے والی۔

اُس نے سر اس کے شانے پر سے اٹھایا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حیا اور شرمساری نے پل بھر میں چہرے کو انگارہ بنا دیا تھا۔

"تھوڑی دیر اور بیٹھو نا۔۔۔۔۔۔۔ پہلے کب تم نے اپنی چاہت کا احساس دلایا ہے؟" وہ اُس کے دوپٹے کا کونا پکڑے اصرار کر رہا تھا۔ دل کو بہ دقت تمام قابو کرتی، جھٹکے سے دوپٹہ چھڑاتی وہ تیزی سے سیڑھیاں اُترنے لگی

"اے چاند مجھے اتنا تو بتا
تجھے میرا چاند کیسا لگتا ہے"

وہ چمکتے چاند کو دیکھتے ہوئے گنگنایا تھا۔ ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ دل کی وادی میں خوشیوں کے ڈیرے اور مسرتوں کا رقص بپا ہے۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے طویل سانس لیتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا اور دل میں ایک بار پھر سے دہرایا۔

"کہوں گی۔۔۔۔۔۔۔ ہر بات کہوں گی مجھ سے دل کی۔۔۔۔۔۔۔ جو تمہیں بے چین کر رہی ہے۔"

...☆☆☆...

صرف دو ہفتے رہ گئے تھے شادی میں۔

گھر میں پہلی پہلی شادی تھی، اس لئے ایک رونق آمیز ہنگامہ بپا تھا۔ ایک وہی تھی، جو اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔

"میں کیا کروں اب؟۔۔۔۔۔۔۔ خدا کرے، شینا آجائے۔ ورنہ تو پتہ نہیں کیا ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔ کیا کروں؟۔۔۔۔۔۔۔ کیا نبیل کو اصل بات بتا دوں؟"

وہ کمرے میں اندھیرا کئے، دروازہ لاک کئے سخت پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ ایک طوفان سا اُٹھ رہا تھا اندر جو کہیں ایک پل بھی اُسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

'یا خدا! میں کیا کروں؟' تھک ہار کر وہ رونے لگی۔ 'یہ نکاح اگر مجھے کرنا پڑ گیا تو کیا یہ جائز ہو گا کہ وہ قبول شہزینہ کو کرے اور۔۔۔۔۔۔۔'

اُس کے اندر جیسے وحشت بھرنے لگی۔

'میں نبیل سے بات کر لوں گی۔ چاہے اس کے نتیجے میں مجھے سب کی لعن طعن سننی پڑے۔ سب کی نفرت بھری نظروں کو برداشت کرنا پڑے۔ یا ہو سکتا ہے، اصل حقیقت جان کر یہ لوگ مجھے اپنا لیں۔۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ لوگ تو اس گھر میں کبھی میرا نام تک نہیں لیتے۔ بڑی ممانی نے کتنے بیگانے انداز میں کہا تھا۔

"بھئی جب عابدہ ہی نے اسے یاد نہیں کیا تو پھر ہمیں اس کی کیا چاہت؟۔۔۔۔۔۔۔ اور رشتہ تو اس سے اپنی جگہ پر ہے۔ اگر وہ بھی یہاں ہوتی تو تمہاری جیسی ویلیو اس کی بھی ہوتی۔ اب تو علیم نے جانے ہم لوگوں کے متعلق اس کے ذہن میں کیا زہر بھرا ہو گا۔ جو جہاں ہے، وہیں خوش رہے۔"

اس کا دل کتنے زور سے ٹوٹا تھا۔ مگر بڑی ممانی تو کیا، کوئی بھی اس کی آواز نہیں سن سکا تھا۔ نورین دو تین دفعہ اسے کھانے کے لئے بلانے آئی مگر اس نے سر درد کا بہانہ کر کے ا

کر دیا۔

دروازہ کھلا۔ ماما، چھوٹی ممانی کے ساتھ آئی تھیں۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟" ماما نے ٹیوب لائٹ آن کی تھی اور چھوٹی ممانی سے مخاطب ہوئیں۔

"ذرا اس کو دیکھو نجمہ! کیا حالت بنا رکھی ہے اس نے اپنی۔" ماما کے خفگی آمیز لہجے پر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"ہاں بھئی۔۔۔۔۔۔۔یہ کیا طریقہ ہے؟ اچھی دُلہنیں ایسے کھانا پینا چھوڑ کے بیٹھ نہیں جاتیں۔ نوشی کو دیکھا نہیں، اس نے تو باقاعدہ ڈائٹ کا چارٹ بنوالیا ہے مجھ سے۔" چھوٹی ممانی شگفتگی سے کہتے ہوئے اس کی پلس چیک کر رہی تھیں۔

"ہلکا سا بخار ہو رہا ہے۔ کیا ٹینشن ہے گڑیا؟ ایک ہی گھر ہے، اور رخصت ہو کے بھی یہیں رہو گی۔" ان کا انداز دوستانہ تھا۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ چھوٹی ممانی نے ماما کو اشارہ کیا تو وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"کیا بات ہے شینا؟ کیوں ایسے بیماروں کی طرح بیٹھی ہو کمرے میں؟"

"ماما!" اس نے سسک کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

"ماما! میں بہت بری تو نہیں ہوں نا؟"

"چہ۔۔۔۔۔۔۔کم آن شینا! یو آر ناٹ اے چائلڈ۔" چھوٹی ممانی نے اسے سرزنش کی تھی۔

"میری بیٹی بہت اچھی ہے۔ اب بتاؤ، اور کیا پریشانی ہے؟" ماما نے اس کا چہرہ اوپر کر کے اس کا ماتھا چوما تھا۔

"ماما! آپ۔۔۔۔۔۔۔آپ مجھ سے نفرت تو نہیں کرتی ناں؟۔۔۔۔۔۔۔آپ کبھی مجھے دھتکاریں گی تو نہیں نا؟"

وہ بے بسی و بے چارگی کے حصار میں گھری بڑی حسرت سے پوچھ رہی تھی۔ ماما پریشان ہو اُٹھیں۔

"کیا ہو گیا ہے شینا؟۔۔۔۔۔۔۔ماما کی جان! میں کیوں نفرت کروں گی تم سے؟ تم تو میری جان ہو۔ تمہیں دیکھ کے تو میں سانس لیتی ہوں بیٹا! میں بھلا تمہیں کیوں دھتکاروں گی؟" انہوں نے تڑپ کے اسے بانہوں میں بھرا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے جانے کیسے خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ مشفق سا سہارا پاتے ہی وہ بری طرح بکھر گئی۔ ماما پریشان کن نظروں سے چھوٹی ممانی کو دیکھ رہی تھیں۔

"لگتا ہے بہت محسوس کر رہی ہے۔" ممانی نے ماما کو اس کے پاس سے اٹھنے کا اشارہ کیا تو انہوں نے نرمی سے اسے

اپنے سے الگ کرنا چاہا۔ مگر وہ ان سے لپٹی ہوئی تھی۔

"آپ مجھے تنہا مت چھوڑیں ماما! پلیز۔"

"کیا کر رہی ہو شینا؟" ماما روہانسی ہونے لگیں۔ ان کے ذہن میں اس کی گزشتہ گفتگو تازہ ہونے لگی۔

"میری جان! ہر بات اس طرح نہیں ہوتی، جیسے ہم سوچتے ہیں۔ اور پھر ہم تو بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمیں کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنے آنسو بمشکل روکتی اُسے سمجھا رہی تھیں۔ مگر اس کے دل میں تو اور ہی الاؤ جل رہا تھا۔ ان کے الفاظ نے تو رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی۔ یوں لگا، جیسے ایک دم سے کسی نے اس کے بپھرتے جذبات کی مشین کا سوئچ آف کر ڈالا ہو۔ وہ آہستگی سے ان سے علیحدہ ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں ماما!" وہ بہت سپاٹ انداز میں بولی تھی۔

"آپا! اسے آرام کرنے دیں۔ خود بخود ریلیکس ہو جائے گی۔" ماما کو پریشان دیکھ کر چھوٹی ممانی نے ان کے شانے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تو وہ گویا نہ چاہتے ہوئے

بھی اُٹھ گئیں۔

"فضول باتیں مت سوچو، شینا! آرام کرو۔ اِن شاءاللہ تم بہت خوش رہو گی۔" انہوں نے جھک کر اسے پیار کیا۔ ان کی آواز میں گھلی آنسوؤں کی نمکینی فزرینہ کو بہت اچھی طرح محسوس ہوئی تھی۔

...☆☆☆...

"آصف!۔۔۔۔۔۔۔آصف! میری بات سنو ذرا۔"

وہ کتنی دیر سے آصف کو متوجہ کر رہی تھی۔ مگر وہ ڈھولک سنبھالے راجہ اِندر بنا بیٹھا تھا۔ اس کی جگہ نورین نے اسے دیکھ لیا اور ہاتھ ہلا کر اسے بھی آنے کی دعوت دی۔ وہ مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ہیلو بھئی۔۔۔۔۔۔۔ایک کپ اسٹرونگ سی چائے ملے گی؟" وہ جانے کون کون سے کام نمٹا کر فرصت ملتے ہی اسے ڈھونڈتا چلا آیا تھا۔ فزرینہ کا دل ٹھہر سا گیا۔ وہ چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گیا۔ فزرینہ خاموشی سے چولہے پر چائے کے لئے پانی رکھنے لگی۔

"تم بہت بدل گئی ہو۔" وہ اُس کے ربڑ بینڈ میں جکڑے سیاہ بالوں پر نظریں جمائے پتہ نہیں، کیا سوچ کر بولا تھا۔ پتی کا ڈبہ ایک لمحے کو اس کے ہاتھ میں کانپ سا گیا۔ کتنے ہی روز سے ایک فیصلہ کرنے کے بعد وہ اسے نبیل پر واضح کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ تو ہاتھ ہی نہیں آرہا تھا۔ جیسے اُسے فزرینہ کے دل کی خبر ہو گئی ہو۔ وہ اُبلتے پانی پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ تو یہ طے ہے، نبیل عباس! کہ تم مجھ سے کھو جاؤ گے۔ اور یہ میرا مقدر ہے کہ میں تمہیں پانے ہاتھوں سے کھودوں۔۔۔۔۔۔۔ حالانکہ یہ میرے لئے بہت مشکل ہے۔

دودھ ڈال کر آنچ ہلکی کر کے چائے ڈھانپ کر وہ اس کی طرف پلٹی تو دل لحظہ بھر کو بڑے زور سے دھڑکا۔ وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملتے ہی خفیف سا مسکرا دیا۔

'یہ فقط شینا کا حق ہے۔ اس کی مسکراہٹ، اس کی ہنسی، اس کی خوب صورت باتیں صرف اس کے لئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ میں تو بس ایک "وجود" ہوں۔'

اس نے فوراً خود کو مسمریز ہونے سے بچانا چاہا تھا۔

"مجھے۔۔۔۔۔۔۔ تم سے کچھ کہنا تھا۔" وہ بولی تو اسے خود بھی بہت حیرت ہوئی کہ اس کی آواز میں لرزش بالکل نہیں تھی۔ تو گویا دل قبول کر چکا ہے، اس حقیقت کو۔

"کہنا تو مجھے بھی بہت کچھ ہے۔" وہ شرارتی سے انداز میں ٹیبل پر کہنی ٹکا کر آگے کو جھکا۔ "بس، ذرا مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"لیکن میرے لئے مناسب وقت ہے۔" اس کے سرد و سپاٹ انداز پر نبیل نے بغور اسے دیکھا تھا۔

"حالانکہ اس وقت اگر گھر والوں میں سے کوئی ہمیں یوں کچن میں اکٹھے دیکھ لے تو ریکارڈ لگا دے۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ بجادے۔" اس نے شگفتگی سے کہا تھا۔ مگر وہ اس کی بات سننے کے بجائے الفاظ کے جوڑ توڑ میں مصروف تھی۔ دل ڈوب ڈوب کر اُبھر رہا تھا۔

"نبیل! میں۔۔۔۔۔۔۔ میں یہ شادی نہیں کر رہی۔"

اس کا خیال تھا کہ یہ بات سنتے ہی وہ اُچھل پڑے گا، اس پر برسنے لگے گا، گرجنے لگے گا۔ مگر اس کے برعکس وہ ٹھنڈا ٹھار بیٹھا تھا۔

"شکر ہے کہ تم نے "چاہتی" کا لفظ استعمال نہیں کیا، ورنہ مجھے افسوس ہوتا کہ کچھ روز پہلے تک جو لڑکی مجھے چاہنے کا دعویٰ کر رہی تھی، اب مکر گئی۔" اس کے لہجے میں حد درجہ اطمینان اور ٹھہراؤ تھا۔ وہ جز بز ہونے لگی۔ جس بات کو کہنے سے پہلے اس نے ہزار دفعہ سوچا اور ہزار دفعہ رد کیا، وہ بات، جس نے اس کی کئی راتوں سے نیندیں اُڑا رکھی تھیں، اس کے لئے وہ فقط مذاق تھی۔

"میں نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا۔" اس کی آواز بھرّا گئی۔ پھر چند لمحوں تک وہ خود کو سنبھالتی رہی، پھر سکون سے بولی۔

"میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں۔ میں یہ شادی نہیں کروں گی۔"

نبیل چند پل یونہی خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ حتیٰ کہ وہ کنفیوز ہونے لگی۔

"اب جب شادی میں صرف دو ہفتے رہ گئے ہیں؟"

"مم۔۔۔۔۔۔۔ میری کچھ مجبوری ہے۔" اس سے بولنا مشکل ہونے لگا۔

"ذیشان حیدر؟" وہ رسان سے پوچھ رہا تھا۔ فزرینہ نے فی الفور نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھو شینا! اب بھی وقت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سب کچھ خود ہی مجھے بتادو۔ ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم فیصلہ کر سکتی ہو، میں آڑے نہیں آؤں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے، وہ تم خود مجھے بتاؤ۔" وہ انتہائی اطمینان سے کہہ رہا تھا اور وہ سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"چائے "گل" گئی ہے تو دے دو۔" وہ اُبل اُبل کر باہر گرتی چائے پر ایک نظر ڈال کر نرمی سے بولا تو وہ فوراً پلٹ گئی۔

"شینا!۔۔۔۔۔۔۔ جلدی سے آؤ۔ سدرہ آئی ہے۔"

نورین کے پکارنے کی آواز اُسے کچن تک آئی تھی۔ لاؤنج میں ڈھولک کی تھاپ اور ہنسی مذاق ابھی بھی جاری تھا۔

"سدرہ۔۔۔۔۔۔۔ وہ کون۔۔۔۔۔۔۔؟" وہ اُلجھی۔

نبیل نے بے ساختہ مسکراہٹ دبائی تھی۔

"تمہاری بچپن کی دوست۔ تمہاری بیسٹ فرینڈ۔۔۔۔۔۔۔ اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ بتادیا تو شاید یہیں بے ہوش ہو کر گر پڑو۔ اور میں اسکینڈل بنوانا نہیں چاہتا، اس لئے باہر جا کے مل لو۔"

نبیل کا شگفتہ سا انداز اُلجھا دینے والا، نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔ مگر اس کے الفاظ اسے گڑبڑا سے گئے تھے۔

"پتہ ہے مجھے۔۔۔۔۔۔۔ میں تم سے تو کچھ نہیں پوچھ رہی۔" وہ مگ ٹیبل پر رکھتی باہر نکل آئی۔

دل بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔

اس روز وہ سدرہ کی برتھ ڈے پر نہیں گئی تھی۔ اگلے روز اس کا ناراضگی سے بھرا فون ریسیو ہوا۔

فزرینہ نے ڈھیروں معذرتیں کیں، تب جا کے اس کی ناراضگی دُور ہوئی۔ اس کے بعد وہ اپنی پھوپھو زاد کی شادی میں شرکت کے لئے کوئٹہ چلی گئی۔ فزرینہ تو اسے بھول بھال ہی گئی تھی۔ اب پہلی مرتبہ فیس ٹو فیس اس سے ملاقات ہو رہی تھی۔ وہ خاصی کیوٹ سی لگ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی تیر کی طرح اس کی طرف بڑھی۔

"بہت بدتمیز ہو تم۔ میرے جاتے ہی یہ گل کھلا دیا۔" وہ اس سے لپٹی شکوہ کناں لہجے میں بول رہی تھی۔

"اجی ابھی کہاں؟ فی الحال تو لائحہ عمل ترتیب دیا جا رہا ہے، گل تو اس کے بعد کھلیں گے۔" آصف نے فوراً بات اُچکی تھی۔ سدرہ کے ساتھ ساتھ سب لوگوں کا بے ساختہ قہقہہ اسے خجل کر گیا۔

"یہ تو یونہی بس۔۔۔۔۔۔۔ تم آؤ کمرے میں چل کے بیٹھتے ہیں۔" وہ آصف کو گھورتے ہوئے سدرہ کو ساتھ لئے اپنے کمرے میں آگئی۔ کچھ اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں وہ کوئی ایسی بات نہ کر دے، جس کا وہ جواب ہی نہ دے پائے۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم شینا؟ اِٹس ٹو مچ۔" اندر آتے ہی وہ بے حد سنجیدگی سے شروع ہوئی تو فزرینہ نے بہت سنبھل کر اسے دیکھا۔

"کیوں بھئی۔۔۔۔۔۔۔ ایسا کیا کر دیا میں نے؟" اس نے بڑے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی دھپ سے اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔

"پتہ ہے، بھائی تمہارے اس فیصلے سے کتنے ڈسٹرب ہیں؟"

لو جی۔۔۔۔۔۔۔ ایک اور مسئلہ۔ وہ اندر ہی اندر کلس کر رہ گئی۔

"کس فیصلے سے؟۔۔۔۔۔۔۔ کون سے بھائی ڈسٹرب ہیں؟" وہ بظاہر بڑے سرسری انداز میں پوچھ رہی

تھی۔

"شینا پلیز! ۔۔۔۔۔۔۔آئی ایم ناٹ جوکنگ۔ یہ بہت سیریس مسئلہ ہے۔۔۔۔۔۔۔اور تم نے احتجاج کیوں نہیں کیا؟ اتنے آرام سے مان گئیں، شادی کے لئے۔ بھائی تو یقین ہی نہیں کر رہے۔ انہیں میں نے جس طرح کنٹرول کیا ہے، وہ میں ہی جانتی ہوں۔" سدرہ غصے سے بولی تو وہ سراسیمگی کے عالم میں اسے دیکھے گئی۔

"تم نے ایک بار بھائی سے کہا تو ہوتا۔ وہ ممی پاپا کو کہہ کر پرپوزل بھجوا دیتے۔ تم نے تو خود ہی انہیں مناسب وقت کے انتظار میں ٹھہرائے رکھا۔ اور اب یوں ایک دم سے یہ انتہائی فیصلہ کر ڈالا۔" وہ بہت دُکھی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ فزینہ کا دل حلق میں آن اٹکا۔ پتہ نہیں، اس شینا کی بچی نے کس کس کو شادی کا وعدہ کر رکھا تھا۔ میرے خدا! میری مدد کرنا۔ اس نے مشکلوں سے خود کو بولنے کے لئے تیار کیا۔

"یہ تو۔۔۔۔۔۔ قسمتوں کے فیصلے ہیں، سدرہ! ۔۔۔۔۔۔ایکچوئیلی ماما کی ضد سے یہ فیصلہ ہوا ہے اور۔۔۔۔۔۔" وہ بڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ مگر سدرہ اس کی بات کاٹ گئی۔

"شینا پلیز! ۔۔۔۔قسمت کو دوش مت دو۔ کیا میں تمہاری ضد سے واقف نہیں ہوں؟ بھائی سے شادی کا فیصلہ بھی تمہاری ضد تھی۔ نبیل عباس کو ٹھکرانا تمہاری ضد تھی۔ تم بھلا کسی ضد کو کیسے گردان سکتی ہو؟" اس کا انداز طنزیہ تھا۔ وہ پسینوں میں ڈوبنے لگی۔

"تمہیں میرے حالات کا علم نہیں سدرہ! ۔۔۔۔۔۔میں بہت مجبور ہوں۔" اس کی بے بسی کی انتہا تھی کہ آواز بھرّا گئی۔

"کیا مجبوری ہے تمہاری؟ ۔۔۔۔۔۔اور یہ یکایک نبیل تمہیں اچھا کیسے لگنے لگا؟ تم ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں تھے اور کہاں یہ کہ شادی؟" وہ بھڑک اُٹھی۔

"سدرہ پلیز! ۔۔۔۔۔۔بلیو می۔۔۔۔۔۔۔میں بہت مجبور ہوں۔" اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ

صورتِ حال کو کس طرح ہینڈل کرے۔

"تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اب بھائی کا کیا ہوگا؟ ۔۔۔۔۔۔۔آئی ڈونٹ بلیو دِس۔۔۔۔۔۔۔تم لوگوں کی محبت جنونی تھی۔ تم نے اپنی بچپن کی منگنی کو در خورِ اعتنا نہیں جانا۔ بھائی نے صرف تمہارے پیچھے سمن کو ٹھکرا دیا۔ ماما کی ناراضگی مول لی۔ اور اب جب انہوں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے تو تم یوں کنارہ کرنے لگی ہو۔ اوہ مائی گاڈ! ۔۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں، بھائی اب کیا کر بیٹھیں۔ اب تمہیں ان سے خود ہی بات کرنا ہوگی۔"

سدرہ اسے اچھا خاصا رگید گئی تھی۔ بھائی کی محبت میں وہ اپنی بہترین دوست سے جھگڑ رہی تھی۔ اور فزینہ جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکی۔ اس کی ہمتیں اندر ہی اندر دم توڑ گئیں۔ پتہ نہیں، شہزینہ کا خواب کون تھا؟ ذیشان حیدر، سدرہ یا نبیل عباس۔

"میں نے تمہیں کبھی ایسا نہیں سمجھا تھا، شینا! ۔۔۔۔۔۔۔آئی ہیٹ یو۔"

وہ نفرت آمیز انداز میں اس کی سماعتوں میں زہر اُنڈیلتی چلی گئی اور فزینہ یونہی ساکت بیٹھی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ذیشان حیدر ہی سدرہ کا بھائی ہے۔

دروازہ ہلکے سے ناک کر کے نبیل اندر آیا تھا۔ اسے یوں ساکت وجامد بیٹھے دیکھ کر وہ خفیف سا مسکرا دیا۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔

"خیریت تو ہے؟ یہ تمہاری دوست کالا جادو تو نہیں پھونک گئی تم پر؟" وہ اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے شگفتگی بھرے لہجے میں بولا تو وہ چونکی۔ اُس کی بھیگتی پلکیں نبیل سے چھپی نہیں رہ سکیں۔

"آر یو آل رائٹ؟" وہ متفکر سا اس سے کچھ فاصلے پر نیچے ہی بیٹھ گیا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔ہوں، ٹھیک ہوں میں۔" وہ گڑبڑا کر بولی تو نبیل نے ایک گہری نگاہ اس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

"سدرہ تو بہت ناراض ہوئی ہو گی۔" وہ پوچھ رہا تھا۔ فنزینہ نے چونک کر ٹیبل کی صورت دیکھی۔ تو یہ جانتا ہے، کوئی ایسی بات۔

"وہ کیوں ہو گی ناراض؟" وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔ حالانکہ اندر ایک قیامت خیز سی کُھد بُد مچی تھی۔ جی چاہ رہا تھا، صاف صاف پوچھ لے۔

"بھئی اب اگر تم ذیشان حیدر پر مجھے فوقیت دو گی تو بھائی کی محبت میں ناراضگی اُس کا حق ہے۔" وہ بہت آرام سے "پہیلی" کھول رہا تھا۔

فنزینہ نے بے اختیار طویل سانس لی تھی۔ تو گویا، ذیشان حیدر ہی سدرہ کا بھائی ہے۔ ایک مسئلہ تو حل ہو گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی اُسے رونا آنے لگا۔ شہزینہ اگر ذیشان حیدر کو پسند کرتی تھی تو پھر وہ کبھی بھی نبیل سے شادی پر رضامند نہیں ہو گی۔ اگر وہ خود یہاں ہوتی تو بات یہاں تک پہنچ ہی نہ پاتی۔ مگر فنزینہ کی بدلی طبیعت اور فرمانبردارانہ روّیہ حالات کو اس نہج تک پہنچا گئے تھے۔

"شینا! تم خوش نہیں ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ انداز میں تفکر کے بجائے ایک کرید اور تجسّس تھا۔

"پتہ نہیں۔" وہ بے بس سی ہونے لگی۔ آنسوئوں کو روکنے کی کوشش میں اُس کا گلا دُکھنے لگا تھا۔

"اتنی بے اعتباری کیوں شینا؟۔۔۔۔۔۔۔ پتہ ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے کہ تم بنائی ہی میرے لئے گئی ہو۔"

وہ بہت ملائمت سے کہہ رہا تھا۔ اس کا محبتوں سے چُور لہجہ فنزینہ کی آنکھیں چھلکا گیا۔ وہ بے قرار ہو اُٹھا۔

"یہ کیا شینا؟۔۔۔۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟۔۔۔۔۔۔۔ کون سے وہم ستا رہے ہیں تمہیں؟"

"پتہ نہیں کیوں، مجھے لگتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ کہ ہم کبھی مل نہیں پائیں گے۔۔۔۔۔۔۔ میں بہت ناقابل اعتبار لڑکی ہوں نبیل! ہو سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ کل میں بدل جائوں، شادی سے انکار کر دوں یا۔۔۔۔۔۔۔ یا پھر تم سے نفرت کا اظہار کر دوں۔۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔۔ تو پلیز "مجھ" سے خفا مت

ہونا۔ میں بہت مجبور ہوں نبیل!۔۔۔۔۔۔۔ میں تمہیں کیسے بتائوں؟"

وہ بھرّائی ہوئی آواز میں اُلجھی اُلجھی سی بولی تو نبیل ایک ٹک اُسے دیکھے گیا۔ فنزینہ کا دل گویا کوئی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھا۔ مگر اُسے یہ پیش بندی کرنی ہی تھی۔ پتہ نہیں، شہزینہ کے آنے کے بعد حالات کون سا رُخ اختیار کرتے۔ نبیل نے اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لئے۔

"میں جانتا ہوں کہ "تم" کبھی ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ بہت یقین سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک فنزینہ کو ہمیشہ کی طرح مسمرائز کرنے لگی۔ یہ آنکھیں میری نہیں ہیں اور ان سے چھلکتی یہ وارفتہ سی چمک میرے لئے نہیں۔ اُس کے دل میں ایک لہر سی اُٹھی تھی۔

"میرے خیال میں تمہیں بہت سارے یقین اور تسلیوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام میں بہترین طریقے سے تبھی کر سکتا ہوں، جب تم مکمل طور پر میری بن کے میری دسترس میں آئو گی۔ خالی خولی تسلی سے کام چلانا مجھے پسند نہیں۔" وہ بے حد شرارت سے کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر اُس کے بلش ہوتے چہرے پر ڈالی اور پھر جیسے یکلخت جاگ اُٹھنے والے شوریدہ سر جذبات پر قابو پانے کے لئے وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

فنزینہ نے گہری سانس لے کر اندر کی تپش کو کم کیا۔

'بہت مشکل ہو گا تمہارے بغیر جینا، نبیل عباس! کہ تم ہی وہ واحد شخص ہو، اس کرئہ ارض پر جس نے میرے خوابیدہ جذبوں کو بیدار کیا اور میرے دل کی مسند پر پورے جاہ و جلال سے براجمان ہو گئے۔ بہت مشکل ہو گی تم بِن نبیل!۔۔۔۔۔۔۔ بہت مشکل۔" ایک حسرت بہت زور سے پکاری تھی۔ فنزینہ نے جلدی سے آنکھیں موند کر سر بیڈ پر ٹیک دیا۔

...☆☆☆...

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اب بھی شہزینہ سے فون پر بات نہ ہوئی تو وہ خود اسلام آباد چلی جائے گی کہ بہر حال، یہ شادی کسی صورت بھی جائز نہیں تھی۔ شومئی قسمت، فون شہزینہ نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم؟" وہ تقریباً پھٹ ہی پڑی۔

"ایزی یار!۔۔۔۔۔۔۔آہستہ آہستہ بتاتی ہوں۔" اُس کے بر عکس شہزینہ کا انداز بہت پُر سکون تھا۔

پھر وہ بڑے مزے سے سیر و تفریح کے واقعات سنانے لگی۔ فنزینہ کی برداشت جواب دینے لگی۔

اس نے جوش و خروش سے بولتی شہزینہ کو ٹوک دیا۔

"اور یہاں جو پرابلمز میں نے فیس کی ہیں اور جو کر رہی ہوں، ان کا تمہیں کوئی خیال نہیں؟" اندر کی گھٹن اور خوف لہجے میں تلخی بھر گئے۔

"اوہو۔" وہ ہنسی تھی۔ "کیا ہو گیا؟" فنزینہ نے بمشکل غصہ ضبط کیا تھا۔ پھر بھی لہجے کی کاٹ کو چھپا نہیں پائی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کیا ہو سکتا تھا۔"

"بہت غصے میں ہو؟" وہ محظوظ ہو رہی تھی اور فنزینہ کو اس ڈھٹائی پر پہلی مرتبہ شدید غصہ آ رہا تھا۔ بہت طیش میں بولی۔

"اگر تم میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہیں شوٹ کر دیتی۔"

جواباً شہزینہ نے قہقہہ لگایا تھا، پھر انجان بنتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"ایسا کیا گناہ کر دیا میں نے؟"

"کوئی گناہ نہیں کیا تم نے۔۔۔۔۔۔۔گناہ تو میں نے کیا تھا، تم سے اپنی خواہش کا اظہار کر کے۔" وہ بہت ضبط سے کہہ رہی تھی۔

"کم آن فینا!۔۔۔۔۔۔۔کیا ماما نے پہچان لیا ہے تمہیں؟" وہ ازلی بے پروائی سے پوچھ رہی تھی۔

فنزینہ نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔

"پہچانا تو نہیں مگر۔۔۔۔۔۔۔میں واپس آنا چاہ رہی ہوں۔" اس نے مبہم سا انداز اپنایا۔

"مگر کیوں؟۔۔۔۔۔۔۔تمہیں تو بہت شوق تھا، ماما کے پاس، ماموئوں کے ساتھ رہنے کا۔"

شہزینہ کی حیرت فطری تھی۔

"رہ لیا نا میں نے۔۔۔۔۔۔۔اب میں ابو کے پاس آنا چاہتی ہوں۔ تم مجھے بتائو کہ میں کب نکلوں یہاں سے؟" وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"فینا! کیا ہوا ہے ڈیئر؟۔۔۔۔۔۔۔کہیں کوئی مِس انڈر اسٹینڈ نگ تو نہیں ہو گئی؟" شہزینہ نے پیار بھری فکر مندی سے پوچھا تو وہ لب کاٹتے ہوئے آنسو روکنے لگی۔

(اس سے بڑی مِس انڈر اسٹینڈ نگ کیا ہو گی کہ "وہ" مجھے اپنی منزل سمجھ رہا ہے، جس کا میں راستہ بھی نہیں ہوں)

"نہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بس مجھے ابو بہت یاد آ رہے ہیں۔" اس نے بہت برداشت سے کام لیا تھا۔ ورنہ جس قدر دھوکے سے شہزینہ نے کام لیا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس پر چیخے چلائے، اس کی دھوکا دہی کا احساس دلائے۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر شہزینہ کو بھنک بھی پڑ گئی کہ یہاں اس کی شادی کی تیاریاں مکمل ہیں اور وہ بھی نبیل عباس کے ساتھ تو وہ کبھی بھی نہیں لوٹے گی۔ اس لئے وہ بہت محتاط ہو کر بات کر رہی تھی۔

"تمہیں شاید پتہ چل گیا ہو گا کہ۔۔۔۔۔۔۔ نبیل میرا فیانسی ہے؟" وہ ذرا دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ظاہر ہے۔ پتہ تو چلنا ہی تھا۔ تمہارے چھپانے سے بات چھپ نہیں سکتی تھی۔ اور مجھے بہت دکھ ہے اس بات کا کہ تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ اینی وے، ایوری تھنگ اِز انڈر

کنٹرول۔ تم مجھے بتائو کہ کب آ رہی ہو؟"

"آئی ایم سوری فینا!۔۔۔۔۔۔۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر میں نے تمہیں پہلے سے ہی نبیل کے متعلق بتا دیا تو تم کبھی بھی نہیں مانو گی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ فنرینہ کلس کر رہ گئی۔

"اور ذیشان حیدر۔۔۔۔۔۔۔ وہ کس کیٹگری میں آتا ہے؟" اس نے بہت چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو یکبارگی شہزینہ چپ رہ گئی۔

"آئی ایم سوری اگین فینا! میں نے واقعی ان پہلوئوں پر سوچا ہی نہیں تھا۔" وہ سابقہ لہجے میں معذرت کر رہی تھی۔

"پھر بھی تمہیں کم از کم ذیشان حیدر سے تو بات کرنا چاہئے تھی۔ تمہیں سوچنا چاہئے تھا کہ اگر وہ کبھی میری راہ میں آ گیا تو میں کیا کروں گی۔" فنرینہ کو صبر نہیں آ رہا تھا۔ کس قدر نقصان ہو گیا تھا اس "بھول" کے کھیل میں اس کا۔

"صاف صاف بات یہ ہے فینا! کہ ماما ہر صورت میں میری اور نبیل کی شادی چاہ رہی تھیں اور میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ تم ملیں تو بِنا سوچے سمجھے۔۔۔۔۔۔۔ یا شاید لاشعوری خواہش کے تحت میں نے اپنے بچائو کی راہ دیکھ لی۔ میں چاہے لاکھ انکار کرتی، مگر ماما میری بات نہ مانتیں۔ میں نے سوچا کہ تم تو قیامت تک یہ نہیں ہونے دو گی۔ کیونکہ تمہیں خبر ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ قبول تو شہزینہ کو کرے اور نکاح

تم سے ہو۔۔۔۔۔۔۔ شاید بہت بری حرکت کی ہے میں نے۔ مگر اب حالات کیسے ہیں؟ کیا ایسی کوئی پرابلم فیس کی ہے تم نے؟"

باتوں کے برعکس شہزینہ کے لہجے سے ذرا بھی افسوس یا پشیمانی نہیں جھلک رہی تھی۔ شاید اپنی ضدی طبیعت کی وجہ سے وہ دوسروں سے اختلاف کرنے کی اس قدر عادی ہو چکی تھی کہ اسے غلط اور صحیح کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اپنی ضد پر عمل کرتے ہوئے وہ یہ بھی نہیں دیکھتی تھی کہ اس کے عمل سے کس کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔

"کہانا۔۔۔۔۔۔۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ بھاری ہونے لگا۔ کتنے آرام سے وہ ایکسکیوز کر رہی تھی۔ اسے فنرینہ کی ٹینشن اور رت جگوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اتنے عرصے میں تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

"اوکے، پھر یوں کرو کہ کسی طرح کل یا پرسوں تک یہاں پہنچ جائو۔" وہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اس کی غیر حاضری پر فنرینہ سلگ اُٹھی۔

"یہ کوئی کھیل نہیں کہ کل یا پرسوں تک۔۔۔۔۔۔۔ خیر، میں پرسوں پہنچ جائوں گی اسلام آباد بائی ایئر۔ اور تمہیں میں کنفرم کر کے ٹائم بتا دوں گی۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ شہزینہ اس کا لہجہ پہچان گئی۔

"اوکے۔۔۔۔۔۔۔ تم تو لگتا ہے کہ سخت اُکتا گئی ہو۔ ویسے میرا بھی یہی حال ہے۔ کوئی انجوائے منٹ نہیں گھر میں۔ سارا دن بس شمیم سے عجیب و غریب باتیں سننا پڑتی ہیں۔ سوشل لائف تو بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔ بس پچھلا مہینہ ہی مزے میں گزرا ہے۔" وہ اپنے مخصوص کھلکھلاتے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ابو کو تنگ تو نہیں کیا تم نے؟" فنرینہ اب کی بار ذرا دھیان سے بولی۔ جواب میں شہزینہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

"تنگ تو نہیں کیا، مگر وہ مجھے دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے رہتے ہیں۔ اینی وے، میں نے خود پر بہت کنٹرول رکھا تھا۔ کوشش کی تھی کہ فنرینہ بن کے رہوں۔ پھر بھی اتنا چینج تو کوئی بھی دیکھ کر حیران ہی ہو گا۔" وہ بہت محظوظ انداز میں کہہ رہی تھی۔ پھر اس سے پوچھنے لگی۔

"اور میں نے بہت سی شاپنگ کی ہے۔ وہ میں ساتھ ہی لاؤں گی۔ ٹھیک ہے نا؟"

"اِٹس اوکے۔ وہ تمہاری شاپنگ ہے۔ تم ضرور ساتھ لے آنا۔ مگر بہانہ بھی سوچ کے آنا کہ یہ سب کہاں سے لا رہی ہو۔" فرزینہ نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ جواباً واقعی شہزینہ پریشان ہو کر اس سے اس مسئلے کا حل پوچھنے لگی۔ وہ ابھی کوئی جواب دینے ہی لگی تھی کہ نوشی چلی آئی۔ "اوکے، میں تمہیں کل فون کروں گی، پھر بات ہو گی۔" فرزینہ نے عجلت میں بات ختم کرتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

...☆☆☆...

"یہ کیا مصیبت ڈال دی ہے تم نے میرے پیچھے؟" نوشی بے حد جھنجلائی ہوئی تھی۔ فرزینہ نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا، تبھی آصف سیڑھیاں پھلانگتا چلا آیا۔ نوشی نے دانت پیس کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟" فرزینہ نے آصف کو ہنستے دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے فرزینہ کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں فراز کی وہی کتاب تھی، جو نوشی نے گفٹ کی تھی۔

"ہونا کیا ہے؟ ایمان سے، شعر سنا سنا کر اس نے میرا دماغ خراب کر دیا ہے۔" نوشی خاصی روہانسی ہو رہی تھی۔

فرزینہ نے مسکراہٹ دبا کر آصف کو گھورا تو وہ فوراً صفائی پیش کرنے والے انداز میں بولا۔

"دیکھو بھئی، اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے کوئی کام کی چیز گفٹ کی ہے۔ اور یہ گفٹ کرنے کا کوئی مقصد ہو گا نا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اس کی خواہش پوری کر دوں۔ صبح سے ڈھیروں شعر سنا چکا ہوں، مگر اس کا موڈ ہے کہ ٹھیک ہی نہیں ہو رہا۔"

"میں نے اس لئے یہ گفٹ نہیں کی تھی کہ تم اسے مجھ ہی پر آزماؤ۔ یہ تمہارا گفٹ ہے، صرف تمہارے لئے ہے۔" نوشی نے دانت پیسے تھے۔

"مگر میں اپنی ہر شے میں اب تمہیں حصے دار سمجھتا ہوں۔" آصف کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"مجھے معاف ہی رکھو۔" نوشی نے چِڑ کر ہاتھ جوڑے۔ اسے شعر و شاعری حد سے زیادہ ناپسند تھی۔ پتہ نہیں، اسکول کے زمانے میں وہ اُردو کے پیپر میں پاس کیسے ہو جاتی تھی۔

"دیکھ رہی ہو شینا! اسے۔۔۔۔۔۔۔ اب اتنے رومینٹک شعر کسی "اور" کو تو سنانے سے رہا۔ مگر خیر، تم نہیں سنو گی تو یہی کرنا پڑے گا۔"

"آصف! میں تمہاری جان لے لوں گی۔" نوشی زچ ہو کر بولی۔

"تو پھر سیدھی طرح بتا دو کہ میرے لئے یہ گفٹ تم نے لے کیسے لیا؟" وہ بہت یقین سے پوچھ رہا تھا۔ فرزینہ اس کے اندازے کی قائل ہو گئی جبکہ نوشی کو غصہ آ رہا تھا۔

"یہ بات تم بعد میں نہیں پوچھ سکتے تھے؟ ابھی امی نے دیکھ لیا، یوں میرے پیچھے پھرتے تو بہت جوتے لگائیں گی۔" وہ تیکھے چتون سے بولی۔ آصف ہنسا تھا۔

"ایکچوئیلی ابھی کافی ٹائم ہے۔ میں نے سوچا کہ اس باذوق شخصیت کا پتہ چل جائے، جس کی یہ پسند ہے تو شاید میرا چانس لگ جائے۔" وہ بہت شرارت سے کہہ رہا تھا۔ نوشی کو تو پتنگے لگ گئے۔

"میرے خیال میں واقعی کافی ٹائم ہے تمہارا۔ تو کیا میرا ابھی کہیں چانس لگ سکتا ہے؟" وہ غصہ دباتے ہوئے سرسری انداز میں بولی تو فرزینہ بے ساختہ ہنس دی۔

"دیکھ رہی ہو اس کا حال؟" آصف نوشی کو دیکھتے ہوئے فرزینہ کو متوجہ کر رہا تھا۔

"تمہاری بات مذاق اور اس کی بات کڑوی۔۔۔۔۔۔۔ واہ!" فرزینہ نے اس کی گوشمالی کی تھی۔ وہ سر کھجاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ویسے کچھ عجیب سی بات ہے۔ ایسی بدذوق لڑکی اتنا باذوق گفٹ کیسے دے سکتی ہے؟" اس کی بات پر نوشی نے

دانت پیستے ہوئے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"میرے خیال میں تم جیسے بدذوق کو یہ اعلیٰ ذوق راس نہیں آرہا۔"

"آصف! بس کرو اب اور خدا کا شکر ادا کرو، جس نے تمہیں اتنی باذوق منگیتر دی ہے۔" فنزینہ نے اسے سرزنش کی تو اس نے یوں منہ بنایا جیسے بمشکل ہنسی روکی ہو۔ نوشی کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ فنزینہ پر اُلٹ پڑی۔

"کہا بھی تھا تم سے میں نے۔۔۔۔۔۔۔۔ اس جیسے فضول شخص کے لئے ایسا گفٹ خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر تم پر تو "باذوقی" کا دورہ پڑا ہوا تھا۔"

گولہ بارود کا رخ اپنی طرف دیکھ کر فنزینہ سٹپٹا گئی جبکہ آصف بے یقینی کے حصار میں گھرا اُسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ شینا کے مشورے سے لی ہے تم نے؟"

"اب اگر تم نے ایک لفظ بھی اس کتاب کے متعلق مزید کہا تو میں رونے لگوں گی۔" فنزینہ نے پیش بندی کے طور پر فوراً دھمکی دے دی۔

"ویری اسٹرینج۔۔۔۔۔۔۔ لگتا ہے، شادی کی خبر نے دونوں پر اچھا اثر ڈالا ہے۔ خصوصاً ذوق پر۔" وہ اب بھی چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"ہاں واقعی۔۔۔۔۔۔۔" نوشی نے بڑے رسان سے اس پر نظریں جما کر ذومعنی انداز میں کہا۔

"اب تو میرا ذوق اس قدر اعلیٰ ہو گیا ہے کہ اپنی "بہت سی" چیزیں تبدیل کرنے کے متعلق سوچ رہی ہوں۔"

فنزینہ کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ آصف سے کچھ بن نہ پڑا تو نوشی کو گھورتے ہوئے چلا گیا۔ اس نے بے اختیار گہری سانس لی۔ نگاہ فنزینہ سے ملی تو وہ بھی چل دی۔

وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی، جب ماما اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"خیریت ماما۔۔۔۔۔۔۔۔؟" وہ اُٹھ بیٹھی۔

ماما اُس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"بالکل خیریت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ بس، یونہی جی چاہا کہ اپنی بیٹی کے پاس بیٹھوں، اس سے باتیں کروں۔" وہ مسکرائیں۔

فنزینہ کے دل میں ایک لہر سی اُٹھی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ اس کا دل فوراً بھر آیا تھا۔

"میرا بھی یہی دل چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ آپ کے پاس رہوں، آپ سے باتیں کروں اور آپ کی باتیں سنوں۔"

"میری پیاری بیٹی۔۔۔۔۔۔۔" ماما نے اسے سامنے کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس کا رخسار چوم لیا، پھر آہستہ آہستہ کہنے لگیں۔

"پتہ ہے شینا!۔۔۔۔۔۔۔ میں نے ہمیشہ دعا کی تھی کہ ایسی بن جاؤ، جیسی اب ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہارے لئے بالکل ایسا ہی سوچا تھا۔" وہ آنکھیں موند کر آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ماما!۔۔۔۔۔۔۔ جب میں چلی جاؤں گی، تب تو آپ اُداس ہو جائیں گی۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ آنکھوں میں اُترتی نمی چھپا کر بڑے کمال سے ہنسیں۔

"لو۔۔۔۔۔۔۔ تم کہاں چلی جاؤ گی؟ تمہیں تو میں نے ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھنے کا بندوبست کیا ہے، میری بیٹی!"

فنزینہ نے بڑی حسرت سے ان کو دیکھا۔ (کاش! میں ہمیشہ کے لئے آپ کے پاس رہ سکتی، آپ کی

محبت پا سکتی، آپ کو بتا سکتی کہ میں ”بھی“ آپ ہی کی بیٹی ہوں)اُس نے ماما کے مشفق سینے میں منہ چھپا کر آنکھیں موندیں تو کئی آنسو اس کے رخسار بھگو گئے۔

’پتہ نہیں کیا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔جب شینا آئے گی۔۔۔۔۔۔۔کاش! کہ میں اس کے جیسی بولڈ ہوتی۔ میں ہر ایک کو بتا دیتی کہ۔۔۔۔۔۔۔کہ میں بھی ماما کی بیٹی ہوں۔ اور ماما! آپ کیسی ماں ہیں کہ اپنی بیٹی کو نہیں پہچان رہیں؟ کاش! کہ آپ مجھے ہمیشہ کے لئے ہی اپنے پاس رکھ لیتیں۔ پرسوں میں یہاں سے چلی جائوں گی تو پھر شاید ہی کبھی۔۔۔۔۔۔۔‘

”پتہ ہے، سب بہت حیران ہوتے ہیں کہ یہ وہی شینا ہے جو کسی کے ساتھ ٹھیک طرح سے بات بھی کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔“ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی بہت پیار

سے کہہ رہی تھیں اور وہ آنکھیں موندے بس خاموشی سے سن رہی تھی۔

...☆☆☆...

”نبیل! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔“ اس نے بہت ہمت کر کے نبیل سے کہا تھا۔

”ویسے اتنی بے قراری تو مجھے دکھانی چاہیئے تھی۔“ وہ شریر ہوا تو بہت کنٹرول کرتے ہوئے بھی اس کی پلکیں بوجھل اور رخسار سرخ ہو گئے۔ نبیل نے وارفتگی سے صبحِ نو جیسے جگمگاتے منظر کو نظروں میں جکڑا تھا۔

”کیا کہنا ہے اب؟“ وہ سنجیدہ

”یہاں نہیں۔۔۔۔۔۔۔“ اس نے سر جھکایا۔ وہ دونوں کوریڈور میں کھڑے تھے۔ باقی سب لوگ کھانے کی میز پر موجود تھے۔ نبیل کو اُٹھتے دیکھ کر فزرینہ نے اس موقع کو مناسب جانا اور فوراً وہ اس کے پیچھے لپکی تھی۔ آج اُس کی اس گھر میں آخری رات تھی اور اس نے سوچ لیا تھا کہ کسی اور کو نہ سہی، مگر نبیل کو وہ حقیقت

ضرور بتا دے گی۔ کیونکہ شینا کے آنے کے بعد تمام معاملات نبیل ہی کو سنبھالنے تھے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی۔

”تو پھر تھوڑا سا انتظار کر لو۔۔۔۔۔۔۔حجلہ عروسی میں ہی سہی۔“ اس کا انداز بہت سرسری انداز الفاظ بے حد شوخ تھے۔ فزرینہ کے دل میں ایک تکلیف دہ سا احساس جاگنے لگا۔ اس نے بہت بے دردی سے نچلا لب دانتوں تلے دبایا تھا۔

”اوپر جا کے تو ہم لوگ بات کر سکتے ہیں نا۔“ وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔ نبیل نے بوکھلا کر ایکٹنگ کی۔

”خدا کو مانو یار!۔۔۔۔۔۔۔تم تو جنت میں چلی ہی جائو گی، میری کیا گارنٹی ہے؟ اس لئے جو بات کرنی ہے، یہیں کر لو۔“

”میرا مطلب تھا، ٹیرس پر۔۔۔۔۔۔۔چھت پر۔“ وہ بدستور سنجیدہ تھی۔ نبیل نے جانچتی نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

”اوکے۔۔۔۔۔۔۔“

سب کے کمروں میں جانے کے بعد وہ دونوں ٹیرس پر موجود تھے۔

”یہ تم کچھ زیادہ ہی پُراسرار نہیں ہو رہیں، آج کل؟“ نبیل اُسے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔ مگر وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔ اس کا ذہن ان الفاظ میں اٹکا ہوا تھا، جو اسے نبیل سے کہنے تھے۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے سینے پر بازو لپیٹ کر بہت آزردہ سی کھڑی تھی۔ جبکہ نبیل اس کے بالمقابل تھا۔

”میں بہت دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تم بہت ٹینشن میں رہنے لگی ہو۔“ نبیل یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

فزرینہ کا دل بھر آیا۔ آنسو پینے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

”دیکھو، میں نے پہلے بھی تمہیں کہہ دیا تھا کہ وہی ہو گا، جو تم چاہو گی۔ مگر تم نے شاید میرا اعتبار نہیں کیا

تھا۔" وہ اسے یاد دلا رہا تھا۔

"وہ بات نہیں ہے، نبیل!" وہ بہ دقت تمام خود کو بولنے کے لئے تیار کر پائی تھی۔

"پھر کیا بات ہے؟۔۔۔۔۔۔کیوں اس طرح خود بھی پریشان ہو رہی ہو اور مجھے بھی پریشان کر رہی ہو؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"نبیل!۔۔۔۔۔۔میں نے۔۔۔۔۔۔میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔" بہت ہمت کر کے وہ کہہ گئی تو نبیل چپ چاپ کئی ثانیوں تک اس کا چہرہ دیکھے گیا، پھر بہت سنجیدگی سے بولا۔

"اور میں نے تم سے کہا تھا کہ وجہ بتا دو۔"

"میری ہمت نہیں ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔اور پھر میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ حالات اس نہج پر بھی پہنچ سکتے ہیں۔" آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلے تو نبیل بے ساختہ نظریں چُرا گیا۔

"میں بھی تم سے یہی پوچھنا چاہتا تھا کہ ذیشان حیدر سے مجھ تک کا سفر تم نے طے کیسے کر لیا؟"

"میں۔۔۔۔۔۔میں کبھی ذیشان حیدر تک گئی ہی نہیں تھی۔" اس نے بمشکل اعتراف کیا تو وہ چپ چاپ اسے دیکھنے لگا۔

"میں اپنی غلطی مانتی ہوں۔۔۔۔۔۔یہ جو سب کچھ ہوا، نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں جانتی ہوں کہ میری غلطیوں کی وجہ سے بہت سے لوگ ہرٹ ہوئے ہیں اور۔۔۔۔۔۔اور بہت سے ہوں گے۔ مگر۔۔۔۔۔۔مگر میں نہیں جانتی تھی کہ ایک چھوٹی سی خواہش کے لئے مجھے اتنا سفر کرنا پڑے گا۔" وہ بے آواز روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اگر میں کہوں کہ ٹو دی پوائنٹ بات کرو، تو؟" نبیل کا لہجہ ٹھہراؤ لئے ہوئے تھا۔ لحظہ بھر کو فنزینہ نے آنکھیں موند کر ہمت مجتمع کی، پھر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اپنی سیاہ چمک دار آنکھیں اسی پر جمائے ہوئے تھا۔

"آئی ڈونٹ نو۔۔۔۔۔۔کہ تم کیسے ری ایکٹ کرو گے۔ مگر۔۔۔۔۔۔تمہیں یہ سب بتانا میں ضروری سمجھتی

ہوں کہ۔۔۔۔۔۔کہ میں نے کبھی ذیشان حیدر سے محبت نہیں کی۔"

اسے یوں لگا تھا جیسے وہ بات مکمل کرتے کرتے آخر میں جملہ بدل گئی۔

"مگر کبھی تم نے اس کے لئے مجھے ریجیکٹ کیا تھا۔"

"میں نے تمہیں کبھی بھی ریجیکٹ نہیں کیا۔"

"تو وہ سب کیا تھا۔۔۔۔۔۔؟" اس کے بھیگے لہجے کے جواب میں نبیل نے تیزی سے پوچھا تھا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔وہ شہزینہ کا فیصلہ تھا۔" اس کا لہجہ لرز سا گیا۔

"مطلب۔۔۔۔۔۔؟" نبیل نے نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا تو اس کا دل سسک اُٹھا۔

"یاد ہے نبیل!۔۔۔۔۔۔تم نے کہا تھا کہ تم لاکھوں کے ہجوم میں مجھے پہچان سکتے ہو۔ پھر اب یوں اُلو کیوں بن رہے ہو؟" اس کے بھیگے لہجے میں شکوہ تڑپ رہا تھا۔ نبیل لب بھینچ کر رہ گیا۔

"تم جو کہنا چاہتی ہو، کہہ ڈالو۔" اس کے سپاٹ لہجے نے فنزینہ کو جھٹکا لگایا۔ مگر اسی انداز نے اب سچ بولنے کا حوصلہ بھی دے دیا۔

"مجھے فقط اتنا کہنا تھا کہ۔۔۔۔۔۔میں کبھی بھی تمہاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میں شہزینہ علیم نہیں ہوں۔"

کتنے ہی لمحے بالکل خاموشی سے گزر گئے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نبیل اس حقیقت کو جاننے کے بعد چیخے گا، چلائے گا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ، جو سانس روکے کھڑی تھی، پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگی۔ وہ ایک ٹک اُس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ دل پر سے جیسے بھاری پتھر ہٹا تھا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ حالات اتنے سنگین ہو جائیں گے۔ میں تو صرف ماما سے ملنے کے لئے آئی تھی۔ میں نے سوچا کہ کچھ دن میں ماما کے پاس رہ کے چلی جاؤں گی۔ شینا نے کہا تھا کہ کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا۔ ماما کو بھی نہیں۔ وہ کہتی تھی کہ ماں کے لئے سارے بچے ایک سے ہوتے ہیں۔ سو وہ فنزینہ ہو یا شہزینہ۔۔۔۔۔۔کسی کو

بھی پتہ نہیں چلنے گا۔ مگر اس نے مجھے نہ تو ذیشان حیدر سے متعلق کچھ بتایا تھا اور نہ ہی۔۔۔۔۔۔آپ سے متعلق کسی خاص رشتے کے بارے میں۔۔۔۔۔۔ورنہ میں۔۔۔۔۔۔میں

بھی بھی یہاں نہ آتی۔ میں تو صرف یہاں ماما کی محبت پانے، ماموں لوگوں کی شفقت محسوس کرنے آئی تھی۔ مگر اس قدر ٹینشن کا شکار ہو جاؤں گی، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔" وہ بھیگے لہجے میں کہتی ضبط و برداشت سے کام لے رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس کی آنکھوں میں نمی اُمڈ آئی تھی۔ اُس کی اتنی باتوں کے جواب میں بھی وہ ویسے ہی کھڑا تھا۔ خاموش۔۔۔۔۔۔بت کی طرح ایستادہ۔ فزینہ نے آنسو پیتے ہوئے بہت بہادری سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے شاید آپ کو ہرٹ کیا ہے۔ میں چاہتی تو ایسے ہی واپس جا سکتی تھی۔ مگر میں آپ سے بات کلیئر کئے بغیر واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔ میں آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔ میری وجہ سے حالات اتنے خراب ہو گئے۔ اور شاید شینا کے آنے پر مزید خرابی پیدا ہو۔ کیونکہ میں نے اسے یہاں کے حالات سے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔" وہ آنسو روکنے کی کوشش میں ناکام ہو گئی تو فوراً ہی نگاہیں اس کے چہرے پر سے ہٹا گئی۔ اس کی رنگت سرخی مائل ہو رہی تھی۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم شہزینہ علیم نہیں ہو سکتیں۔" وہ بہت سنجیدہ و سپاٹ انداز میں بولا تو فزینہ نے ایک جھٹکے سے اس کی طرف دیکھا۔

"آ۔۔۔۔۔۔آپ کو معلوم تھا؟" حیرت کے مارے وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"میں صرف اپنے شک کو یقین کی سند ملنے کا انتظار کر رہا تھا۔" وہ سابقہ لب و لہجے میں بولا تو وہ بوجھل سی سانس لے کر رہ گئی۔ پھر مجرمانہ انداز میں بولی۔

"میں مزید پریشانیاں کھڑی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔۔۔۔میں کل واپس جا رہی ہوں۔۔۔۔۔۔شینا یہاں آجائے گی۔"

وہ دل میں اُٹھنے والے درد کو بمشکل دبا رہی تھی۔ کئی لمحوں تک منجمد سی خاموشی چھائی رہی، پھر گویا وہ اکتا کر بولا۔

"اور کچھ کہنا ہے آپ کو؟"

فزینہ شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھے گئی۔ یکلخت ہی نبیل کے لہجے میں اس قدر غیریت اور خشکی آگئی تھی کہ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے نمی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تو اس نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"نبیل۔۔۔۔۔۔!" فزینہ نے بے اختیار اسے پکارا تو وہ ٹھٹک گیا، مگر مڑا نہیں۔ نبیل کا انداز فزینہ کے تخاطب میں بھی تکلّف پیدا کر گیا تھا۔

"اب۔۔۔۔۔۔کیا ہو گا؟"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔" وہ بہت سرد و بیگانے انداز میں کہہ کر سیڑھیاں اُترتا چلا گیا اور فزینہ کی آنکھیں اس قدر تیزی سے آنسوؤں سے لبریز ہوئیں کہ سامنے کا منظر اس کی آنکھوں کے آگے دُھندلا گیا اور وہ دیوار کے ساتھ ٹِکی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ اس وقت اسے کھل کے رونے کی ضرورت تھی۔

کتنی ہی دیر کے بعد وہ بوجھل قدموں سے سیڑھیاں طے کرتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

'تو نبیل عباس!۔۔۔۔۔۔میں نے تمہیں آج کھو دیا۔'

اُس نے تکیے میں منہ چھپا کر جلتی آنکھوں کو موند لیا۔

"فینا!۔۔۔۔۔۔فینا۔۔۔۔۔۔!"

اُسے یوں لگ رہا تھا، جیسے بہت دور سے اسے کوئی پکار رہا ہو۔ رات پتہ نہیں، کتنی دیر تک وہ روتی رہی تھی، سو اب سر بوجھل ہو رہا تھا اور درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

"فینا! ایسی بھی کیا بے خبری؟ اب اُٹھ جاؤ۔" اب کی بار کسی نے اسے جھنجوڑا تھا۔ اُس نے بمشکل آنکھیں کھولیں تو

کئی لمحوں تک خالی نظروں سے اپنے اوپر جھکے چہرے کو دیکھتی رہی۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔

"تم۔۔۔ پہنچ بھی گئیں یہاں؟" شینا کو سامنے ہنستے مسکراتے دیکھ کر وہ ششدر تھی۔

پچھلا صفحہ »

40

of 50

Go

« اگلا صفحہ

"لوگ تو چاند پر پہنچ گئے ہیں، مائی ڈیئر!" وہ ہنسی تھی۔

"نہ صرف پہنچ گئے ہیں، بلکہ واپس بھی آگئے ہیں۔" دروازہ کھلا اور نبیل کے پیچھے پیچھے نورین، نوشی اور آصف اندر داخل ہوئے۔

وہ ہکا بکا ایک ایک کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"یہ۔۔۔۔۔۔۔ شینا! یہ سب۔۔۔۔۔۔۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔

شہزینہ نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"پتہ ہے، ابو بھی آئے ہیں۔"

"کہاں؟۔۔۔۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔۔۔۔؟" وہ بے حد استعجاب سے پوچھ رہی تھی۔

"بالکل۔۔۔۔۔۔۔ میں خود لے کر آئی ہوں انہیں۔" وہ مزے سے بولی تو فرزینہ نے بہت بے تابی سے

پوچھا۔

"اور۔۔۔۔۔۔۔ ماما کا کیا ری ایکشن ہے؟"

"مائی ڈیئر!۔۔۔۔۔۔۔ ایوری تھنگ اِز فائن۔" نوشی نے جھک کر اسے پیار کیا تھا۔ وہ جو سب کو بھولی ہوئی تھی، یکلخت حواس میں لوٹی اور رونے لگی۔

"حد ہوتی ہے یار!۔۔۔۔۔۔۔ تم نے تو ہمیں بے وقوف ثابت کر دیا۔" آصف خفگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"تم نے کیا سوچا تھا، فرزینہ! کہ ہم تمہیں ٹھکرا دیں گے؟۔۔۔۔۔۔۔ تم تو ہمارے لئے بالکل شینا کی مانند ہو۔" نوشی بہت سنجیدہ تھی۔

اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ محبت سے اس سے لپٹ گئی۔

دروازہ پھر کھلا اور اب کی بار باقی سب لوگ موجود تھے۔ مگر فرزینہ کی نظریں ان پر نہیں تھیں۔ اس وقت وہ شاید اپنی زندگی کا سب سے بہترین منظر دیکھ رہی تھی۔ ابو اور ماما ایک ساتھ کھڑے تھے۔ ان کے چہروں سے لگ رہا تھا کہ دلوں کی رنجشیں گرد کی طرح جھڑ چکی ہیں۔

وہ بے اختیار اُٹھی اور دوڑتی ہوئی ماما کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

"میری جان!۔۔۔۔۔۔۔ میری بیٹی۔" ماما کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ اس کو چوم رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ سب اس سے یوں مل رہے تھے، جیسے پہلی مرتبہ اسے دیکھا ہو۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ پرانے ریپر میں نیا پیس ہے۔" آصف نے ہانک لگائی تو سب ہنس دیئے۔

"میرے خیال میں واحد نبیل ہی تھا، جسے اس کے شینا ہونے پر شک تھا۔" چھوٹی ممانی کی بات پر فرزینہ نے بے اختیار الماری سے ٹیک لگائے کھڑے نبیل کو دیکھا۔ اس کے تاثرات رات سے یکسر مختلف تھے۔ چہرہ مسکراہٹ کی گرفت میں تھا۔ اس نے فوراً نظریں پھیر لیں۔

"سارا قصور شینا کا ہے ابو! میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔" وہ اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔

"تم مجھے فون تو کر سکتی تھیں۔ گھر اور آفس دونوں کے نمبرز تمہارے پاس تھے۔" وہ اسے سرزنش کر رہے تھے۔ فنزینہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہونے لگا۔

"ایک تو آپ دونوں کو ملا دیا، پھر بھی آپ خفا ہو رہے ہیں۔" شینا نے منہ بسورتے ہوئے ان کے شانے پر سر رکھا تو وہ مسکرا دیئے۔

"مگر یہ سب معاملات اور بھی اچھے طریقے سے طے ہو سکتے تھے۔"

"آئی ایم سوری ابو!۔۔۔۔۔۔۔ مگر سارا قصور شینا کا ہے۔ میں اس سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔"

اس کی آواز بھیگنے لگی تو شہزینہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ مگر فنزینہ نے منہ پھیر لیا۔

"اور اگر یوں بھی معاف نہیں کرو گی تو تمہارے "رائٹ مین" کی سفارش ڈلوادوں گی۔" اس نے معنی خیزی سے سرگوشی کی تو وہ بوکھلا گئی۔

"کر تو رہی ہوں معاف۔" چِڑ کر اس نے کہا تھا۔

"یہ سب واقعی شینا ہی کے اُلٹے دماغ کا آئیڈیا ہو سکتا ہے۔ مجھے نبیل نے پوری تفصیل بتادی ہے۔" ماما نے شہزینہ کو گھورا تھا مگر اس مصنوعی غصے میں پیار بھی شامل تھا۔ وہ خجل سی ان سے لپٹ گئی۔

وہ سب باتوں میں مگن تھے۔ ماما کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ کتنی ہی بار وہ سب کے سامنے ابو سے معافی مانگ چکی تھیں۔ ابو نے بھی کھلے دل سے اپنی غلطی مان لی تھی۔

"یوں کتنا اچھا لگ رہا ہے نا؟" ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی فنزینہ نے سب کو متوجہ کیا۔

"اور یہ سب میرے ماسٹر مائنڈ کا کمال ہے۔" شہزینہ اِترائی۔

'اور تمہیں کیا معلوم شینا! اس سارے کھیل میں میں کس بُری طرح ہاری ہوں۔' فنزینہ نے بے اختیار سوچا تھا۔

"اور یہ سب تم نے یقیناً اس شادی سے بھاگنے کے لئے کیا تھا۔" آصف نے اسے گھورا تو وہ ہنس دی۔

"ویسے اب اس شادی کا کیا ہوگا؟" نورین پریشان ہوئی۔

"دیکھو ڈیئرز!۔۔۔۔۔۔۔ اگر فنزینہ کہے تو میں اس کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے تیار ہوں۔" شہزینہ کی شرارت اس قدر اچانک تھی کہ فنزینہ سٹپٹا گئی۔

"کیوں بھئی۔۔۔۔۔۔۔ منظور ہے پھر میری بھابی بننا؟" آصف بے حد خوشی سے پوچھ رہا تھا۔

اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگنے لگا۔ نبیل ہونٹوں پر مسکراہٹ دبائے بغور اس کی جھکی لرزتی پلکوں کو دیکھ رہا تھا۔

"بتاؤ فینا!۔۔۔۔۔۔۔ کر دوں تمہارے لئے جگہ خالی؟" شہزینہ شریر لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ تبھی نبیل اُٹھ کر صوفے پر فنزینہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"یہ تمہاری جگہ تھی ہی نہیں۔ کیوں فنزینہ؟" بہت رسان سے کہتے ہوئے وہ اس کی طرف ذرا سا جھکا تو وہ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ نبیل کی آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی نظر دھندلانے لگی۔ (تو رات کو سارا ڈرامہ ہو رہا تھا)

"کمال ہے بھئی۔۔۔۔۔۔۔ اماں جان ادھر بیٹھی ہیں اور بیٹے صاحب ادھر معاملہ نمٹا رہے ہیں۔" بڑی ممانی نے مصنوعی غصے سے نبیل کو دیکھا۔ وہ لوگ جانے کب ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ فنزینہ ہراساں ہو گئی۔ وہ اُٹھ کر اُن کے پاس آ گئیں۔

"تو امی جان! آپ ہی نمٹا دیں پھر۔۔۔۔۔۔ ویسے تو میں کارڈز تک بانٹ آیا ہوں۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا تو وہ ہنس دیں۔ پھر جھک کر انہوں نے فنزینہ کی پیشانی چوم لی۔

"بس اب نام کا مسئلہ ہوگا، کارڈز پر۔" بڑے ماموں نے تشویش سے کہا تو وہ خجل سا سر کھجانے لگا۔

"وہ،ابو جان! دراصل۔۔۔۔۔۔۔ابھی صرف آصف کی شادی کے کارڈز بانٹے ہیں۔یہ سارا معاملہ سمجھنے کے چکر میں ابھی تک میں نے کارڈز چھپوانے کا آرڈر نہیں دیا تھا۔"

سب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔فنزینہ الگ خجل ہو رہی تھی۔

"یاد ہے نا۔۔۔۔۔۔۔میں نے کہا تھا کہ تم جیسی لاکھوں بھی ہوں تو میں تمہیں پہچان سکتا ہوں۔" نبیل نے اس قدر اچانک فنزینہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ وہ سب کی

موجودگی کے خیال سے جھینپ کر ماما کے شانے میں منہ چھپا گئی اور سب کی ہنسی میں شامل شہزینہ بے تابی سے گھڑی پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔کیونکہ اُس کا "رائٹ مین" دیئے ہوئے وقت کے مطابق پہنچنے والا تھا۔

...☆☆☆...

دُعا ہو گیا وہ شخص

"بلو!۔۔۔۔۔۔اوبلو۔۔۔۔۔۔۔نامراد! اُتر آ اب کوٹھے سے۔ابھی تیرا ابا اور بھیا آجائیں گے تو رولا ڈال دیں گے۔"

وہ بڑی مگن ہو کر شادو کی مزیدار باتیں سن رہی تھی۔چھت سانجھی دیوار سے لٹک کر اپنی عزیز سہیلی سے باتیں کرنا اُسے ہمیشہ بہت اچھا لگتا تھا۔حالانکہ اسی چکر میں اسے روزانہ اچھی خاصی ڈانٹ پڑتی تھی۔مگر بچپن سے لے کر اب تک اس کی یہ عادت پکی ہو چکی تھی۔اب بھی اماں کی پکار پر اس نے ناگواری سے سیڑھیوں کی جانب دیکھا تھا۔

"ہائے او ربّا!۔۔۔۔۔۔۔جب بھی شادو! تیری باتوں کا سواد آنے لگتا ہے،اماں اپنا رولا ڈال دیتی

ہے۔" وہ سخت بدمزہ ہو گئی۔شادو اپنے منگیتر سے ہونے والی ملاقات کا قصہ بہت بڑھا چڑھا کر سنا رہی تھی۔وہ ہنس دی۔

"اب جا۔سویرے آؤں گی،تیری طرف۔"

شادو نے بالٹی اُٹھائی اور اپنی سیڑھیاں اُتر گئی۔بلو بہت گہری سانس لے کر دیوار سے اُتری تھی۔

اماں کی صلواتیں ابھی تک جاری تھیں۔سیڑھیوں پر بلو کی شکل نظر آتے ہی ان میں تیزی آگئی۔

"میں کہتی ہوں،شادو سے گپیں لگائے بغیر تیری روٹی ہضم نہیں ہوتی؟ سارا دن اِدھر سے اُدھر لدکڑے لگاتی پھرتی ہو دونوں۔پھر بھی تمہاری باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔"

"کیا ہے اماں؟۔۔۔۔۔۔۔تُو بس یونہی مجھے جھڑکتی رہتی ہے۔میں کب اِدھر اُدھر لدکڑے لگاتی ہوں؟" اس نے احتجاج کیا،جو کہ آدھا سچ تھا۔

"ہاں،ہاں۔۔۔۔۔۔۔میں جھوٹ بولتی ہوں نا۔۔۔۔۔۔۔اور وہ جو آدھی رات تک کوٹھے پر بیٹھ کے پتہ نہیں کون سی ہیر سناتی رہتی ہو،اِک دُوجے کو،وہ۔۔۔۔۔۔۔؟"

وہ پیڑھی چولہے کے آگے کھینچ کر لکڑیوں پر مٹی کا تیل ڈالنے لگی۔اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ تھی۔

"تو کیا ہوا اماں؟۔۔۔۔۔۔۔شادو منڈا تو نہیں،کُڑی ہے۔میری سہیلی ہے۔"

اس کی بات پر اماں کو پتنگے لگ گئے۔

"آہائے۔۔۔۔۔۔۔کتنی منہ پھٹ ہو گئی ہے تو بلو۔۔۔۔۔۔۔نہ کوئی شرم،نہ حیا۔زبان بہت لمبی ہو گئی ہے تیری۔"

وہ کُڑھتی ہوئی آگ کے بلند ہوتے شعلوں پر توا رکھنے لگی۔ابا اور بڑے بھیا کے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا۔

"میں نے کتنی بار تجھے منع کیا ہے کہ شام کے وقت چھت پر نہ چڑھا کر۔مگر تیرے دماغ میں میری

باتیں ٹکتی نہیں ہیں۔ ہر وقت شادو۔۔۔۔۔۔۔۔شادو۔۔۔۔۔۔۔“

لگ رہا تھا کہ اماں کو کچھ زیادہ ہی غصہ ہے۔ اب کی بار وہ بھی تپ اُٹھی۔

”اور گھر کے کام کون کرتا ہے؟ سارا دن جمعداروں کی طرح لگی رہتی ہوں۔ تین وقت کا کھانا بناتی ہوں، پھر بھی تجھے میرا کام دکھائی نہیں دیتا۔“

”احسان تو نہیں کرتی تُو ہم پر۔۔۔۔۔۔۔۔ میں کہتی ہوں، اتنی دیر سے میں آوازیں دے رہی ہوں، مجال ہے جو بلو رانی کے کان پر جوں بھی رینگی ہو۔“

وہ جانتی تھی کہ اماں اب اپنی مرضی سے ہی چپ ہو گی۔ اس لئے پرات گھسیٹ کر وہ روٹیاں بنانے لگی۔ اس کے نقوش تنے ہوئے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ اسے اماں کی یہ خوامخواہ کی بحث پسند نہیں آئی۔ پہلے جب وہ چپڑ چپڑ جواب دے رہی تھی، تب بھی اماں کو تپ چڑھ رہا تھا۔ اب جب وہ خاموشی سے روٹیاں بنا رہی تھی، تب بھی وہ چِڑ گئی۔

”میں کیا کہہ رہی ہوں، کچھ پلے پڑا کہ نہیں؟“

”اچھا اماں! اب رہن دے۔ فیر میں کچھ بولوں گی تو تجھے تپ چڑھے گا۔“ وہ جھنجلا کر بولی تو اماں نے دانت پیسے۔

”آ لینے دے، تیرے ابّے کو۔ تیری گت نہ کھنچوائی تو نام بدل دینا میرا۔“

یہ اماں کی مخصوص دھمکی تھی۔ مگر بلو اس سے قطعی ہراساں نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ اُس کی خوش قسمتی کہ اس کا باپ اور بھائی دونوں ہی اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ زیادہ لاڈ تو نہیں کرتے تھے، مگر سختی بھی مفقود تھی۔ ہاں، ڈانٹ ضرور پڑتی تھی۔

”اچھا، لگا لینا شکایت۔۔۔۔۔۔۔۔ تیری تو عادت بن گئی ہے اب۔“ وہ چِڑ گئی تو اماں نے جھک کر اپنی جوتی اُٹھائی اور اُس کی پشت پر دے ماری، جو اُس کے شانے کو چھو گئی۔

”کمینی۔۔۔۔۔۔۔۔ بکواس کرتی ہے میرے ساتھ۔“

”تو پھر بات نہ کر، اگر بُری لگتی ہے تو۔“ وہ اپنا کندھا سہلاتے ہوئے چیخی۔ اس سے پہلے کہ اماں مزید اس کی گوشمالی کرتی، اماں اور بڑے بھیا آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

”السلام علیکم۔۔۔۔۔۔۔۔“

”وعلیکم۔۔۔۔۔۔۔۔“ اماں بے زاری میں بولی۔

”پک گئی روٹی؟“ بھائی نلکے کی طرف بڑھتا بلو سے پوچھ رہا تھا۔

”ہاں، بھاجی۔۔۔۔۔۔۔۔!“ وہ پھونکیں مار کر آگ تیز کرنے لگی۔

”شکر ہے، پک گئی۔ ورنہ اسے شادو سے بات کرنے سے فرصت ملے تو تب ہے نا۔“ اماں نے شکایت کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انہیں لڑکیوں کا بے جا ہنسی ٹھٹھول اور گھر گھر پھرنا پسند نہیں تھا۔

”دیکھ لے ابا!۔۔۔۔۔۔۔۔ سارے گھر کے کام کرتی ہوں۔ اس کے بعد بھوری کو چارہ بھی میں ڈالتی ہوں، دودھ نکالتی ہوں۔ تو کیا تھوڑی دیر اپنی سہیلیوں سے بات بھی نہیں کر سکتی؟“ بلو کی آنکھیں فوراً پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ ابا اور بڑے بھیا کو موم کرنے کا ایک یہی طریقہ تھا۔ نتیجہ حسبِ توقع تھا۔

بڑا بھیا اپنے شانے پر پڑے کپڑے سے ہاتھ پونچھتا چوکی گھسیٹ کر اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ بلو نے سالن اور چنگیر میں روٹی اُس کے سامنے رکھی۔

”چل خیر ہے اماں!۔۔۔۔۔۔۔۔ سارے کام تو کرتی ہے نا۔ جس دن اس طرف سے تجھے شکایت ہو، تب مجھے بتانا۔“

”پر مجھے کُڑی ذات کا یوں پورے پنڈ میں دندناتے پھرنا زہر لگتا ہے۔ اس کی سہیلیاں ہر وقت کھی کھی کرتی پھرتی ہیں۔“ اماں ناگواری سے بولیں۔ بلو دل ہی دل میں تلملاتی ہوئی ابا کو روٹی دے رہی تھی۔

”چل کوئی گل نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ بچپنا ہے ابھی۔ ٹھیک ہو جائے گی۔“ ابا نے اکتا کر کہا تھا اور ساتھ ہی اپنا پسندیدہ

حکم جاری کیا۔

"بلو! حقے کی چلم گرم کر دینا۔"

"اچھا ابا!" بلو نے پیار سے اپنے ابا کو دیکھا، جو اس کی شکایتوں پر کم ہی کان دھرتا تھا۔

وہ اندر جا کر حقہ اُٹھا لائی اور چلم اُتار کر چولہے کے پاس بیٹھ کر چمٹے کے ساتھ سلگتے ہوئے کوئلے تمباکو اور گڑ کے اوپر ڈالنے لگی۔ ماحول اب پُر سکون سا ہو گیا تھا۔

...☆☆☆...

اُس کی صبح بہت جلدی ہو جاتی تھی، جب ابھی سورج بھی پوری طرح نہیں اُبھرتا تھا۔ اُن کے گائوں میں باقاعدہ پانی کی سہولت بہت کم گھروں کی نصیب تھی۔ بلو کے گھر میں پانی کے لئے نلکا لگا تھا، جس میں پانی تھا تو وافر مگر کھارا۔۔۔۔۔۔۔ پینے کے لئے سخت ناموزوں۔ یہ ڈیوٹی بلو کی تھی کہ وہ سویرے سویرے اُٹھ کر ملکوں کے ٹیوب ویل سے بہنے والا پانی گھڑوں میں بھر کے لائے۔

"بلو!۔۔۔۔۔۔۔ آجا اب۔ پہلے ہی بڑی دیر ہو گئی ہے۔" شادو نے دروازے کی کنڈی کھڑکا کے آواز دی تو وہ دوپٹہ لپیٹ کر، گھڑا اُٹھا کے دروازے کی طرف لپکی۔

"کتنی بار کہا ہے کہ چادر کے بغیر نہ نکلا کر باہر۔" اماں کی بڑبڑاہٹ نے باہر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ پھر وہ چلائی۔

"دُوجا گھڑا ابھی لے کے جا۔"

بلو نے باہر قدم رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"ایک ہی ہمارے لئے بڑا ہے۔ میری تو پسلیاں دُکھنے لگتی ہیں، دو گھڑے اُٹھانے سے۔"

"نامراد۔۔۔۔۔۔۔ کھانے اور باتیں کرنے کی جانب ہے۔" اماں نے سفید چادر اوڑھتے ہوئے کروٹ لی تھی۔

وہ شادو، رانو اور پینو کے ساتھ گپیں لڑاتی جا رہی تھی، جب رانو نے اُسے ٹہوکا دیا۔ اُس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"بلو یہ چٹّے سوٹ والا تیرا رانجھا نہیں لگ رہا ہے؟"

اُس کی نظروں کے تعاقب میں بلو نے سامنے درخت کی طرف دیکھا اور پھر تیز لہجے میں بولی۔

"بکواس نہ کر۔۔۔۔۔۔۔ تیرا ہو گا رانجھا۔ مجھے تو یہ کیدو لگتا ہے، کیدو۔"

"ہائے بلو! یہ ظلم نہ کر۔۔۔۔۔۔۔ بنسری پکڑ لے تو بالکل رانجھا لگنے لگے۔ ایسا سوہنا جوان تو ہمارے پورے پِنڈ میں نہیں۔" شادو نے تڑپ کر کہا تو وہ اُسے گھورنے لگی۔ اپنے آپ میں مگن شیرے کے پاس سے وہ بڑی خاموشی سے اور وہ تینوں بقول اماں کے "کھی کھی" کرتی گزری تھیں۔

ٹیوب ویل چل رہا تھا۔ اِکاد ُکا عورتیں پانی بھر کے جا رہی تھیں۔

"کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو؟ اور تُو شادو!۔۔۔۔۔۔۔ تجھے حیا نہیں آتی؟ تیری تو منگنی ہو چکی ہے، تیری پھوپھی کے پُتر کے ساتھ۔ اور تُو اُس شیرے لفنگے کی بے شرمی سے تعریفیں کر رہی ہے۔"

وہ شادو سے اُلجھنے لگی۔ مگر اُس پر اثر کہاں تھا۔

"کہاں لکھا ہے کہ منگ کے بعد کسی اور کی تعریف کرنا منع ہے؟" وہ بڑی ڈھٹائی سے بولی۔ پینو اور رانو ہنسی تھیں۔

بلو پسلیوں پر ہاتھ جمائے اُسے گھورنے لگی۔

"اور جو کہانیاں سناتی ہے تُو فیقے کی، وہ کیا ہیں؟"

"ہاہ۔۔۔۔۔۔۔ یہی تو نقصان ہوتا ہے، منگ کا۔ بندہ کسی ہور کی تعریف بھی نہیں کر سکتا۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کے ہنسی تو بلو کو غصہ آگیا۔

"شرم کر۔۔۔۔۔۔۔"

"لے۔۔۔۔۔۔۔ شرم تو تجھے کرنی چاہئے۔ تُو اس کی منگ ہے کہ یہ؟" حیرانگی سے بولی۔ اس حیرانگی کے

پیچھے چھپی شرارت اور چھیڑ کو بلو خوب سمجھ رہی تھی۔ پھر بھڑک اُٹھی۔

"اللہ نہ کرے کہ میں اُس کی منگ ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔تجھے اتنا شوق ہے تو تُو کرلے بیاہ اس سے۔ تجھے تو یوں بھی وہ گبھرو لگتا ہے۔"

"ہائے۔۔۔۔۔۔۔قسم نال! ایسے اگر میری راہ میں کھڑا ہو تو ایک کیا، دو دو یاہ کرلوں اس سے۔" وہ بڑی حسرت بھری اداکاری کرتے ہوئے بولی تو بلو سلگ کر گھڑا اُٹھانے ٹیوب ویل سے بہتا صاف شفاف پانی بھرنے لگی۔

شیرا یعنی علی شیر بلو کا خالہ زاد تھا۔ وہ ابھی اس کی منگ تو نہیں بنی تھی، مگر اماں اور خالہ آپس میں یہ بات ان کے بچپن ہی سے طے کر چکی تھیں۔ یہ بات شیرے کو بھی معلوم تھی اور بلو کو بھی۔ جیسا کہ شادو کہہ رہی تھی، شیرا واقعی پورے پِنڈ کے جوانوں سے بڑھ کر تھا۔ مگر بلو کو اس سے چِڑ تھی۔ کیونکہ وہ اماں کا بھانجا تھا۔ جب بھی اماں بلو کو کوستی اور مارتی، وہ دل ہی دل میں ایک دفعہ ضرور ارادہ کرتی کہ مرتی مر جائے گی، پر شیرے سے بیاہ نہیں کرے گی۔ جب کہ شیرا اُسے اپنی منگ ہی سمجھتا تھا۔ اس لئے اسے چھیڑنا، تنگ کرنا، اماں سے اسے ڈانٹ پڑوانا اور سویرے سویرے اس کے راستے میں آکھڑا ہونا اُسے بہت اچھا لگتا تھا۔ جب کہ اس کی ان حرکتوں پر سہیلیاں بلو کو چھیڑتیں تو وہ سلگ اُٹھتی۔ وہ بلو کو شیرا نہیں بلکہ "اماں کا بھانجا" ہی لگتا تھا۔

واپسی پر بھی وہ ویسے ہی بوڑھ کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ سہیلیوں کی ہنسی اور سرگوشیوں سے بے نیاز گھڑا بغل میں دبائے تیزی سے گزر گئی۔

"چہ۔۔۔۔۔۔۔چہ۔۔۔۔۔۔۔نہ کیا کر ایسے بلو! بے چارے کا دل ٹوٹ گیا ہوگا۔" رانو نے تاسف سے شیرے کو دیکھتے ہوئے بلو سے کہا۔

"تُو تو جوڑ دے اُس کا دل۔۔۔۔۔۔۔ویسے بھی کنواری ہے اور منگنی بھی نہیں ہوئی تیری۔" بلو منہ پھٹ

تو تھی ہی، پٹاخ سے بولی تو رانو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دل میں اِک ہوک سی اُٹھی۔

"تیرے پیچھے مر نہ رہا ہوتا تو کبھی اسے انکار نہ کرتی۔" رانو نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا تو وہ منہ بنانے لگی۔

"بڑی نصیبوں والی ہے تُو بلو! جو شیرے کے گھر والی بنے گی۔" پینو کے لہجے میں رشک تھا۔

بلو نے تیوری چڑھا کر اُسے دیکھا۔

"خدا نہ کرے۔۔۔۔۔۔۔مر جائوں گی، پھر اس سے ویاہ نہیں کروں گی۔" وہ تڑخ کر بولی تو شادو نے اسے ٹوک دیا۔

"جھلّی ہے تُو۔۔۔۔۔۔۔اور کیا چاہتی ہے تُو؟ آٹھ جماعت پڑھا ہوا ہے۔ ملکوں کا ڈرائیور ہے۔ چنگی بھلی تنخواہ لیتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ رج کے سوہنا ہے۔ پھر تجھے کس بات کی کمی لگتی ہے؟"

"بس، مجھے وہ چنگا نہیں لگتا۔ وہ اماں کا بھانجا ہے اور بس۔"

گھر قریب آگیا تھا۔ وہ دوٹوک انداز میں ناگواری سمو کر بولی اور غڑاپ سے کھلے دروازے میں داخل ہو گئی۔

"جھلّی ہے نری۔۔۔۔۔۔۔ضد میں ٹھکرا رہی ہے شیرے کو۔" شادو نے تاسف سے سر جھٹکا تھا۔

اماں نے چولہے میں آگ جلادی تھی۔ وہ گھڑا اینٹوں پر رکھ کر جلدی جلدی آٹا گوندھنے لگی۔ اماں پھر شروع ہو گئی تھی۔

"کتنی باری کہا ہے تجھ سے کہ پہلے روٹی، ٹکر پکایا کر، پھر پانی بھرنے جایا کر۔ روز دیر کر دیتی ہے۔" "ابھی کہاں دیر ہوئی ہے اماں؟۔۔۔۔۔۔۔روز اسی وقت روٹیاں پکتی ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ ایک تو پہلے ہی "اماں کے بھانجے" کے دیدار نے صبح سویرے دل خراب کر دیا تھا، اوپر سے اماں کی جھڑکیاں۔

"تُو بات ماننے والے دن پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔" اماں کُڑھ کر بولی تو بلو کو ہنسی آگئی۔

”تواس میں میرا کیا قصور ہے؟ تجھے خود دن کا دھیان رکھنا چاہئے تھا۔“

”بکواس کرتی ہے۔“ اماں نے بھاری ہاتھ سے اس کا کندھا سلگا دیا تھا۔

”بس، اب صبح صبح مارنا شروع کردے۔“ وہ منہ بسور کر پانی کا تسلہ لئے اُٹھ گئی۔ کچے صحن میں پانی گرا کر وہ تسلہ رکھ کے آٹے کی پرات اُٹھانے لگی۔

”اماں! اب تو فصلیں پک گئی ہیں۔ بھیا اور ابا دن چڑھے جاتے ہیں کھیت پر۔ اور فیروز اسی وقت سارے کم ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں تُو روز ہی سیاپا کیوں ڈال دیتی ہے؟“ اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ اور واقعی یہ تھی روز کی بات۔

”چل دفع ہو۔ جا کے بھوری کو پٹھے ڈال کے آ، لسی نہیں بنانی آج؟“ اماں نے اسے ڈانٹا۔ وہ چاہتی بھی تو بلو کے ساتھ نرم لہجے میں بات نہیں کر پاتی تھی۔

وہ آٹے کی پرات چولہے کے پاس چنگیر سے ڈھانپ کر رکھتی جلتی کلستی پلٹ گئی۔ بالٹی اٹھائے، پیر پٹختی وہ پچھواڑے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”ہنہ۔۔۔۔۔۔۔ ڈانٹ پھٹکار کے لئے بھی میں اور کام کاج کے لئے بھی میں۔ اللہ کرے کہ مر جائوں میں۔ دیکھ لینا، ایک ہی دن میں سارے بدلے چکائوں گی۔ چاہے ساری عمر کنوارہ ہی رہ جائے، کبھی اس شیرے سے ویاہ نہیں کروں گی۔“

وہ بھوری کے آگے چارہ ڈال کے دودھ دوہنے لگی۔ اس کی سوچیں باغی ہو رہی تھیں۔

ابا اور بھیا ناشتہ کر کے نکل گئے تو وہ اماں کے آگے پراٹھوں والی چنگیر رکھ کے جھوٹے برتن اکٹھے کرنے لگی اس نے رات کے بچے قیمہ کریلے اور پراٹھا نکال کر اپنے لئے گلاس میں لسی بھری ہی تھی کہ شیرا آگیا۔

”سلام خالہ۔۔۔۔۔۔۔“!

”آئے ہائے۔۔۔۔۔۔۔“ بلو کے دل میں ناگواری کی لہر اُٹھی تھی۔ اس نے پیڑھی کھسکا کے اس کی طرف پشت کر لی۔

”روٹی کھائے گا شیرے؟“ اماں نے شرینی بھرے لہجے میں شیرے سے پوچھا تو وہ جل کے رہ گئی۔

”ہاں خالہ! ضرور کھائوں گا۔ قیمہ کریلے تو ویسے بھی مجھے بہت پسند ہیں۔“ وہ بڑے مزے سے پیڑھی گھسیٹ کے بلو کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے آگے پڑا پراٹھا اُٹھا کر قیمہ کریلے کے ساتھ کھانے لگا۔ وہ ہکا بکا تھی۔

”یہ۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے؟“ وہ غصے سے سرخ ہونے لگی۔ شیرے نے پسینے میں بھیگی غصے سے لال بلو کا یہ روپ بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

”دیکھ رہی ہے اماں! اپنے بھانجے کی حرکت؟“ اس نے اماں سے شکایت کی۔

”بس، پڑ گیا غش۔۔۔۔۔۔۔ اے کیا ہے، جو بچے نے تھوڑا کھا لیا تو۔“ اماں نے طنز کیا تو وہ تپ اُٹھی۔

”تو بچہ اپنے گھر سے کیوں نہیں کھا پی کے آتا؟۔۔۔۔۔۔۔ سارے دن میں ایک بار روٹی کھانی ہوتی ہے مجھے۔ وہ بھی یہ کھا گیا ہے۔“

بلو کو رونا آنے لگا۔ اماں کو اس کی تھڑدلی بالکل بھی نہیں بھائی تھی۔ جب کہ شیرا مزے سے لسی کے گھونٹ بھرتا مسکرا رہا تھا۔

”تو مر کیوں رہی ہے؟ اور پکا لے۔ ہاتھ تو نہیں ٹوٹ گئے تیرے۔“ ”کیوں۔۔۔۔۔۔۔ اور کیوں پکائوں؟ اسے کیوں نہیں منع کرتی تُو؟ روزانہ منہ اُٹھا کے آجاتا ہے۔“ وہ چلبلا کر بولی تو اماں اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”یہ لے۔۔۔۔۔۔۔ دل نہ تھوڑا کر۔“

شیرے نے لسی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے کہا تو اس کا دل خراب ہونے لگا۔

''ادھ ادھ گز کی مونچھیں ڈبو دی ہیں اس میں۔ اب میں کیوں پیئوں؟''

اس کے انداز پر شیرے نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور باقی کی لسی بھی حلق میں اُتار گیا۔

''ویسے پی لیتی تو اچھا تھا۔ جوٹھا پینے سے محبت بڑھتی ہے۔''

وہ نیچی آواز میں شرارت سمو کر بولا تو وہ سلک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جی تو چاہا، اماں کو اس کے بھانجے کے کرتوت بتادے۔ مگر اماں کی صلواتیں کھانے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔

وہ اُٹھ کر اماں کے پاس چارپائی پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگا مگر اس کی نگاہ ادھر اُدھر پھرتی، جھاڑ پونچھ کرتی بلو پر تھی۔

''ڈرائیوری کیسی چل رہی ہے تمہاری؟'' اماں نے فریم سنبھال لیا۔ وہ اپنے لئے لان کی چادر کاڑھ رہی تھی۔

اماں کی توجہ ہٹی تو شیرے کو کھل کے بلو کا دیدار کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اماں کی باتوں کا جواب بھی دیتا جا رہا تھا۔

''بہوت چنگی خالہ!۔۔۔۔۔۔ اب تو میری تنخواہ میں پورے سو روپے بڑھ گئے ہیں۔''

''ماشاءاللہ!'' اماں کو بے حد خوشی ہوئی اس خبر سے۔

''ہنہ۔۔۔۔۔۔ سو روپیہ بڑھ گیا ہے۔ اس میں سے خالہ کے لئے کیا لے کے آیا ہے؟ بس سُکا منہ لے کے آ گیا ہے۔''

وہ دوپٹے سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے طنز سے بولی تو وہ خفیف سا ہو گیا۔ جب کہ اماں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ وہ سر جھٹک کر برتن اکٹھے کر کے دھونے بیٹھ گئی۔

''تُو بھی آجا شیرے''!

''اچھا خالہ!'' وہ ٹال گیا۔

اماں کے جاتے ہی وہ اُٹھ کر بلو کی طرف آیا، جو راکھ اور ریت سے دیگچیوں کو مانجھ رہی تھی۔ وہ ہاتھ سینے پر لپیٹے اس کے سامنے کھڑا ہو کر بڑے اشتیاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بلو کو اُلجھن سی ہونے لگی۔

''کیا ہے۔۔۔۔۔۔؟'' اُس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے تو وہ تپ کر دوبارہ برتن مانجھنے لگی۔ نلکا چلانے لگی تو وہ تیزی سے آگے بڑھا اور نلکا چلانے لگا۔ وہ کچھ بولی نہیں، بس تیوریاں چڑھائے تیزی سے بہتے پانی کے نیچے برتن دھونے لگی۔

''اتنے کام نہ کیا کر۔۔۔۔۔۔ اتنی نازک ملوک ہے تُو۔ مجھے تو ڈر ہے کہ تُو کام کر کر کے ہی ختم نہ ہو جائے۔''

وہ مذاق کر رہا تھا۔ ساتھ ہی لہجے میں جذبوں کی تپش بھی تھی۔ بلو نے گھور کے اُسے دیکھا۔

''جس دن تُو نوکرانی رکھوا دے گا، اس دن سے کچھ نہیں کروں گی۔''

''اِک باری تُو میرے گھر آ تو لے۔ پھر دیکھنا، پھولوں کے بسترے پر رکھوں گا تجھے۔'' اس کے لہجے میں محبت کی شدت رچی تھی۔ مگر بلو پر ایسی باتیں جھنجلاہٹ اور بے زاری ہی طاری کرتی تھیں۔

''چل، میرے ساتھ فضول بک بک نہ کر۔ ابّے کو بتا دیا تو تیرا سارا عشق جھاڑ دے گا وہ۔''

وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ شیرے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پانی کے چھینٹوں سے بھیگتی، تنے تنے نقوش لئے وہ واقعی ''سوہنی'' لگ رہی تھی۔ غصے میں اس کی آنکھیں جیسے چنگاریاں اُڑانے لگتی تھیں۔

''نہ۔۔۔۔۔۔ نہ۔۔۔۔۔۔ بھلا ایسی باتیں کُڑیاں تھوڑی اپنے ماں باپ سے کرتی ہیں؟ میں خود گل

"کروں گا۔" وہ بہت شریر انداز میں بے ساختہ بولا تو وہ برتن پرات میں رکھتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"دُر فِٹے منہ۔۔۔۔۔۔" وہ پیر پٹخ کر پلٹی تو شیرے نے بہ سرعت اس کی لمبی چوٹی کو جکڑا تھا۔ وہ جھٹکے سے رُک گئی۔ برتنوں سے بھری پرات گرتے گرتے بچی تھی۔

"چھوڑ میری چوٹی۔ لفنگا کہیں کا۔"

وہ غصے میں بولی اور پھر اس پر اثر نہ ہوتا دیکھ کر اس نے اماں کو زور سے آواز دی۔ نتیجہ حسب توقع تھا۔ اس نے فوراً پُٹھیا چھوڑ دی تھی۔

"ایسی حرکتیں اپنی کسی لگتی سے کرنا، سمجھے؟"

وہ فوں فوں کرتی برآمدے میں چلی گئی، جہاں ایک کونے میں برتنوں کا ٹوکرا پڑا تھا۔ وہ برتن ٹوکرے میں رکھنے لگی۔

"اچھا خالہ! اب میں چلتا ہوں۔" وہ اجازت لے رہا تھا۔

"بیٹھ جا، دو گھڑی۔" اماں نے اصرار کیا مگر وہ رکا نہیں۔

اماں کڑھائی کر رہی تھی۔ صحن میں پتھر گرا تو وہ چونکی۔ یہ شادو کا بلاوا تھا۔ اس نے چور نگاہوں سے اماں کو دیکھا، وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ وہ غیر محسوس انداز میں چارپائی سے اُٹھی اور چپلیں پہن کر صحن کی طرف بڑھی۔

"بس۔۔۔۔۔۔ چل دے اب لور لور پھرنے۔"

وہ اماں کو جتنا بے خبر سمجھ رہی تھی، اتنی وہ تھی نہیں۔ وہ ٹھٹک گئی۔ پھر منت کرنے والے لہجے میں بولی۔

"اماں! بس آدھے گھنٹے کے لئے جا رہی ہوں، شادو کی طرف۔ ابھی آجاؤں گی۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ بیٹھ کے اپنے جہیز کی چادر ہی کاڑھ لے۔" اماں نے صفاچٹ جواب دے دیا۔

"مجھے نہیں پتہ۔۔۔۔۔۔۔ صبح سے ڈھور ڈنگروں کی طرح جُتی ہوئی ہوں۔ اب ذرا دیر سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتی؟" وہ روہانسی ہونے لگی۔ اماں اسے تھوڑی دیر دیکھتی رہی، پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"اچھا جا۔۔۔۔۔۔۔ پر جلدی آجانا۔ اور وہاں سے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔ سیدھی گھر آئیں۔"

"اچھا اماں!" وہ خوش ہو اُٹھی۔ اماں کبھی کبھار ہی ایسے موڈ میں آتی تھی۔

شادو بھی کام کاج سے فارغ ہو کے بیٹھی تھی۔ ویسے بھی اس کی بے بے اور بھرجائی بھی آدھے کام کر لیتی تھیں، اس لئے شادو عموماً فارغ ہی نظر آتی تھی۔

"کام کر آئی؟" ادو اسے لئے چھوٹے سے ڈربہ نما کمرے میں آگئی۔

"ہاں۔ پر تُو بھی کبھی آجایا کر۔ ہمیشہ مجھے ہی بلاتی ہے۔" وہ بے تکلفی سے کمرے کی واحد چارپائی پر کہنی کے بل لیٹتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔ شادو بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ "نہ بھئی۔ مجھے تو تیری اماں سے ڈر لگتا ہے۔"

"آہ!۔۔۔۔۔۔۔ تُو اتنی ہی ڈرپوک ہے نا۔" بلو نے طنز کیا تھا۔ شادو ہنس پڑی۔

"اچھا، اب دکھا وہ چوڑیاں اور جھمکے جو فیقے نے دیئے ہیں تجھے۔" بلو زیادہ دیر اپنے اشتیاق کو دبا نہیں سکی۔

شادو فوراً اُٹھی اور دو چھتی پر ہاتھ مار کے گتے کا ڈبہ اُتارا۔

"یہ دیکھ۔۔۔۔۔۔۔ یہ رہیں چوڑیاں اور یہ جھمکے۔" شادو نے ڈبہ کھول کے اس کے آگے کیا۔ جگر جگر کرتی سرخ اور سنہری چوڑیاں بلو کے دل میں اُترتی چلی گئیں۔

"کتنی سوہنی ہیں۔" وہ بے اختیار بولی اور چوڑیاں اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"اور یہ جھمکے دیکھ، نرے سونے کے لگتے ہیں۔" شادو نے خوشی سے تمتماتے لہجے میں کہا تو بلو کی آنکھوں میں ستائش اُتر آئی۔

"ویسے فیقے کو چیزیں خریدنے کا چنگا ڈھب ہے۔"

گائوں کی عام سی لڑکی کے لئے کانچ کی چوڑیاں اور بیس تیس روپے والے جھمکے ہی سب سے بڑی خوشی تھے۔ بلو اوپری دل سے مسکرا رہی تھی۔

"تیری بھی جب منگنی ہو جائے گی تو شیرا بھی تیرے لئے ایسی ہی چیزیں خریدا کرے گا۔" وہ احتیاط سے ڈبہ چھتی پر واپس رکھتے ہوئے اسے کہنے لگی۔

بلو کے چہرے پر بے زاری پھیل گئی۔

"رب کا واسطہ ہے شادو! خوامخواہ دل خراب کرنے والی گل نہ کیا کر۔"

"آہ۔۔۔۔۔۔۔ہائے، نری کملی ہے تُو۔" شادو نے تحیر سے اسے دیکھا اور پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ "اِک گل تو بتا آج مجھے۔ تیرے دل میں ہے کیا؟ علی شیر میں کیا عیب ہے؟"

"اس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ اماں کا بھانجا ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ ہمیشہ کی طرح شادو کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"اتنی ضد چنگی نئیں ہوتی بلو!۔۔۔۔۔۔۔ تیری اماں کا بھانجا ہے تو تیرا بھی تو کچھ لگتا ہے۔" شادو نے ہر بار کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"دنیا کی ہر بات مانتی ہوں، اماں کی۔ صبح سے لے کر رات تک گھر کے کام کرتی ہوں۔ پر یہ بات تو کبھی بھی پوری نہیں کروں گی۔"

اس کے دماغ میں شروع سے جو بات سما گئی تھی، وہ اب پک گئی تھی۔ اماں کا شیرے کو توجہ دینا بلو کو زہر لگتا تھا۔ شادو نے سر جھٹکا۔

"تُو تو نری جھلّی ہے۔ تیری باتیں کبھی میرے دل کو نہیں لگیں۔ بے کار کی ضد کے پیچھے تُو اتنے چنگے بندے کو ٹھکرا

رہی ہے۔"

شادو سیدھی سادی لڑکی تھی، اُس کے ذہن میں بلو کی باتیں نہیں سماتی تھیں۔

"اچھا بس بھی کر۔ دو گھڑی کو اماں سے اجازت لے کر آئی ہوں اور تُو نے یہاں دماغ خراب کرنے والی باتیں شروع کر دی ہیں۔" وہ اُکتاہٹ بھرے غصے سے بولی تو شادو نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیئے۔

"تیری مرضی۔۔۔۔۔۔۔ میرا کام تو تجھے سمجھانا تھا۔ آگے تیری اپنی مرضی۔" بلو نے سُکھ کا سانس لیا تھا۔ جو اس کے دل میں تھا، وہ اس نے آج تک کسی کو نہیں بتایا تھا۔

...☆☆☆...

"السلام علیکم۔۔۔۔۔۔۔۔"!

خالہ اور علی شیر آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

"جی آیاں نوں۔۔۔۔۔۔۔ میری بھین آئی اے۔" اماں، خالہ سے یوں ملی، جیسے برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو۔ یا پھر وہ بیرونِ ملک سے آئی ہوں۔

"میں تو پھر بھی آگئی۔ تیرا تو دل ہی نئیں کرتا۔"

"سلام خالہ!" بلو آگے بڑھی تو خالہ نے اسے خود سے لپٹا لیا اور بڑی محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"کیہ حال ہے میری دھی کا؟"

"ٹھیک ہوں خالہ!" وہ پھیکے لہجے میں بولی۔ شیرے کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج اُٹھی تھیں۔

"ہاں اماں! اس کی فکر نہ کر۔ یہ چنگی بھلی ہے خالہ کی جھڑکیں کھا کھا کر دیکھا نئیں، اس کی صحت کتنی بڑھ گئی

ہے۔'' شیرے نے لقمہ دیا تو وہ تلملا اُٹھی۔

''نہ پُتر! ایسے منہ بھر کے نئیں کہتے۔ میری ماشاءاللہ، میری دھی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔'' خالہ نے چارپائی پر دھرنا مارتے ہوئے بلو کو بھی اپنے پاس بٹھایا تھا۔

''تُو کہاں یہاں بیٹھ گئی ہے؟ جا کے لسی پانی لے کے آ، خالہ کے لئے۔'' اماں نے فوراً بلو کو گھرکا تھا۔

''جا رہی ہوں اماں!'' وہ بے زاری سے اُٹھی تھی۔

وہ گلاسوں میں لسی ڈال رہی تھی، جب شیرا چلا آیا۔

''تجھے چین نئیں آیا اُدھر؟'' اسے شیرے کی آمد پسند نہیں آئی تھی

''جو گل میں تجھے بتانے آیا ہوں، وہ تیرا چین بھی مٹا دے گی۔'' اس کی بات سن کر وہ کھٹک سی گئی۔

''تُو کبھی کوئی چنگی خبر بھی لے کے آیا ہے، جو آج چین مٹانے کی باتیں کر رہا ہے؟'' اندر کے خوف نے اسے غصہ دلا دیا تھا۔

''خیر، میرے لئے تو یہ بڑی چنگی گل ہے۔ البتہ تیرا پتہ نہیں۔'' وہ پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے ہنسا۔

''آرام سے رہ شیرے! میرے ساتھ مخول کیا تو اچھا نئیں ہوگا۔'' اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

''اماں شادی کی خوش خبری سنانے آئی ہے۔'' اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔ وہ ششدر سی اسے دیکھے گئی۔

''شیرے! کیوں بک رہا ہے تُو؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''لے۔۔۔۔۔۔۔تو مٹھائی کا ڈبہ کیا میں ختم پڑھنے کے لئے لایا ہوں؟'' شیرے نے لسی کا گلاس اٹھاتے ہوئے مزے سے کہا تو اسے رونا آنے لگا۔ وہ بڑے دھڑلے سے کہتی تھی کہ مر کے بھی شیرے سے شادی نہیں کروں گی۔ مگر اب جب بات چلی تو ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے تھے۔

''مجھے نئیں پتہ شیرے! میں کوئی نئیں کروں گی، شادی وادی۔''

شیرے نے بہ مشکل ہنسی دبائی، پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''اب یہ گل تو تجھے اماں یا خالہ سے کرنی چاہئے۔''

''تُو۔۔۔۔۔۔۔تُو خود کیوں نئیں منع کر دیتا؟'' اس کے لہجے میں شیرے کے انداز نے ہمت بھر دی تھی، لجاجت سے بولی۔

''چل ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔۔تُو پریشان نہ ہو۔ میں ابھی جا کے اماں سے گل کرتا ہوں۔'' شیرے نے اس کا ہاتھ تھپکا۔

''کیا کہے گا؟'' اُسے فکر سی ہوئی کہ کہیں وہ جا کے اسی کا نام نہ لے دے۔

''یہی کہ اگلے مہینے کے بجائے اسی ہفتے کی تاریخ رکھ لیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا تو بلو اچھل سی پڑی۔ ''فٹے منہ تیرا۔۔۔۔۔۔'' بلو نے دانت پیس کر اسے دیکھا اور لسی کے گلاس ٹرے میں رکھ کر تیزی سے اندر بڑھ گئی۔ وہ ہنستا ہوا اس کے پیچھے لپکا تھا۔

اندر کا ماحول، بلو کے ننھے سے دل کو لرزا گیا۔ مٹھائی کا ڈبہ کھل چکا تھا۔ اماں اور خالہ شیر و شکر ہو رہی تھیں۔

''ساری تیاریاں مکمل تھیں، اسی لئے میں نے دو ہفتے بعد کی تاریخ رکھی ہے۔'' خالہ ہنس رہی تھی۔

''خالہ!۔۔۔۔۔۔۔یہ لو لسی۔''

''اے چھوڑ لسی کو۔ یہ لے، منہ میٹھا کر تُو بھی۔'' خالہ نے لڈو اُٹھا کر اُس کے منہ میں ڈالا تھا۔ اُس کا حلق بند ہونے لگا۔

''پر ہمیں تو ابھی پوری تیاری کرنی ہے۔ لے، اب مجھے کیا خبر تھی کہ تُو اتنا کم وقت دے گی۔'' اماں کے انداز میں تفکر تھا۔ لڈو بلو کے گلے میں پھنسنے لگا۔ شیرا بہت دلچسپی سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''لے، دو ہفتے تھوڑے ہوتے ہیں تیاری کے لئے؟''

اماں اور خالہ کی باتیں اور ہنسی، بلو کی فکر کو مزید بڑھا رہی تھیں۔

"بلو کی تُو فکر ہی نہ کر۔ اپنی دھی کے کپڑے تو میں نے آپ ہی بنائے ہیں۔" خالہ نے پیار سے ساتھ لگایا اور اماں کو تسلی دی۔ جس پر اماں کی پریشانی کم ہو گئی۔

"زینو کہہ رہی تھی کہ بلو کو ساتھ ہی لے آنا۔"

"مجھے نئیں جانا۔" وہ جھنجلاہٹ، غصے اور بے بسی کے احساس سے رو پڑی۔

"آہائے۔۔۔۔۔۔۔۔ کملی ہوئی ہے کیا؟۔۔۔۔۔۔۔۔ لے بھلا تیری سہیلی اب دو ہفتوں کی مہمان ہے اور تُو منہ بسور رہی ہے۔ اسی لئے تو کہہ رہی تھی کہ بلو کو لے آنا۔" خالہ نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔" اس نے چونک کر خالہ کو دیکھا تھا۔

"اس کے سسرال نے اتنی جلدی ڈال دی تھی کہ میں نے منع کرنا ٹھیک نئیں سمجھا۔ تُو ناراض نہ ہو۔ اگر وہ آتی تو تجھے خود بتا دیتی۔"

وہ حیرت میں غرق رونا بھول کر خالہ کو دیکھنے لگی۔ یہ کیا کہہ رہی تھی وہ؟ زینو کی شادی۔۔۔۔۔۔۔۔ تو گویا علی شیر بکواس کر رہا تھا۔ اسے اور رونا آ گیا، جب اس نے شیرے کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ وہ خالہ کے گلے لگ کر رونے لگی۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ شیرا اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔

"لے۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے نا جھلّی ہو گئی۔" اماں خفا ہوئی تو خالہ ہنسنے لگی۔

"بھئی اس کی سہیلی جو جا رہی ہے۔" شیرے نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے بلو کی حمایت کی تھی اور وہ دل ہی دل میں اُسے گالیاں دے رہی تھی۔

...☆☆☆...

"چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیے
منڈا صدقے تیرے تے"

گوٹے کناری سے سجے پیلے جوڑے میں بلو کی رنگت دمک رہی تھی۔ خوشی اور بے فکری نے گالوں پر خون چھلکا دیا تھا۔ وہ بہت سُر میں ٹپے گا رہی تھی۔

"ایہہ اپنے شیرے کی منگ ہے نا؟" کوئی عورت شاید خالہ سے پوچھ رہی تھی۔ بلو کا رنگ روپ اسے سب سے جدا کر رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ دھی ہے میری۔" خالہ کے لہجے میں پیار تھا۔

زینو کو مایوں بٹھایا گیا۔ بلو اس کے پاس کھڑی تھی۔

"منہ تو دیکھنے دو، وہٹی کا۔" زینو کی نند نے اس کے منہ سے دوپٹہ ہٹانا چاہا۔ اس کی یہ کوشش بلو نے ناکام بنا دی۔

"ابھی اس کا دولہا نئیں آیا۔"

"ہن تے اپنی چیز ہے۔" وہ احتجاجاً بولی تھی۔ باقی بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔

"کل جب نکاح ہو گیا تے فیر اپنی کہنا۔" بلو نے برجستہ گوئی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"علی شیر تو اس کی اک اک ادا کو نگاہوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا۔

مہندی اور تیل لگ رہا تھا۔ ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ رسمیں نمٹائی جا رہی تھیں۔

رات گئے یہ ہنگامہ ختم ہوا۔

"جا شیرے! یہ میٹھے چاول تو دے آ، چار پنج گھروں میں۔" خالہ نے بچ جانے والے چاول دیگ میں سے نکال کر

شیرے سے کہا تو وہ بدک گیا۔

"یہ میرا کام تھوڑی ہے؟ ان کُڑیوں کو بھیج دے۔"

"لے، اب مایوں بیٹھی زینو کو اُٹھا کے بھیج دوں؟ چل اُٹھ میرا پُتر۔" خالہ نے اسے پچکارا تھا۔

"پر اماں! چنگا تو نئیں لگتا کہ میں زنانیوں کی طرح دروازے کھڑکا کے چاول بانٹتا پھروں۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"چل، بلو کو لے جا اپنے ساتھ۔" خالہ نے تجویز پیش کی تو وہ کھل سا گیا۔ مگر ظاہر یوں کیا جیسے بڑی مجبوری ہو۔

"ایک تو جب تک یہ کام میں نے کر نہ لیا، تب تک تُو مجھے چین نئیں لینے دے گی۔" اس نے آگے بڑھ کے چاولوں کی بھری ٹرے اُٹھا لی۔

"خالہ! میں کیا کروں گی ساتھ جا کے؟" بلو کو اعتراض ہوا۔

"اب دروازہ کسی کُڑی نے کھولا تو تُو ہی گل کرے گی نا۔ میرا تو پتہ ہی ہے کہ میں کتنا حیا والا ہوں۔" وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

اماں کے گھورنے پر وہ مجبوراً اٹھی، کھسہ پاؤں میں اڑسا اور دوپٹے کا پلو سر پر ڈالتی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"خوامخواہ مجھے مصیبت ڈال دی۔ آپ نئیں آسکتا تھا؟" باہر نکلتے ہی اس نے لڑنا شروع کر دیا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا، تیرے ساتھ بات کرنے کو۔" وہ مزے سے بولا۔ چاند کی چاندنی میں نہایا اس کا روپ رات کی خوب صورتی کو ماند کر رہا تھا۔

وہ تلملا اُٹھی۔

"تیرا کر رہا تھا، میرا تو نئیں۔"

"تُو تو ہے ہی کملی۔" وہ ہنسا تھا۔

"ہنہ۔۔۔۔۔۔۔۔ اتنی تھک گئی تھی میں۔ دو گھڑی چین نئیں لینے دیا۔" اس کا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔

تین چار گھروں میں چاول دینے کے بعد تھوڑے سے چاول بچے تھے۔

"کتنا گھپ اندھیرا ہے اس گلی میں۔ رہن دے شیرے! اب واپس چلیں۔" وہ ڈر کے بولی۔

"او چل، اب اِک گھر رہ گیا ہے میرے یار کا۔ اُدھر تو دے لیں۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلی میں گھس گیا۔

وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"کتنا کمینہ ہے تُو شیرے!" وہ مجبوراً اُس کے بازو سے لگ کے چل رہی تھی۔

ٹرے خالی ہو گئی تو وہ واپس پلٹے تھے۔

"آج تُو بڑی سوہنی لگ رہی تھی۔" وہ لہجے میں محبت سموئے بولا تھا۔

خوشی اور تفاخر کی اک لہر بلو کے دل میں اُٹھی، مگر بظاہر وہ بڑے روکھے لہجے میں بولی۔ "پتہ ہے مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔"

"اور کیا یہ بھی پتہ ہے کہ میں تجھ سے کتنا پیار کرتا ہوں؟" وہ ایک دم بولا تو وہ جھنجلا اُٹھی۔ پھر پیر پٹختی ناگواری کے اظہار کے طور پر اس سے دو قدم آگے چلنے لگی۔

"بلو!۔۔۔۔۔۔۔۔ بلو!" علی شیر اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"دفع ہو جا۔" وہ خفا تھی۔

"اچھا سن تے سہی۔۔۔۔۔۔۔۔ بلو۔۔۔۔۔۔۔۔!" وہ اُسے منانے کے لئے آگے بڑھا۔

"اوئے۔۔۔۔۔۔۔۔ کنّے کنّے جانا ہے بلو دے گھر۔۔۔۔۔۔۔؟"

شیرا بے اختیار ٹھٹکا اور چہرہ موڑ کے دیکھنے لگا۔

دو بگڑے ہوئے بے فکرے مسٹنڈے ایک گیٹ کے گرد بنی منڈیر پر بیٹھے تھے۔انہی میں سے کوئی بولا تھا۔

"اوئے۔۔۔۔۔۔۔اسیں سارے جاواں گے یار!" انہوں نے شاید شیرے کی زبان سے بلو کا نام سن لیا تھا۔

بلو کا رنگ فق پڑ گیا۔اس نے شیرے کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا مگر وہ نہیں ہلا۔

"چل نا شیرے"!

"تُو چل۔۔۔۔۔۔۔میں آتا ہوں۔" اُس نے پرات بلو کو پکڑاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تو وہ اس کے تاثرات دیکھ کر سہمی ہوئی سی چل پڑی۔

وہ بے ہودگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔دوسرا فلمی ڈائیلاگ بولنے لگا۔علی شیر کی برداشت جواب دے گئی۔وہ پلک جھپکتے میں ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا۔

"بہت شوق ہے تمہیں بلو کے گھر جانے کا۔" وہ دانت پیستا ان پر پل پڑا تھا۔

بلو زرد پڑتی رنگت کے ساتھ تھر تھر کانپتی کھڑی شیرے کا غضب دیکھ رہی تھی۔

اس نے دونوں مسٹنڈوں کی خوب پٹائی کی تھی۔

"شیرے۔۔۔۔۔۔" وہ بڑی ہمت کر کے آگے بڑھی تھی۔"چل چھڈ۔۔۔۔۔۔دفع کر۔اس نے زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔

"ان کمینوں کی مائیں بہنیں نہیں ہیں کیا؟" اس نے ایک کی پسلی میں ٹھوکر لگائی اور دانت کچکچا کر بولا۔وہ اسے زبردستی کھینچ کھانچ کے چل ہی پڑی۔

"کتے۔۔۔۔۔۔۔کمینے لوگ۔" اس کی رنگت اشتعال سے سرخ پڑ گئی تھی۔

"خیر ہے اب۔۔۔۔۔۔۔ایسا بھی کیا کہہ دیا انہوں نے؟" بلو نے دبے دبے لہجے میں کہنا چاہا تو وہ اس پر اُلٹ پڑا۔

"بکواس نہ کر۔۔۔۔۔۔۔کوئی تیری طرف میلی آنکھ سے دیکھے تو اس کو اندھا کر دوں گا میں۔" اس کے لہجے اور انداز پر بلو ڈر سی گئی۔

"میں تو کہہ رہی تھی کہ۔۔۔۔۔۔۔" "کچھ بھی نہ کہہ۔۔۔۔۔۔۔مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔اور تجھے یوں سج بن کے نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ خوامخواہ اس پر ناراض ہونے لگا۔غصے سے اس کا برا حال تھا۔ان کو اچھی طرح مار لگانے کے بعد بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

"تو میں نے کہا تھا ان سے کہ مجھے چھیڑیں؟اور سارا قصور تیرا ہے۔تجھے کس نے کہا تھا کہ اتنا رولا ڈال میرے ناں کا؟" وہ بھی غصے میں آگئی۔

"بس آئندہ سے تُو گھر بیٹھا کر۔کوئی ضرورت نہیں،تجھے گھر سے نکلنے کی۔میں ساتھ تھا تو یہ ہو گیا۔اکیلی نکلتی ہو گی تو لوگ پتہ نئیں کیا کیا کہتے ہوں گے،کن نظروں سے دیکھتے ہوں گے۔" وہ ان دیکھے مناظر کو سوچ کر تلملا رہا تھا۔وہ تپ اُٹھی۔

"تو تجھے کیا تکلیف ہے؟میری مرضی،میں جہاں چاہے جائوں۔"

شیرے نے جھٹکے سے اس کا بازو پکڑا تھا۔

"دیکھ بلو!۔۔۔۔۔۔۔ تُو میری منگ ہے، عزت ہے میری، تجھے کوئی میلی آنکھ سے دیکھے تو جان نکال لوں اس کی۔ تجھ سے محبت کرتا ہوں، اس لئے تیری طرف اُٹھی میلی نظر بھی برداشت نہیں کرتا۔ ورنہ بے غیرت بن کے وہاں سے گزر بھی سکتا تھا۔"

وہ شعلوں کی سی لپک کے ساتھ گویا ہوا تو وہ سہم سی گئی۔ سارے راستے اس نے شیرے سے بات نہیں کی تھی۔

گھر آکے وہ کپڑے بدل کر زینو کے پاس لیٹ کر چپ چاپ اس کی باتیں سننے لگی۔ شیرے کا انداز اور لہجہ اسے رہ رہ کر یاد آرہا تھا۔

...☆☆☆...

"بڑی کمینی ہے۔۔۔۔۔۔۔ اتنے دن لگا دیئے ویاہ کھانے میں۔"

شادو ان کے آتے ہی چلی آئی تھی۔ وہ ابّے اور بڑے بھائی کو روٹی دے کر شادو کو اندر لے آئی۔

"ہائے، میرا دل تو بہت کر رہا تھا آنے کو، پر زینو کے جانے سے گھر خالی دیکھ کے وحشت ہوتی تھی۔" وہ خالص چڑانے والے انداز میں بولی۔ لہجے میں خاصی حسرت بھی سموئی۔

"تُو نہ اُڑتی ابھی بھی۔۔۔۔۔۔۔ پھر زینو نہ سہی، اس کا گبھرو جوان بھائی تو تھا گھر میں۔ اسی لئے تیرا جی لگ گیا تھا۔" شادو کو اپنی بے قدری پر سخت غصہ آیا۔ سو وہ بھی جان بوجھ کر بولی۔ بلو نے جھنجلا کر اس کے پراندے میں گندھی چٹیاں کھینچ لی۔

"ہائے۔۔۔۔۔۔۔ کمینی! چھوڑ پراندا۔"

"آگے کوئی بکواس کرنے کی ضرورت نئیں۔ چوٹی اُکھاڑ کے ہتھ میں پکڑا دوں گی۔" بلو کے تیور جارحانہ ہو گئے۔

"بڑی ڈھیٹ ہے تُو بلو! اللہ کرے شیرا تجھے چک کے لے جائے۔" شادو نے اپنی گُدّی سہلاتے ہوئے اُسے بددعا دی تھی۔

"وہ اتنا ہمت والا نئیں ہے۔" بلو نے تمسخر اُڑایا، پھر ایک دم چپ کر گئی۔ ذہن کے پردے پر مہندی کی رات والا سین پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہو گیا، جس پر وہ آگ برساتا چہرہ لئے ان دو لڑکوں پر قہر ڈھا رہا تھا۔ اس کی ہمت اور غضب کا نظارہ کئے ابھی زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے۔

"ابھی تیرا یہ حال ہے، آگے پتہ نئیں کیا کرے گی۔" شادو نے اسے گم صم پا کر شوخی سے کہا تو وہ گڑبڑا گئی۔ پھر فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔ شادو نے فوراً بات بدل ڈالی۔

"چل چھوڑ، یہ بتا کیسی لگ رہی تھی زینو؟ سچی، مجھے تپ نہ چڑھا ہوتا تو میں بھی ضرور جاتی۔ اتنی چنگی سہیلی ہے میری۔" شادو کے انداز میں تجسّس اور بے چینی پا کر بلو کا دھیان بھی پلٹ گیا۔

"رج کے روپ چڑھا تھا، زینو پر۔ پہلے ہی اتنی سوہنی تھی وہ، دُلہن بن کے تو شہزادی لگ رہی تھی۔"

وہ پوری تفصیل سے اسے شادی کے واقعات سنانے لگی۔ بیچ میں اس نے شیرے کی لڑائی والا قصہ خصوصاً سنایا تھا۔

"سچی شادو! اُس کا لال منہ دیکھ کے تو میرا دل کانپ کے رہ گیا تھا۔ اس نے ان دونوں کو اتنی مار لگائی کہ حد نئیں۔" وہ جھرجھری لے کے بولی۔

”ٹھیک کہتا ہے وہ۔۔۔۔۔۔۔۔ تُو اُس کی منگ ہے۔ چل اگر تُو نئیں مانتی تو عزت تو ہے نا۔ اُس کی خالہ کی دھی ہے، پھر مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ زنانی کی عزت کے پیچھے ساری دنیا سے ٹکر لینے والے۔ جو کان لپیٹ کے رہ جائے، وہ مرد نئیں کہلاتا۔“ شادو کافی متاثر ہو کر بولی تو بلو نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

”سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ زنانی پر کوئی آواز کسے تو یوں ہی بھڑکتے ہیں۔“

”نہ بلو!۔۔۔۔۔۔۔۔ سارے ایسے نئیں ہوتے۔“ شادو کے لہجے میں حسرت اُتر آئی۔ ”یاد ہے نا، پچھلے میلے میں جب کسی لفنگے نے جان بوجھ کر مجھے ٹکر ماری تھی۔ تب فیقا بھی ساتھ تھا۔ بھرا تو مرنے مارنے پر تیار ہو گیا، پر فیقے نے بات ہی ختم کر دی۔ کہہ رہا تھا۔

”رہن دے بھائی فضل! خوامخواہ لڑائی بڑھا رہا ہے۔ ان شُہدوں کا کام ہی یہ ہے۔ کس کس کو روکے گا؟“

میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا دیا تھا۔ کتنا دل چاہتا تھا، میرا گھر والا ہی صحیح مرد ہو۔ مرد بہادر ہو تو زنانی کو اس کے ساتھ چل کے کتنا سکون اور سُکھ ہوتا ہے۔ کتنا محفوظ سمجھتی ہے وہ خود کو۔ اور فیقے جیسا مرد ہو تو راہ چلتے ہوئے بھی دل میں خوف ہی پلتا رہتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں شکرے بہت ہیں، بلو! اور کُڑیاں تو معصوم چڑیوں جیسی ہوتی ہیں، ان کی حفاظت کے لئے سر کے سائیں کو باز جیسا ہونا چاہئے، جو میلی آنکھ کو اندھا کر کے رکھ دے۔“

وہ حیرت و بے یقینی سے بے حال شادو کا یہ حیران کن روپ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی شادو تھی، جو فیقے کی تعریفیں کرتے ہوئے نہیں تھکتی تھی۔ اس کی باتیں اِترا اِترا کر بتایا کرتی تھی۔ شادو کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

”اور وہ جو تُو ہر وقت اس کی تعریفیں کرتی رہتی تھی؟“ بلو بہ مشکل بولی۔

”تو اور کیا کروں؟ میرے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے۔ اور دل مار کے زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے بلو! اگر چنگا مرد

مل جائے تو عورت کی زندگی سنور جاتی ہے۔ اگر نہ ملے تو ساری عمر کا رونا ہو جاتا ہے۔ حسرتیں دل میں پل پل کے سرطان بن جاتی ہیں۔ جس کے دل میں خود خوف ہو، اس کی زنانی رات کو سکون سے کیسے سو سکتی ہے؟ سچی بلو! مجھے لگتا ہے کہ میرا سر ننگا ہے۔ کوئی شیرے جیسا ہوتا تو میں خود کو کتنا محفوظ سمجھتی۔“

وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بول رہی تھی۔ بلو کی سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آ رہی تھیں۔

”جھلّی ہو گئی ہے، شادو! تُو۔۔۔۔۔ کوئی اور تو پسند نئیں آ گیا تجھے، جو فیقے میں کیڑے نکال رہی ہے؟“ وہ ایک ہی نتیجے پر پہنچ پائی تھی، سو گھبرا کر بولی۔

”جھلّی نئیں، سیانی ہو گئی ہوں۔ میرے بھائی فضل کو دیکھ۔ کوئی آنکھ چُک کے میرے یا بھرجائی کو دیکھے تو وہ اسے چیر پھاڑ کے رکھ دے۔ اور فیقے میں تو یہ گل ہی نئیں۔ بندے میں کچھ تو غیرت ہونی چاہئے۔ وہ تو نرا بے غیرت ہے۔ چاہے اس کے سامنے مجھے کوئی چھیڑ کے رکھ جائے، اس پر ذرا اثر نئیں۔ وہ کہتا ہے، بے غیرت اور آوارہ بندوں کا کام ہی یہی ہے۔ کوئی اس سے یہ پچھے کہ غیرت والوں کا کیا کام ہوتا ہے؟“

وہ خاصی برگشتہ ہو رہی تھی، فیقے کی روش سے۔

”گل کو تو کدھر سے کدھر لے گئی ہے۔ دنیا کے سارے مرد اک جیسے نئیں ہوتے۔“ بلو اُکتا کر بولی تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

”تُو نئیں سمجھے گی بلو! تجھے ابھی احساس ہی نئیں ہے۔ ساتھ چلتا مرد اگر عزت کی خاطر دوسرے کے ٹوٹے کر دینے والا ہو تو عورت بہت محفوظ ہوتی ہے۔ ورنہ زنانی کو بازار میں سجانے والے تو ہزاروں ہیں بلو“!

شادو تھکے تھکے سے لہجے میں بولی۔ اس کا لہجہ اور باتیں بلو کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

”اچھا اب چھوڑ ان باتوں کو۔ چل ذرا رانو کی طرف چلتے ہیں۔ کتنے دنوں سے اسے تپ چڑھا ہوا ہے۔ اماں سے میں

نے پُچھ لیا ہے۔" بلو فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چل اب۔"

اس نے اسی انداز میں بیٹھی شادو کا بازو ہلاتے ہوئے جھنجلا کر کہا تو وہ گہری سانس لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

کافی دیر وہ رانو کے پاس بیٹھی رہیں۔آتی دفعہ شادو اپنی گلی میں گھس گئی۔اس کا گھر بلو کے گھر کی سائیڈ پر تھا۔

وہ شام پڑنے کے خوف سے جلدی جلدی قدم اُٹھا رہی تھی کہ ایک آواز نے اس کے قدم ٹھٹکا دیئے۔

"کیا آپ مجھے ملک کریم بخش کے گھر کا پتہ بتا سکتی ہیں؟"

اس نے مڑ کر پوچھنے والے کو انتہائی استعجاب سے دیکھا۔اونچا لمبا، پینٹ شرٹ میں ملبوس شہری مرد، ہاتھ میں وزنی سا بیگ اٹھائے کھڑا تھا۔

"ملک کریم بخش۔۔۔۔۔۔۔ حویلی ہے ان کی۔" وہ اس کے ٹھٹکنے اور جواب نہ دینے پر اسے سمجھانے والے انداز میں دوبارہ بولا تو وہ سنبھلی۔

"اتنا مشکل تو نئیں حویلی کا پتہ۔ہر اک کو معلوم ہے۔کسی بھی گھر کی کنڈی کھڑکا کے پُچھ لو۔" وہ بڑی رُکھائی سے جواب دے کر آگے بڑھی اور گھر میں داخل ہو گئی۔

عثمان ملک کتنی ہی دیر تک اسی زاویے سے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔اُسے امید نہیں تھی کہ ہرنی جیسی لڑکی اتنی رُکھائی سے بات کرے گی۔پھر وہ شانے اُچکا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی اس چمک دار آنکھوں والی لڑکی کے کہنے کے مطابق ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

...☆☆☆...

اماں محلے کے "سروے" کے لئے نکلی ہوئی تھی۔بلو کے لئے وہ اپنی چادر کڑھائی کرنے کے لئے رکھ گئی تھی

تاکہ فرصت پا کر وہ شادو کی طرف نہ نکل جائے۔وہ کوفت زدہ وبے زار سی چادر لے کر بیٹھ گئی۔

"آپ چاہے سارا دن اپنی "سہیلیوں" میں گزار دے، اسے پتہ نئیں چلتا، میری باری فٹافٹ دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔

اس کی بڑبڑاہٹ جاری تھی، جب بیرونی دروازے کی کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔وہ اُلجھے ریشمی دھاگے کو سلجھاتی ہوئی بے زار سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی اِک مصیبت تھوڑی ہے بلو کے لئے۔۔۔۔۔۔۔اس وقت پتہ نئیں کون آگیا۔"

"کون ہے۔۔۔۔۔۔۔؟" آواز میں زمانے بھر کی بے زاری سمو کر اونچے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"میں ہوں۔۔۔۔۔۔۔ علی شیر۔"

اس نے گہری سانس لے کر کنڈی ہٹائی تھی اور شیرے کے اندر آنے سے پہلے ہی پلٹ گئی۔

"خالہ کدھر ہے؟" وہ کمرے کے دروازے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"محلے میں کہیں گئی ہیں۔" وہ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہوئے یوں بولی، جیسے کہہ رہی ہو کہ اب جائو۔

مگر وہ گیا نہیں، آگے بڑھ کے اس نے موڑھا گھسیٹا اور اس کے پلنگ کے قریب بیٹھ گیا۔

"کبھی دو گھڑی ڈھنگ سے بات کر لیا کر میرے ساتھ۔" وہ قدرے توقف کے بعد شاکی لہجے میں بولا تو بلو کے ہاتھ وہیں ساکت ہو گئے۔پھر اس نے تیکھی نظروں سے شیرے کو دیکھا۔

"مجھے کیا بات کرنی ہے تیرے ساتھ؟"

"جتنے نخرے تیرے میں برداشت کرتا ہوں، اور کوئی نہ کرتا۔" وہ اس کی سرکشی جانچتے ہوئے بولا تو وہ سلگ اُٹھی۔

"ہنہ۔۔۔۔۔۔۔ تُو نہ کیا کر۔۔۔۔۔۔۔اور یہ نخرے کس بات کو کہہ رہا ہے تُو؟"

"نخرے ہی تو ہیں۔ کبھی کسی کُڑی نے اپنے منگیتر سے یوں گل نئیں کی ہو گی، جیسے تُو کرتی ہے۔ کاٹ کھانے والے انداز میں۔"

وہ لگ رہا تھا کہ غصے میں ہے۔ مگر اس کا انداز بلو کو غصہ دلا رہا تھا۔ وہ غصے سے بولی۔

"یونہی فضول باتیں نہ کر میرے ساتھ۔ فیر کہے گا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔"

"چل مٹی ڈال اس بات پر۔۔۔۔۔۔۔" شیرے نے فوراً مصالحت آمیز انداز اپنایا اور ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ میں شہر سے تیرے لئے لایا ہوں۔"

بلو نے شاپر پکڑنے کے لئے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا، تیز لہجے میں بولی۔

"کیا ہے یہ۔۔۔۔۔۔۔؟"

"خود دیکھ لے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

وہ گہری سانس لے کر شاپر کے اندر جھانکنے لگی۔ چوڑیوں کے خوب صورت دمکتے ہوئے سیٹ، پازیبیں اور چمکتے ہوئے جھمکے۔

"یہ سب کیا اُٹھا لایا ہے؟ اور میں یہ کیوں لوں گی؟" وہ ناک چڑھا کے رُکھائی سے کہہ رہی تھی۔ شیرے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، اسے غصہ آ گیا تھا۔

"کیوں۔۔۔۔۔۔۔ تُو کیوں نئیں لے گی؟" وہ تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

بلو نے استہزائیہ انداز میں اُس کی لائی ہوئی چیزوں کو دیکھا۔

"یہ دس دس روپوں کی چیزیں لا کے تُو میرا دل نئیں جیت سکتا۔"

ایک بم تھا، جو اس کے قرب وجوار میں کہیں پھٹ پڑا تھا۔ چند لمحوں تک تو وہ کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔

"یہ۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا کہہ رہی ہے تُو بلو۔۔۔۔۔۔۔؟"

حیرت تھی کہ ختم ہی ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ وہ اس سے چڑتی ہے، اس سے لڑتی ہے تو یہ بھی اس کی اک ادا ہے۔ پر وہ تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔

"دیکھ شیرے! آج صاف صاف کہے دیتی ہوں۔ تُو جو خواب دیکھ رہا ہے، وہ چھوڑ دے۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے آج تک نہ تو خود کو تیری منگ سمجھا ہے اور نہ ہی تُو مجھے اپنی منگ سمجھ۔" وہ بہت بے دردی سے کہہ رہی تھی اور وہ ششدر سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"میرے بھی کچھ خواب ہیں، خیالات ہیں، خواہشیں ہیں۔ اِک غریب کے گھر سے اُٹھ کے میں دُوجے غریب کے گھر نئیں جانا چاہتی۔ ذرا ذرا سی شے کے لئے ترسنا، اپنے من کو مار کے گزارا کرنا، یہ سب میرے سے نئیں ہوتا۔ تجھے اس لئے پہلے ہی بتا رہی ہوں کہ اپنا کوئی اور بندوبست کر لے۔" وہ بڑی صفائی سے ہر بات کہہ گئی۔ شیرے کی خاموشی اُسے شہ دے رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئی تو جیسے فضا تھم گئی۔ شیرے کے دل و دماغ میں جیسے قہر اُٹھا۔ اس نے اُٹھا کے بلو کے رخسار پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا تھا۔ دماغ ایک دم صاف سلیٹ ہو گیا۔ اسے شیرے سے اس اقدام کی قطعی توقع نہیں تھی۔

"جو ہوا، سو ہوا۔ دُوجی بار میں نے تیرے منہ سے یہ باتیں سنیں تو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔" وہ غراہٹ آمیز لہجے میں دھمکاتا، دھپ دھپ کرتا چلا گیا۔

وہ ایک دم ہوش میں آئی تھی۔

"کتا۔۔۔۔۔۔۔ کمینہ۔۔۔۔۔۔۔ ذلیل۔۔۔۔۔۔۔"

اس نے چہرہ سہلاتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔ جی چاہ رہا تھا کہ شیرے کو مار ڈالے۔

...☆☆☆...

شیرا اس روز کے بعد سے نہیں آیا تھا۔اماں کئی بار تشویش کا اظہار کر چکی تھی۔ بلو کے اندر تو شیرے کا نام سنتے ہی آگ لگ جاتی تھی۔ مگر وہ کچھ بولتی نہیں تھی۔اس نے اماں کے کانوں میں اس واقعے کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔

اماں نے اس کا صبح سویرے شادو وغیرہ کے ساتھ جا کر پانی لانا بند کر دیا تھا۔ بلو نے بہت احتجاج کیا تو اس نے صاف کہہ دیا۔

"تُو وہاں باتیں کرنے بیٹھ جاتی ہیں، یہاں تیرا ابو اور بھائی بھوکے بیٹھے رہتے ہیں۔روٹی ٹکر پا کے پھر جایا کر۔"

اور وہ دل مسوس کے رہ گئی۔ ہر گل میں اماں اپنی ہی مرضی کرتی ہے۔

اور آج اسی پابندی کے نتیجے میں وہ اکیلی پانی بھرنے آئی تھی۔ شادو، پینو اور رانو تو سویرے ہی پانی لے گئی ہوں گی۔اُس کے دل میں ہوک سی اُٹھی تھی۔

اچانک روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا تو وہ گھڑا چھوڑ کے سیدھی ہو گئی۔

کالی پینٹ اور ٹی شرٹ میں اس روز والا نوجوان ہاتھوں میں کیمرہ لئے مسکرا رہا تھا۔ بلو نے تیوریاں چڑھا لیں۔

"میری تصویر لی ہے تُو نے؟"

"ہاں لی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تو بلو تپ گئی۔

"کیوں؟۔۔۔۔۔۔۔ تجھے کیا تکلیف ہو رہی تھی؟ شرم نئیں آئی، غیر کُڑی کی فوٹو لیتے ہوئے۔"

وہ کیمرے میں سے تصویر نکال کر اُنگلی اور انگوٹھے کے درمیان دبائے لہرا کر خشک کر رہا تھا۔

"میں تو پانی کی تصویر لے رہا تھا۔ تیرا اپنا قصور ہے تو خود ہی درمیان میں آ گئی۔" وہ بڑی بے تکلفی سے اسی

کے لہجے میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہنہ۔۔۔۔۔۔۔" وہ سر جھٹک کر بیٹھی اور گھڑے میں شفاف پانی بھرنے لگی۔ وہ دلچسپی سے اس کی مصروفیت دیکھ رہا تھا اس کا مکھن ملائی جیسا روپ اسے بہت متاثر کر رہا تھا۔ چہرے پر معصومیت کی گہری چھاپ اور شفاف آنکھیں۔ اگر اس کا لباس مغربی ہوتا تو وہ پوری انگریز لگتی۔ کیونکہ اس کے بالوں کا رنگ تانبے جیسا تھا۔ پہلی بار کوئی بھی اجنبی بلو کو دیکھتا تو ٹھٹک جاتا۔ مگر پھر اماں کو دیکھ کے ان کی حیرت دور ہو جاتی۔ اماں کشمیری خاندان سے تھی۔ سرخ و سفید رنگت اور شربتی آنکھیں۔ بلو نے آدھا حُسن اماں سے اور باقی قسمت سے پایا تھا۔

"یہ لے۔۔۔۔۔۔۔ تیری تصویر۔۔۔۔۔۔۔"

وہ پانی کا گھڑا بغل میں دبائے تیزی سے اس کے پاس سے گزرنے لگی تھی، جب اس نوجوان نے تصویر اس کی طرف بڑھائی۔ وہ مجبوراً رک گئی۔

"یہ۔۔۔۔۔۔۔ اتنی جلدی کیسے آ گئی؟"

اس نے تو کبھی نہیں دیکھا تھا کہ اتنی جلدی تصویر مل جاتی ہے۔

"یہ پولورائیڈ کیمرہ ہے۔ایک سیکنڈ میں تصویر نکل آتی ہے۔اور دیکھو کتنی خوب صورت آتی ہے۔" وہ وضاحت کرنے کے بعد مسکرا کر بولا تو وہ تجسّس آمیز انداز میں تصویر لے کر دیکھنے لگی۔

"ہا۔۔۔۔۔۔۔" وہ حیران ہوئی تھی۔ "یہ میں ہوں۔۔۔۔۔۔۔؟" جھک کر گھڑے کو پانی میں ڈبوتی وہ واقعی بہت خوب صورت تصویر تھی۔

"مانتی ہو نا؟۔۔۔۔۔۔۔ بڑا بہترین فوٹو گرافر ہوں۔ بہت سی لڑکیوں کو میں نے عزت، شہرت اور دولت دلوائی ہے۔" وہ تفاخر سے کالر کھڑ کھڑاتے ہوئے بولا تو بلو کے کان کھڑے ہو گئے۔

"وہ کیسے۔۔۔۔۔۔۔۔؟"

ایسے کہ میں ان کی اتنی خوب صورت تصویریں بناتاہوں کہ وہ راتوں رات مشہور ہو جاتی ہیں۔" وہ آسان الفاظ میں اسے بتارہاتھا۔ بلّو متاثر ہو گئی۔ حالانکہ اسے سمجھ بالکل نہیں آئی تھی کہ کیسے مشہور ہو جاتی ہیں وہ لڑکیاں۔اس کی سُوئی تو ایک ہی جگہ اٹک گئی تھی۔

عزت بھی ملتی ہے، شہرت بھی اور۔۔۔۔۔۔۔اور دولت بھی۔ پر اپنا، بڑا بھائی اور اماں۔۔۔۔۔۔۔اُس کے ذہن میں خطرے کا سگنل بجاتو وہ جلدی سے چل دی۔ وہ پیچھے سے اسے پکارتا ہی رہ گیا، مگر بلّو نے مڑ کے نہیں دیکھا۔

سارادن اس کے دماغ میں اس شخص کی باتیں گونجتی رہیں۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس کا نام کیوں نہیں پوچھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ ملکوں کا مہمان تھا۔

رات کو سب کے سونے کے بعد بلّو نے ٹرنک میں کپڑوں کے نیچے رکھی تصویر نکال کے جی بھر کے دیکھی تھی۔

تصویریں تو اس نے بھی ایک دفعہ بنوائی تھیں، مگر اتنی خوب صورت اور اُجلی رنگوں سے سجی نہیں ہوئی تھیں وہ۔

"کبھی مجھے بھی وہ مشہور اور دولت مند بنادے۔" اس نے حسرت سے خواہش کی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اسے دوبارہ نہ ملتا تو اس کا یہ نیا دماغی خلل ختم ہو جاتا۔ مگر اب اس شخص نے روزانہ اسی وقت ٹیوب ویل پر آنا شروع کر دیا، جب بلّو پانی بھرنے جاتی تھی۔ اب وہ اس سے باتیں بھی کرنے لگا تھا۔

"بلّو! یہ تیرا کام نہیں ہے۔ تُو تو پری ہے، جو پرستان کا رستہ بھول کے ادھر آنکلی ہے۔ دفع کر اس گندی زندگی کو۔ میرے ساتھ چل، راتوں رات رانی بنادوں گا۔"

وہ اُسے شیطان کی طرح بہکاتا رہتا تھا۔ قطرہ قطرہ پانی مسلسل پتھر پر گرتا رہے تو اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ یہ تو پھر بھی بلّو کا باغی اور بے ایمان سادل تھا، کیوں نہ بہکتا۔

عثمان ملک نے اس کی ڈھیروں تصویریں اُتاری تھیں۔ کھیتوں میں چلتے پھرتے، دوڑتے ہوئے وہ ہرنی لگتی تھی۔

اب بھی وہ شلوار کے پائنچے تھوڑے سے اوپر اُٹھائے پانی کے حوض کی منڈیر پر پانی میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ عثمان ملک اس کی تصویریں بنا رہا تھا۔

"اب بس کرو۔" وہ بڑے اتراہٹ آمیز لہجے میں بولی تو اس کے قریب آبیٹھا۔

"قسم سے بلّو! تجھ جیسا حُسن تو میں نے آج تک تصویروں میں قید نہیں کیا۔ تُو تو قیامت ہے۔" وہ اُس کے سر سے پائوں تک نگاہ ڈال کے بولا تو وہ سرخ ہو گئی۔

"خیر، اب ایسی بھی گل نئیں۔" اس نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"تُو نہیں جانتی، کیا شے تیرا انتظار کر رہی ہے۔" "کیا؟" اس نے قاتلانہ انداز میں آنکھیں اٹھائیں۔ اتنے دنوں کی شناسائی رنگ لا رہی تھی۔ حجاب وحیا کے پردے سمٹتے جا رہے تھے۔ وہ اپنی بے وقوفی و سادگی کی وجہ سے عثمان ملک جیسے دلال کے ہاتھوں کھلونا بننے والی تھی۔ اس کا کام ہی یہ تھا۔ خود کو کسی مشہور ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا فوٹو گرافر ظاہر کر کے اس نے کئی معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر بے غیرتی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شروع میں وہ انہیں بہت خوب صورت خواب دکھاتا۔ عزت، شہرت اور دولت، راتوں رات مشہور ہونا ہر بے وقوف لڑکی کا خواب ہوتا تھا۔ مگر جب انہیں راتوں رات مشہور ہونے کا اصل "تجربہ" ہوا تو اس کے بعد یا تو وہ زندگی کی قید سے رہائی پا گئیں یا کسی کوٹھے کی زینت بن گئیں۔

"تُو قیامت مچادے گی۔" عثمان ملک نے بڑی نرمی اور بے تکلفی سے اس کا ملائم سا ہاتھ سہلایا تھا۔ پہلے پہل بلّو کو اس

کی یہ بے تکلفی اچھی نہیں لگتی تھی، مگر اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ عثمان ملک اس کے لئے سیڑھی کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ آوارہ نہیں تھی، اس کی سوچوں میں پاکیزگی تھی۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ عثمان ملک اس سے سچی محبت کرتا ہے۔ کئی بار باتوں باتوں میں وہ ایسا اشارہ دے بھی جاتا تھا۔

"ساری عمر تجھے پلکوں پہ بٹھا کے رکھوں گا۔ تجھ سے تو میرا گھر روشن ہو جائے گا، بلو"!

"اور۔۔۔۔۔۔۔ تُو اپنے گھر والوں کو کب؟" وہ اٹکی۔ وہ چاہتی تھی کہ عثمان ملک اب اسے بیاہ کر لے جائے تا کہ وہ کھل کر اپنی خواہشیں پوری کرے۔

"میں تو کر ہی لوں گا۔ تُو بتا، اب تجھے کیا کرنا ہے؟ کیسے چلے گی شہر میرے ساتھ؟" وہ سنبھل کر بات بدل گیا۔

"شہر۔۔۔۔۔۔۔" وہ دھک سے رہ گئی۔ "یہاں نئیں فوٹو کھینچ سکتے؟"

"نہیں۔۔۔۔۔۔۔ سب سے پہلے تو تجھے بیوٹی پارلر لے کر جانا ہو گا۔ اس کے بعد تیرے کپڑے، جوتے، زیور سب کچھ خریدنا پڑے گا، تیری مرضی اور پسند سے۔ اس کے بعد فوٹو کھینچی جائے گی۔"

"وہاں کیا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔ بی ٹی پالر میں؟" وہ ہونق سی بولی تو عثمان ملک نے بے ساختہ قہقہہ لگا کر اس کے شانے پر بازو پھیلا لیا۔ وہ سمٹ کر پرے ہٹی تھی۔

"وہاں پر تیرا میک اپ ہو گا۔ تیری خوب صورتی کو اور سنوارا جائے گا۔ یوں سمجھ لے کہ ابھی تُو چنگاری ہے، پھر شعلہ بن جائے گی۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا تو بلو پر سرشاری سی چھانے لگی۔ اِک کیف و سرور نے پورے وجود کا گھیراؤ کر لیا

"تو سب مجھے کیسے پہچانیں گے؟" اسے فکر لگی۔

"ٹی وی پر دیکھیں گے تجھے تو سب پہچان لیں گے۔" وہ اس کے شوق کو اور بھڑکا رہا تھا۔

...☆☆☆...

سارا دن وہ انہی خیالوں میں کھوئی رہتی اور راتوں کو خواب میں خود کو رانی بنا دیکھتی۔ سہیلیوں سے اب وہ کترانے لگی تھی۔ وہ شادو، جس کے بغیر وہ دوسرا سانس نہیں لیتی تھی، اب کبھی خود بھی بلانے آتی تو وہ نہیں جاتی تھی۔ اماں خوش تھی کہ دھی سدھر گئی ہے۔ مگر دھی اپنی سادگی اور بے وقوفی کے ہاتھوں جس طرح برباد ہونے والی تھی، اس کی خبر اماں کو نہیں تھی۔

"تُو کس گل کا انتظار کر رہا ہے؟ جب شیرا مجھے بیاہ کر لے جائے گا، تب تو بس ہاتھ ملنا بیٹھ کے۔"

وہ روز روز کی ملاقاتوں سے تنگ آ کے بولی۔

عثمان ملک نے اس کی چوٹی ہاتھ پر لپیٹی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"تیری قسم، اب اور انتظار تو میرے سے بھی نہیں ہوتا۔ دن رات تیری کشش کھینچتی رہتی ہے مجھے۔ اور کسی شیرے کی کیا مجال، جو تجھے بری نظر سے دیکھ بھی لے۔ میں اُسے

زندہ نہ گاڑ دوں؟"

اپنے "مرد" کی بہادری پر بلو کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ اسے شادو کی باتیں یاد آنے لگیں۔ "مرد کو بہت بہادر ہونا چاہئے تا کہ عورت تحفظ محسوس کرے۔"

"اور میں۔۔۔۔۔۔۔ بھی تو تجھے ہی چاہتی ہوں۔" وہ نظریں جھکا کے بولی تھی۔ عثمان ملک کا دل پہلو میں پھڑپھڑا کے رہ گیا۔ وہ اس کے چہرے کے قریب ہو کر معنی خیزی سے بولا۔

"اس لئے تو کہتا ہوں کہ ان چھوٹی چھوٹی ملاقاتوں سے دل نہیں بھرتا۔ رات کو حویلی آ جایا کر۔"

"میں تو آ جاؤں، پر اماں میرے ٹوٹے کر دے گی۔ وہاں میری کوئی سہیلی بھی تو نئیں کہ اس سے ملنے کا بہانہ کر

کے ہی آجائوں۔"

محبوب کا بے قرار لہجہ بلو کو عجیب سا قرار دے گیا تھا۔ عثمان ملک کی نظروں اور الفاظ وخیالات کی گندگی اور غلاظت کا احساس کئے بغیر وہ بے چارگی سے بولی تھی۔

"یہ محبت تو نہ ہوئی نا۔ مجھے دیکھو، صرف تیرے لئے یہاں پڑا ہوا ہوں۔ ورنہ تو میرا اب یہاں کوئی کام نہیں۔" وہ ناراض ہوا تو بلو کی جان پر بن آئی۔

"کل سے میں بہت دیر کے لئے آئوں گی۔" عثمان ملک کو منانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ خائف سی ہونے لگی۔

"اگر وعدہ خلافی کی، تو۔۔۔۔۔۔۔؟" وہ اس کی طرف جھکا۔ اس کی گرم گرم سانسیں بلو کے چہرے سے ٹکرائیں، اس کی کسی جسارت سے پہلے ہی وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔

"میں چلتی ہوں اب۔۔۔۔۔۔۔ بڑی دیر ہوگئی ہے۔" اس کی رنگت شہابی ہو رہی تھی۔

وہ گھر پہنچی تو شیرے کو اماں کے پاس بیٹھا دیکھ کے اس کا دل کوفت و بے زاری سے بھر گیا۔

"یہ ٹیم ہے تیرا گھر آنے کا؟۔۔۔۔۔۔۔ دو گھنٹے ہوگئے ہیں تجھے، ایک گھڑا بھرنے گئے ہوئے۔" اماں اسے دیکھتے ہی برسنے لگی تھی۔ اتنی بہادر اور نڈر تو تھی نہیں۔ ویسے ہی دل میں چور تھا، اس لئے وہ بوکھلا گئی۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔ میں اماں!۔۔۔۔۔۔۔ راستے میں ماسی زینب۔۔۔۔۔۔۔ ہاں وہ مل گئی تھی۔ تجھے تو پتہ ہی ہے کہ وہ کتنی باتیں کرتی ہے۔ بس اس نے ہی دیر کرادی۔" وہ تیز تیز بولتی دھڑکتے دل کو سنبھالتی آگے بڑھ کے گھڑا رکھنے لگی۔

"تجھے تو ویسے ہی شوق ہے لمبی لمبی باتیں کرنے کا۔ پہلے سہیلیوں کا پیچھا مشکل سے چھوڑا اور اب راہ میں چلتے لوگوں کے ساتھ پینگیں بڑھانی شروع کر دی ہیں۔"

"اماں ایک بار شروع ہو چکی تھی۔ قریب تھا کہ اس کی تقریر زور پکڑتی، شیرے نے اسے ٹوک دیا۔

"چل چھوڑ خالہ!۔۔۔۔۔۔۔ اب کوئی مل جائے تو بات کئے بغیر تو نہیں چل دیتے۔ خیر ای اے۔"

اگر ویسے کبھی شیرا یوں اس کی حمایت میں بول کے اسے اماں کے جلال سے بچاتا تو وہ اس کی بہت مشکور ہوتی۔ مگر اب تو دل میں طوفان سا مچ گیا تھا۔ وہ تیزی سے سامنے آئی۔

"تیرا کوئی مطلب نئیں، ہماری گل میں بولنے کا۔ تجھے کیا، اماں مجھے جو مرضی کہے۔"

وہ بھونچکا رہ گیا۔ اماں کو اس کی اس قدر بدتمیزی اور بدتہذیبی پر شدید غصہ آیا۔ اس نے اُٹھ کر بلو کو دو چار ہاتھ جڑ دیئے۔

"کمینی!۔۔۔۔۔۔۔ شُہدی۔۔۔۔۔۔۔ گل کرنے کی تمیز نئیں تجھے۔"

"ہاں، ہاں۔۔۔۔۔۔۔ نئیں تمیز مجھے گل کرنے کی۔ یہ کون ہوتا ہے ہمارے گھر کے معاملات میں بولنے والا؟"

وہ بولتے ہوئے غرّائی تھی۔ اس کا اشتعال شیرے کے اندر پچھتاوے کی لہر دوڑا گیا۔ اس دن اپنی حرکت پر بعد میں اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہا تھا۔ اماں نے اس کی چٹیا پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"حرام خور!۔۔۔۔۔۔۔ بے غیرت!۔۔۔۔۔۔۔ بدزبانی کرتی ہے میرے سامنے؟"

شیرے نے تیزی سے اُٹھ کر اماں کے ہاتھوں اس کی چٹیاں آزاد کرانی چاہی، مگر وہ اور بھڑک اُٹھی۔

"رہن دے۔۔۔۔۔۔۔ آگ تو لگا لی ہے، اب تماشا بھی دیکھ لے۔ خبردار! جو ہمارے درمیان آیا۔ تُو کچھ نئیں لگتا میرا۔"

"تُو ہوتی کون ہے اسے خبردار کہنے والی؟ تجھے تو میں زمین میں گاڑ کے رکھ دوں گی۔" اماں کو تو گویا کسی نے جلتے توے پر بٹھا دیا تھا۔ اس کے ہاتھ بے دردی سے بلو کے جسم پر پڑ رہے تھے۔ شیرے سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"خالہ! بس کراب۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو جھلی ہو گئی ہے۔ تُو تو سیانی ہے۔" اس نے زبردستی اماں کو پکڑ کر پیچھے کیا تھا۔

"اس کا پاگل پن تو میں نکالتی ہوں۔ آلینے دے اس کے ابّے کو۔ ہڈیوں کا سُرمہ نہ بنوادیا تو کہنا۔ جی کرتا ہے پھانسی لگا دوں اسے۔" اماں کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ دانت پیس کر بولی تو بلو چیخی۔

"چاہے زمین سے دو گز اوپر لٹکوا دے، چاہے دو گز نیچے دبوا دے۔ میں کبھی شیرے سے ویاہ نہیں کروں گی۔"

وہ پیر پٹختی دوڑ کے کمرے میں گھسی اور اندر سے کنڈی لگا لی۔

"اللہ کرے موت آجائے تجھے بلو!۔۔۔۔۔۔۔ ستیاناس ہو تیرا۔۔۔۔۔۔۔ پیدا ہوتے ہی تُو کیوں نئیں مر گئی؟ آ لینے دے فضلو کو۔ تیری زبان نہ کٹوادی تو فیر کہنا۔"

اماں کی گالیاں اور کوسنے جاری تھے۔ شیرا بہت بوجھل دل لئے اٹھا تھا۔

"خالہ! میں جارہا ہوں۔" وہ سر جھکائے دروازے سے باہر نکل آیا۔

اس کے دل میں عجیب سا خالی پن پیدا ہو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ بلو دولت کی بھوکی ہے۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی شرم و جھجک کے مارے اس سے کتراتی ہے، بات نہیں کرتی۔ مگر بلو کے الفاظ تو اس کے دل میں تیروں کی طرح گڑ کے رہ گئے تھے۔ اس کا دن رات کا سکون تلپٹ ہو گیا تھا۔ اس نے بچپن سے لے کر اب تک بلو کو اپنی ملکیت سمجھا تھا، اسی سے محبت کی تھی۔ مگر اب بلو کے خیالات و اطوار نے اسے شیرے کی نظروں میں بہت چھوٹا کر دیا تھا۔ وہ بلو کو گائوں کی تمام لڑکیوں سے علیحدہ سمجھتا تھا، مگر وہ تو ان سے کچھ زیادہ ہی "الگ" نکلی تھی۔ وہ ٹھوکروں سے پتھر اُڑاتا جبڑے بھینچے اُلٹی سیدھی سوچوں میں غرق ملکوں کی حویلی کی طرف مڑ گیا۔

...☆☆☆...

اماں نے نہ صرف رات کو ابّے اور بڑے بھیا سے اس کی شکایت لگائی تھی، بلکہ فضل نے تو اس کے دو چار ہاتھ

بھی جڑے تھے۔ ابّے نے بھی حسبِ توفیق اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس سارے عرصے میں بلو کے دل میں شیرے کے خلاف صرف اور صرف نفرت ہی بڑھی تھی۔ اس کی سوچوں میں زہر گھل گیا۔

وہ چارپائی پر چت لیٹی آسمان پر سجے ستاروں کو گھور رہی تھی۔

"اس گھر میں میری کسی کو ضرورت نئیں۔ میں نے بہت سوچا تھا۔ گھر سے نکل کے میں ابّے اور بھیا کا سر نیچا نئیں کرنا چاہتی تھی۔ پر انہوں نے آپ مجھے مجبور کیا ہے۔ جب سوہنے رب نے میرے لئے دولت لکھی ہے، فیر میں کیوں ایسے گُھٹ گُھٹ کے زندگی گزاروں؟"

اُس کی سوچیں باغی ہو رہی تھیں۔ وہ جتنا سوچ رہی تھی، اتنا ہی اس کا عثمان ملک کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اس جہنم سے نکل جانے کا ارادہ زور پکڑ رہا تھا۔

اگلے روز ناشتہ بنانے کے بعد وہ چپ چاپ گھڑا اُٹھا کے دروازے کی طرف بڑھی تو اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب کچھ دنوں تک تو وہ کام کاج کو ہاتھ

بھی نہیں لگائے گی۔ پر بلو کی خاموشی نے اماں کو پُرسکون کر دیا۔

"اب آئی ہے اس کی عقل ٹھکانے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے بھوری کو چارہ ڈالنے کے لئے پچھواڑے کی طرف بڑھ گئی۔

عثمان ملک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا اُس کی راہ تک رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بڑی بے قراری سے اس کی طرف بڑھا۔

"اتنی دیر کر دی۔ میں کتنی دیر سے یہاں گرمی میں سڑ رہا ہوں۔"

وہ محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی، گھڑا زمین پر رکھ کے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"بس، ذرا سی دیر ہو گئی۔" وہ مسکرائی۔

"نہ کیا کر بلو! مجھے آزمانے والی حرکتیں۔ کسی دن میرا دل ہی نہ رک جائے۔" وہ بڑے جذباتی انداز میں بولا تو رات سے جلتے بلو کے دل کو جیسے کسی نے ٹھنڈے میٹھے پانی میں بھگو دیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بے اختیار سر عثمان ملک کے شانے پر رکھا تھا۔

"تُو مجھ سے بہت محبت کرتا ہے نا۔۔۔۔۔۔۔؟"

بلو کی از خود رفتگی اور اس قربت پر عثمان ملک کھل اُٹھا۔ اس نے فوراً اُس کے گرد بازو کا گھیرا ڈال کے اسے خود سے قریب کیا تھا۔

"تجھے شک ہے میری محبت پر؟"

"تو پھر۔۔۔۔۔۔۔ مجھے لے جا یہاں سے۔ یہاں کسی کو میری ضرورت نئیں۔ کسی کو مجھ سے محبت نئیں۔" وہ کرب ناک سوچوں میں ڈوبی سسک کر بولی تو عثمان ملک کے ہونٹوں پر شاطرانہ سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے بڑی ملائمت سے بلو کے رخسار کو سہلایا تھا۔

"گل ہی کوئی نئیں میری جان!۔۔۔۔۔۔۔ کل آجانا اسی وقت۔ میں گاڑی لے کے آؤں گا۔ پھر ہم ایک بالکل نئی زندگی شروع کریں گے۔" وہ بڑے خواب ناک سے انداز میں بولا تو بلو کا ننھا سا دل خوشی سے معمور ہونے لگا۔ وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے بیٹھی تھی۔

اس وقت گائوں کی عورتیں عموماً گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی تھیں اور ارد گرد پکی فصلوں کے کھیت تھے اس لئے وہ دونوں لوگوں کی نظروں سے محفوظ تھے۔ ویسے بھی قرب وجوار میں ملکوں کے کھیت تھے۔ اگر کوئی آ بھی جاتا تو شاید عثمان ملک کو دیکھ کے لوٹ جاتا۔

"سب سے پہلے ہم ویاہ کریں گے۔" بلو آنکھیں موند کر سرشاری سے مسکرائی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔ سب سے پہلے تیار ویاہ ہو گا۔" عثمان ملک نے معنی خیز لہجے میں کہا مگر وہ ہوش میں ہوتی تو کچھ سمجھتی۔ اس کا ذہن اونچی اُڑانوں میں مگن تھا، جہاں وہ بیگم صاحبہ بنی نوکروں پر حکم چلا رہی تھی۔ عثمان ملک اس کی بے خودی دیکھ کر بے اختیاری پر اُترا تو وہ ہڑبڑا اُٹھی۔ فوراً اُس کے ہاتھوں کو جھٹکا۔

"دیکھ بلو! اب یہ بے رُخی چھوڑ دے۔ ناراض ہو جائوں گا میں۔" وہ ناراض سے لہجے میں بولا تو وہ ہنستی ہوئی اُٹھ گئی۔ اس کی رنگت دمک رہی تھی۔

"دیر کیا ہے؟ کل تک انتظار کر لے۔ فیر تو میں تیری اور تُو میرا۔"

وہ گھڑے میں پانی بھرنے لگی۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" وہ اسے روکنے پر مصر تھا۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

"دیکھ، کل مجھے فیر آنا ہے۔ آج دیر ہو گئی تو کل اماں آنے نئیں دے گی۔"

"اچھا پھر یاد رکھنا۔ کل اسی وقت یہیں انتظار کروں گا۔" وہ اسے یاددہانی کرا رہا تھا۔

وہ دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی واپس پلٹ گئی۔ عثمان ملک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا اس کی متوالی چال اور متناسب وقیامت خیز سراپے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہوّس ناکی اور ہونٹوں پر شاطرانہ سی مسکراہٹ تھی۔

...☆☆☆...

ساری رات وہ جاگتی رہی تھی۔ دل میں ایک عجیب سا خوف اُتر آیا تھا۔ کئی کئی بار وہ اپنے سوچے ہوئے منصوبے پر غور کر رہی تھی، مگر عثمان ملک اس کے دل و دماغ پر ایسا جال بُن چکا تھا کہ اسے کچھ اور سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

صبح اس نے جلدی جلدی بھوری کو چارہ ڈالا، دودھ دوہیا، ناشتہ بنایا اور اس کے بعد جھاڑو اٹھا کر صفائی کرنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر گنگناہٹیں تھیں۔

اماں نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ اس روز اسے اس نے بلو کو بلایا تھا اور نہ ہی خود بلو نے اس سے بات کی تھی۔ پر اسے اطمینان تھا کہ اب وہ سدھر گئی ہے۔

سارا کام ختم کر کے وہ بڑی سرشاری سے گھڑے کی طرف بڑھی تھی۔ مگر تبھی خالہ، خالو، زینو اور اس کے شوہر کو دیکھ کر وہ جیسے زمین سے چپک کر رہ گئی۔ زینو ہنستی ہوئی اس کے گلے لگی تو اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ خالہ اور خالو سے ملی۔

"یہ سب کہاں سے آ گئے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ہائے ربّا! ٹیم یہیں نہ نکل جائے۔" اس کے دل میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔

"کیوں گھبرا رہی ہے تُو بلو۔۔۔۔۔۔۔۔؟" زینو نے اس کا شانہ پکڑ کے ہلایا تو وہ چونکی۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔آں۔۔۔۔۔۔۔۔نئیں تو۔ تُو بیٹھ نا۔"

اماں ان سب کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ زینو اپنے خاوند کے ساتھ پہلی مرتبہ آئی تھی، اس لئے اسے خصوصی توجہ مل رہی تھی۔ خالو نے مٹھائی کا ٹوکرا اُٹھا رکھا تھا۔

"جی آیاں نوں۔۔۔۔۔۔۔۔میرا پُتر آیا ہے۔" اماں نے زینو کے خاوند کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"بلو! لسی پانی کا بندوبست کر اور آپاں حمیداں کے بیٹے کو بھیج، تیرے ابے اور بھائی کو بلا لائے۔"

وہ جتنی جلدی اپنی جان چھڑانا چاہ رہی تھی، اتنا ہی لیٹ ہو رہی تھی۔ اس نے آپاں حمیداں کے بیٹے کو کھیتوں کی طرف دوڑایا اور اس کے دوسرے بیٹے کو بوتلیں لانے کے لئے کہا۔

"اماں! میں نے بوتلوں کے لئے کہہ دیا ہے۔ اب میں پانی بھر لائوں جا کے؟"

وہ اماں کے کان میں منمنائی تھی۔ جواباً اماں نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"ہم تو آج جواب لینے آئے ہیں۔ آلینے دو بھائی کو۔ آج تو میں شیرے اور بلو کے ویاہ کی تاریخ پکی کر کے ہی جاواں گی۔"

خالہ کی بات پر بلو آنکھیں پھاڑ کے اُسے دیکھنے لگی۔

"ہاں، ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں نئیں؟" اماں مطمئن سی ہنس کر بولی۔ پر اس کے اندر تو جیسے ہلچل سی مچ گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر ابا اور بھائی آ گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بوتلیں پی گئیں۔ اس کے بعد بلو اور شیرے کے بیاہ کی تاریخ طے کی جانے لگی۔ وہ زینو کے ساتھ دوسرے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکا تھا۔ زینو اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ شیرے کی بے تابیاں سنا رہی تھی۔ مگر وہ جیسے بہری ہو گئی تھی۔ اسے ایک ہی خیال ستا رہا تھا۔ "عثمان ملک تو گڈی لے کر کھڑا ہو گا۔"

دوپٹہ اوپر لا کر ڈالا تو وہ وحشت زدہ سی بیٹھی رہ گئی۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ ہنسی مذاق جاری تھا۔ اس پر بلو کی دنیا جیسے اُجڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے

سیل جاری تھا۔ ہر بات اُلٹی ہو گئی تھی۔

...☆☆☆

زینواور اس کا خاوند دو دن رہ کے گئے تھے۔ بلو کو عثمان ملک سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ جب بھی پانی بھرنے گئی، زینو اس کے ساتھ تھی اور ساتھ اس کا خاوند بھی۔ عثمان ملک نے دور سے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو وہ گھبرا کر زینو اور اس کے خاوند کو دیکھنے لگی۔ مگر وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے آپس میں مگن تھے۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

"بلو! دروازہ بند کر لے۔ میں ذرا پینو کی اماں کو تیرے جوڑے سلائی کے لئے دے آئوں۔" اماں اسے آواز دے کر نکل گئی تھی۔

بلو کے ذہن میں چمک سی اُبھری۔ وہ ادھ دُھلے برتن چھوڑ کر اُٹھی اور جلدی سے گھڑا اُٹھا کر باہر نکلی۔ دروازے کو باہر سے کنڈی لگائی اور اِدھر اُدھر دیکھتی تیز قدموں سے چلتی ملکوں کے ٹیوب ویل کی طرف بڑھنے لگی۔ عثمان ملک وہاں موجود تو تھا مگر اکیلا نہیں۔ اس کے ساتھ اسی جیسا ایک اور شہری مرد بھی تھا۔ وہ جھجک سی گئی۔

"یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بلو! اتنے دنوں تک تُو نے مجھے خوار کر کے رکھ دیا۔ میں روزانہ یہاں تیرا انتظار کرتا رہتا ہوں۔"

عثمان ملک کے چہرے پر بلو کو دیکھ کر رونق سی آگئی۔ مگر وہ ناراضگی سے بول رہا تھا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔۔ خالہ آگئی تھی۔۔۔۔۔۔۔ بس اسی لئے۔" اُسے اس اجنبی کی نظروں کے جمود سے اُلجھن ہو رہی تھی۔ سرخ آنکھوں اور سانولی رنگت والا لمبا تڑنگا سا شخص بلو کو اچھا نہیں لگا تھا۔

"ان سے ملو۔ یہ ہمارے باس ہیں۔ یعنی مالک ہیں۔ یہی تمہیں مشہور لڑکی بنائیں گے۔" وہ تعارف کروا رہا تھا۔ بلو نے سر ہلا کر اُسے سلام کیا۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔۔ تو یہ ہے بلو۔" اس شخص نے ہنکارا ابھرا۔ وہ جانچتی نظروں سے جیسے بلو کے جسم کے آر پار دیکھنا

چاہ رہا تھا۔ وہ خائف ہونے لگی۔

"اوہوں۔۔۔۔۔۔۔ نئیں عثمان!" باس نے نفی میں سر ہلا کر مایوسی سے کہا۔ "یہ تو بالکل بھی ماڈرن نہیں ہے۔ اس میں شہری لڑکیوں جیسی کوئی بات ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہ نہیں چل سکتی۔"

بلو کا دل جیسے کسی نے مسل کر رکھ دیا۔ اس نے متوحش نگاہوں سے عثمان ملک کو دیکھا۔ وہ خود بھی پریشان لگ رہا تھا۔ بلو کو رونا آنے لگا۔

"پر اب تو میں گھر چھوڑ آئی ہوں۔"

عثمان ملک نے معنی خیزی سے اپنے باس کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھ سے خفیف سا کوئی اشارہ کیا۔

"سر جی! اب دیکھیں نا، یہ صرف میری خاطر اپنا گھر چھوڑ کے آئی ہے۔ اور اتنی خوب صورت لڑکی تو اس پورے گائوں میں نہیں ہو گی۔" عثمان ملک کا لہجہ ایک دم سے چاپلوسانہ ہو گیا۔ وہ آگے بڑھ کے بلو کے پاس آیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنے باس سے مخاطب ہوا۔

"بس اس کو ذرا سا پالش ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ تو اس کی خوب صورتی کی مثال نہیں ملتی۔ اس کا فگر دیکھیں آپ۔ بلو! یہ چادر تو ہٹائو۔"

عثمان ملک نے کہنے کے ساتھ ہی بلو کی چادر کا پلو پکڑ کر کھینچا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اس کے اندر جیسے دھماکے ہونے لگے۔ اسے یوں لگا، جیسے اسے بھرے بازار میں برہنہ کر دیا گیا ہو۔

"ایسا جسم تو شہری لڑکیوں میں سے بھی کسی کا نہیں ہو گا۔ لاکھوں کمائے گی سر جی! آپ اسے چانس دے کر تو دیکھیں۔"

عثمان ملک کی آواز اسے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اس قدر تیزی سے دُھند اُتری کہ سب کچھ دُھندلانے لگا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

"اگر کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ سے دیکھے تو میں اس کو اندھا کر دوں گا، زمین میں گاڑ دوں گا۔ کیونکہ تم میری عزت ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" شیرے کا لہجہ اس کی سماعتوں میں پوری آب و تاب کے ساتھ گونجا تھا۔ اس کی سماعتیں پگھلنے لگیں۔

"ہوں۔۔۔۔۔۔" وہ شخص آگے بڑھ آیا۔ "ویری پریٹی۔۔۔۔۔۔ بہت غضب کا فگر ہے۔"

اس شخص نے بلو کے شانوں پر ہاتھ رکھے اور اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوس ناک سی چمک بلو پر آگہی کا در وا کر گئی۔ اس نے تڑپ کر اس کے ہاتھوں کو جھٹکا تھا اور اپنی چادر فوراً اپنے گرد لپیٹی۔

"یہ ہے تمہاری محبت عثمان ملک!۔۔۔۔۔۔ محبت کرنے والے تو میلی آنکھیں نکال کے رکھ دیتے ہیں۔ زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں بری نیت والوں کو۔ پر تُو کیسا مرد ہے جو اپنی ہونے والی زنانی کو دوسروں کے سامنے چادر اُتار کے دکھا رہا ہے۔ تجھے حیا نہیں آتی؟" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"اوہو، بلو جان!۔۔۔۔۔۔ یہ سب تو روز کی باتیں ہیں۔ شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم لوگ اپنی بیویوں کو گھروں میں چھپا کے نہیں رکھتے۔ عورت تو سیڑھی ہے ہماری شہرت کی، دولت کی کنجی ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا اور بلو کے دل کو کوئی کچلتا جا رہا تھا۔

"خبردار جو کبھی یوں بن سنور کے نکلی تو۔ گھر میں نئیں بیٹھا جاتا تجھ سے۔ پتہ نئیں، جب اکیلی نکلتی ہو گی تو لوگ کن نظروں سے دیکھتے ہوں گے۔"

کبھی کسی نے بہت عزت اور مان بخشا تھا۔ مگر اس نے بڑے تنفر سے اس عزت اور مان کو ٹھکرا دیا تھا اور جو اس کی

محبت تھا، وہ اسے یوں نیلام کر رہا تھا۔ یوں اس کا معائنہ کروا رہا تھا، جیسے وہ بیوپاری ہو اور بلو کوئی بکاؤ شے۔

"ذلیل!۔۔۔۔۔۔ کتے!۔۔۔۔۔۔ کمینے!۔۔۔۔۔۔ اتنا گھٹیا ہے تُو، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ہنہ، تھوکتی ہوں میں تیری دولت پر، شہرت پر۔" وہ حقارت سے اس کی طرف تھوکتی گھڑا اُٹھا کر تیزی سے پلٹنے لگی۔ مگر اس سے پہلے ہی عثمان ملک اس کا بازو جکڑ چکا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں لہرائی تو گھڑا گرفت سے چھوٹ کے نیچے گرا اور ٹوٹ گیا۔ بلو غرّا کر اس پر جھپٹی تھی۔ اس کے ناخنوں نے عثمان ملک کے چہرے پر خراشیں ڈال دیں۔ وہ بلبلا اٹھا۔ دوسرا شخص فوراً اس کی مدد کو بڑھا تھا۔ بلو نے چلانا شروع کر دیا۔

"کتیا! بھونکتی ہے؟" اس نے اتنی زور سے بلو کے منہ پر تھپڑ مارا کہ اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔ اس کا چہرہ جھٹکے سے مڑ گیا تھا۔

"اسے گاڑی میں ڈالو اُٹھا کے۔" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں عثمان ملک سے کہہ رہا تھا۔ بلو کی جان نکلنے لگی۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر عثمان ملک نے اسے جکڑ لیا۔

"اب نہیں۔۔۔۔۔۔ اب تو راتوں رات تُو مشہور ہو گی۔" وہ کریہہ انداز میں بولا تو وہ چیخنے لگی۔

"بلو۔۔۔۔۔۔ بلو۔۔۔۔۔۔!" شیرے کی آواز ہوا کے دوش پر لہراتی اس کے کانوں سے ٹکرائی تو جیسے اس کے جسم میں کسی نے نئی روح پھونک دی۔

"شیرے۔۔۔۔۔۔!" وہ زور سے چیخی تھی۔

"جلدی کرو عثمان!"

وہ دونوں اسے گھسیٹ رہے تھے۔ مگر گاڑی تک پہنچنے سے پہلے ہی شیرا اُن کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

موجودہ صورتِ حال نے جیسے اس کے اندر آتش فشاں کا منہ کھول دیا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر، درخت کی مضبوط لکڑی اٹھا کر ان دونوں پر پل پڑا۔

ایک تو گائوں کے بے فکرے ماحول اور گھی مکھن پر پلے شیرے کے جسم میں ویسے ہی بڑی طاقت تھی، دوسرے اس وقت وہ شدید اشتعال کے زیرِ اثر تھا، جس نے اسے طوفان بنا دیا تھا۔ اس نے مار مار کر ان دونوں کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ لبوں سے مغلظات جاری تھے۔

"مرد وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ چلتے ہوئے زنانی اپنے آپ کو محفوظ سمجھے۔ جو زنانی کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والے کو اندھا کر دے۔ جو اس قدر غیرت مند ہو کہ بری نیت والوں کو چیر پھاڑ کے رکھ دے۔" وہ درخت سے ٹیک لگائے کھڑی کپکپا رہی تھی۔

"شیرے!۔۔۔۔۔۔۔ شیرے۔۔۔۔۔۔۔!" اس نے لرزتی آواز میں بے اختیار شیرے کو پکارا تھا۔ وہ بے ساختہ مڑ کر اس کو دیکھنے لگا۔ اسی موقع کا فائدہ اٹھا کر وہ دونوں بھاگ اُٹھے تھے۔ شیرے نے ان کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا، مگر بلو کی دگرگوں حالت پر وہ جبڑے بھینچ کر دھول اُڑاتی گاڑی کو دیکھتا رہ گیا۔ اس نے مٹی میں اٹی چادر اٹھا کر جھاڑی اور بلو کی طرف بڑھا۔

"پھر کبھی تُو نے گھر سے باہر پیر نکالا تو جان سے مار ڈالوں گا تجھے۔" اس کے لہجے میں نرمی مفقود تھی۔ آگ برس رہی تھی۔ آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔ پھر وہ چادر کے کنارے سے اس کے ہونٹوں کا خون صاف کرنے لگا۔

"کون تھے یہ۔۔۔۔۔۔۔؟"

"پتہ۔۔۔۔۔۔۔ پتہ نئیں۔ میں پانی بھرنے آئی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اس نے۔۔۔۔۔۔۔ اس نے میرا۔۔۔۔۔۔۔ اس نے میرا گھڑا بھی توڑ دیا ہے۔"

"چل چھوڑ، بھول جا سب۔" شیرے نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے بہ مشکل لہجہ نرم کیا اور چادر اس کے سر پر ڈال

دی۔ وہ بے اختیار روتے ہوئے اس کے شانے سے لگ گئی۔

شیرے نے بڑی سہولت سے اسے پیچھے کیا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"شیرے!۔۔۔۔۔۔۔ شیرے! میں بہت بری ہوں۔۔۔۔۔۔۔ ہے نا؟۔۔۔۔۔۔۔ تجھے میں نے اتنا تنگ کیا ہے، اتنا ستایا ہے، فیر بھی تُو نے۔۔۔۔۔۔۔"

"اچھا چل بکواس نہ کر۔ تُو میری منگ ہے، میری عزت ہے۔ اور عزت گھر میں سجانے کے لئے ہوتی ہے، باہر رولنے کے لئے نئیں۔ چل جلدی سے۔ خالہ سے کچھ نہ کہنا۔"

وہ نرم گرم لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس کا دل اندر ہی اندر رو رہا تھا۔

"میرے اللہ! مجھے معاف کر دے۔ تُو نے آج میری عزت رکھ لی، میرا بھرم رکھ لیا۔ میرے سائیاں! تُو ہی سب کا والی وارث ہے۔ تیرا لکھ لکھ شکر ہے۔"

اس کا روم روم خدا کے حضور شکر کا طالب تھا۔

اسے اب شادو کی ساری باتیں سمجھ میں آ گئی تھیں۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے بڑے فخر اور مان کے ساتھ اپنے ساتھ چلتے "مرد" کو دیکھا اور بے ساختہ ہنس دی۔ شیرے نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"جھلّی تو نئیں ہو گئی؟"

وہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"جھلّی نئیں ہوئی شیرے! سیانی ہو گئی ہوں۔ تُو تو میرے اتنے پاس تھا، پھر میں تجھے پتہ نئیں کیوں، پچھان نئیں سکی۔"

وہ دل گرفتہ سے لہجے میں بولی۔ شیرا ابھی اس بےہودہ واقعے کو ذہن سے محو کرنے کے لئے ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"چل، اب تو پچھان لیا نا۔"

”نئیں، اب تو میں اکھاں بند کر کے بھی لکھاں بندوں میں سے اپنے شیرے کو پچھان لوں گی۔ جس کی آنکھوں میں غیرت کی چمک اور دل میں عورت کا احترام ہے۔“

اس کے بھیگے لہجے میں پتہ نہیں کتنی شدت تھی جس نے شیرے کو مسحور کر دیا۔ وہ ٹھٹکا۔

” مذاق تو نئیں کر رہی؟“

اس نے بلو کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں آنسوؤں سے سرخی اُتر آئی تھی۔

”تُو چاہے تو کل بارات لے کے آجا شیرے! تیرے پیار سے بڑھ کے کوئی دولت نئیں میرے لئے۔“

اس کے دل میں اِک ٹیس سی اُٹھی تھی۔ شیرے نے خوشی سے چُور ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”تُو خوش ہے نا۔۔۔۔۔۔۔۔؟“

”ہاں شیرے!۔۔۔۔۔۔۔ میں نے تجھے اپنی آنکھوں سے پچھان لیا ہے۔“ وہ بڑے جذبات سے بولی۔

اب اس کے دل میں کوئی ڈر، کوئی خوف اور کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ وہ اپنے مرد کے ساتھ سر اٹھا کے بے خوف ہو کے چل رہی تھی۔

اسے علم ہو گیا تھا کہ ”اصل دولت“ کیا ہے۔

(تمت بالخیر)